بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان نہایت رحم فرمانے والا ہے۔

اُردو قواعد و اِنشا

گیارھویں اور بارھویں جماعت کے طلبہ کے لیے

پنجاب کریکولم اینڈ ٹیکسٹ بک بورڈ، لاہور

جملہ حقوق بحق پنجاب کریکولم اینڈ ٹیکسٹ بک بورڈ، لاہور محفوظ ہیں۔
اس کتاب کا کوئی حصّہ نقل یا ترجمہ نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی اسے ٹیسٹ پیپرز، گائیڈ بکس، خلاصہ جات، نوٹس یا امدادی کُتب کی تیاری میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔

مصنّف/مؤلف: ❁ پروفیسر محمد طاہر صدیقی

مدیران: ❁ ڈاکٹر جمیل الرحمٰن ❁ محمد ظہیر کاشر وٹو

ٹیکنیکل ریویو کمیٹی: ❁ پروفیسر ڈاکٹر علی محمد خاں ❁ پروفیسر ظفر الحق چشتی
❁ ڈاکٹر عظیم اقبال ❁ ڈاکٹر خادم حسین رائے

نظرِ ثانی: ❁ پروفیسر ڈاکٹر علی محمد خاں

زیرِ نگرانی: ❁ ڈاکٹر جمیل الرحمٰن ❁ محمد ظہیر کاشر وٹو ❁ سرفراز احمد فتیانہ

ڈائریکٹر مسودات: ❁ محترمہ ریحانہ فرحت

سینئر آرٹسٹ/ڈپٹی ڈائریکٹر گرافکس: ❁ مسز انجم واصف

کمپوزنگ: ❁ محمد جمیل کنیرا

ڈیزائننگ: ❁ کامران افضال

تجرباتی ایڈیشن

ناشر: مطبع:

تاریخ اشاعت	ایڈیشن	طباعت	تعداد اشاعت	قیمت

پیش لفظ

اردو ہماری قومی اور رابطے کی زبان ہے۔ زبان کے ذریعے ہی سے فرد اپنے جذبات و احساسات کا اظہار کرنے پر قادر ہوتا ہے۔ اردو زبان نہ صرف ذریعۂ ابلاغ ہے بلکہ ہماری تہذیب کا نشان بھی ہے، لہٰذا لازم ہے کہ ہم اس نشان کو اپنی پہچان بناتے ہوئے اس پر فخر کریں۔ اردو لکھنے، پڑھنے اور بولنے سے ہمارا تہذیبی سرمایہ دنیا بھر میں اُجاگر ہوتا ہے، اس لیے اردو کے فروغ میں اپنی مساعی بروئے کار لانے والے تمام اصحاب، اساتذہ اور ادارے لائقِ تحسین ہیں۔

ادارہ پنجاب کریکولم اینڈ ٹیکسٹ بک بورڈ، لاہور ساٹھ کی دہائی سے نسلِ نو کے لیے معیاری اور سستی کتابیں تیار کرتا چلا آ رہا ہے۔ اردو قواعد و انشا کے نام سے پرائمری، ایلیمنٹری اور سیکنڈری سطح کے طلبہ کے لیے کتب کافی عرصہ سے موجود تھیں جب کہ انٹرمیڈیٹ کے طلبہ کے لیے ادارہ کی سطح پر کوئی کتاب دستیاب نہیں تھی۔ اساتذہ اور طلبہ کی طرف سے بار بار تقاضا سامنے آ رہا تھا کہ انٹرمیڈیٹ کے طلبہ کے لیے بھی اردو قواعد و انشا کی کوئی کتاب مرتّب کی جائے۔ اسی بنا پر نصابی اور امتحانی ضرورت کو مدنظر رکھتے ہوئے زیرِ نظر کتاب ترتیب دی گئی ہے۔ اس ضمن میں یہ بھی خیال رکھا گیا ہے کہ قواعد کے موضوعات کی بے جا تکرار نہ کی جائے کیوں کہ یہ موضوعات طلبہ اپنی سابقہ جماعتوں میں پڑھ چکے ہیں۔ البتہ کچھ نئے موضوعات مثلاً: صوتیات، علمِ ابجد، رسم الخط، اصنافِ ادب اور علمِ عروض وغیرہ کا جامع تعارف کرایا گیا ہے تا کہ طلبہ زبان و ادب کا بہتر ادراک کر سکیں۔ انشا پردازی کے لیے مناسب ہدایات کے ساتھ ساتھ نمونے کی تحریریں بھی شامل کی گئی ہیں۔ مزید یہ کہ تخلیقی مشق کے لیے عنوانات بھی تجویز کر دیے ہیں۔ زبان و ادب میں مہارت مسلسل مشق سے ہی ممکن ہوتی ہے۔ اس توسط سے طلبہ اساتذہ کی شاہ کار تخلیقات کے مطالعے سے اپنا جداگانہ اسلوب وضع کرنے کے علاوہ اپنی تحریروں میں نکھار بھی پیدا کر سکتے ہیں۔ اساتذہ اور والدین سے گزارش ہے کہ وہ اپنے بچّوں کی لسانی اور ابلاغی مہارتوں پر زور دیں تا کہ طلبہ اپنے جذبات و احساسات کا بہتر اظہار کرتے ہوئے اغیار کی مرعوبیت سے بچ سکیں۔

[ادارہ]

حُسنِ ترتیب

قواعد

عنوانات	صفحہ نمبر
علمِ قواعد: تعارف	5
اردو حروفِ تہجی	5
شمسی اور قمری حروف	5
رسم الخط	6
صَرف و نحو	6
تذکیر و تانیث (حقیقی و غیر حقیقی)	7
واحد جمع	8
سابقے اور لاحقے	10
رموزِ اوقاف	13
حروف	16
مرکبِ تام	17
مرکبِ ناقص	17
امدادی افعال	18
مطابقت اور مطابقت کے اصول	21
غلط جملوں کی درستی	23
روزمرّہ اور محاورہ	34
ضرب الامثال	48
علمِ بیان	55
علمِ بدیع	58
علمِ عروض	60
چند شعری اصطلاحات	62
اصنافِ نظم و نثر	64

انشا پردازی

عنوانات	صفحہ نمبر
تلخیص نگاری	75
مکتوب نگاری	79
درخواست نویسی	90
رسیدات	96
مکالمہ نگاری	100
آپ بیتی	114
رُوداد نویسی	129
روزنامچہ	140
مضمون نویسی	146
مضامین کی اقسام	146
مضامین لکھنے کے لیے ضروری باتیں	146
اہم مضامین	147
مضامین کے لیے دیگر عنوانات	192

ایجوکیشن بورڈز کے مطابق جماعت وار عنوانات کی تقسیم

گیارھویں جماعت

مکالمہ، روداد، رسید، درخواست، تلخیصِ عبارت، شعری و ادبی اصطلاحات، تشبیہ، استعارہ، تلمیح، مطلع، مقطع، ردیف، قافیہ، وغیرہ۔ غلط جملوں کی درستی، تذکیر و تانیث۔

بارھویں جماعت

مضمون نویسی، مکتوب نگاری، آپ بیتی، رموزِ اوقاف، مطابقت، حروف، امدادی افعال کا درست استعمال۔

علمِ قواعد: تعارف

زبان سیکھنے اور زبان شناسی کے لیے قواعد سے آگاہی ناگزیر ہے۔ اردو زبان کے قواعد کی بنیاد علمِ ہجا، علمِ صرف اور علمِ نحو پر قائم ہے۔ علمِ ہجا کا تعلق املا سے ہے۔ اردو زبان کی تحریری صورت میں یہ علم بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ علمِ ہجا میں حروفِ تہجی کے در و بست، ان کے صوری و صوتی پہلوؤں کے بارے میں معلومات، ان کی چھوٹی بڑی اشکال اور حروف جوڑ کر الفاظ بنانے کے قرینے سیکھے جاتے ہیں۔ علمِ صَرف قواعد کا وہ حصہ ہے جس کا موضوع لفظ ہے۔ صرفی اصولوں میں کلمات و الفاظ موضوعِ بحث ہوتے ہیں۔ علمِ صرف میں قواعد کے مطابق لفظوں کی بدلتی ہوئی صورتِ حال کے متعلق معلومات حاصل ہوتی ہیں، مثلاً کلمہ کیا ہے؟ مہمل کیا ہے؟ کلمے کی اقسام اسم، فعل اور حرف سے کیا مراد ہے؟ یہ کلمات اپنی شکلیں کن قواعد کے مطابق تبدیل کرتے ہیں وغیرہ؟ علمِ صرف میں ان تمام سوالوں کا جواب تلاش کیا جاتا ہے۔ نحو کا موضوع جملہ ہے۔ قواعد کا وہ حصہ نحو کہلاتا ہے جس میں مرکب جملوں اور عبارتوں سے بحث کی جاتی ہے۔ گویا نحوی اصولوں میں جملہ اور اس کی بدلتی ہوئی صورتِ حال ہی موضوعِ بحث ہوتی ہے۔

اردو حروفِ تہجی

حرف کا اصطلاحی معنی ہے زبان بننے کی آوازیں یا لفظ کا ایک جُزْ و مثلاً: حرص کے تین حروف ہیں: ح، ر اور ص۔ سادہ آوازوں کو تحریری علامات میں لانے کا نام حرف ہے۔ ہر زبان کی بنیادی علامات کو حروف سے ظاہر کیا جاتا ہے جس پر اس زبان کی پوری عمارت کھڑی ہوتی ہے۔ یہ حروف زبان کے معیار اور مزاج کا تعین کرتے ہیں۔ بچے کو جب بولنا، پڑھنا یا لکھنا سکھایا جاتا ہے تو اس کی ابتدا انھی حروف سے کی جاتی ہے۔ سب سے پہلے حروف کی آواز و اشکال سے پہچان ہوتی ہے، اس کے بعد ان حروف کی مدد سے الفاظ اور جملوں کی تشکیل کے مراحل سکھائے جاتے ہیں۔

اردو کے حروفِ تہجی: ا آ ب بھ پ پھ ت تھ ٹ ٹھ ث ج جھ چ چھ ح خ د دھ ڈ ڈھ ذ ر رھ ڑ ڑھ ز ژ س ش ص ض ط ظ ع غ ف ق ک کھ گ گھ ل لھ م مھ ن ں نھ و ہ ء ی ے

کل تعداد: (۵۴)

شمسی اور قمری حروف

عربی زبان کے حروفِ تہجی میں ۱۴ ''حروفِ شمسی'' اور ۱۴ ''حروفِ قمری'' ہیں۔ اسما پر (ال) لگانے سے ان کی امتیاز و خصوصیت واضح ہوتی ہے:

حروفِ شمسی: حروفِ شمسی کی وجہ تسمیہ (الشّمس) ہے۔عربی اسما میں بعض حروف ایسے ہیں کہ اگر ان کے شروع میں ال آتا ہے تو ان کا تلفّظ نہیں کیا جاتا اور لفظ کا اوّل حرف تشدید کے ساتھ پڑھا جاتا ہے مثلاً: الشّمس، الرّحیم، النّعمان وغیرہ۔عربی میں ت، ث، د، ذ، ر، ز، س، ش، ص، ض، ط، ظ، ل اور ن حروفِ شمسی ہیں۔

حروفِ قمری: حروفِ قمری کی وجہ تسمیہ (القمر) ہے۔عربی اسما میں جن حروف سے پہلے ال لکھا جائے اور ان کا تلفّظ کیا جائے یعنی ال پڑھنے میں بھی آئے، حروفِ قمری کہلاتے ہیں مثلاً: القمر، العصر، الفجر وغیرہ۔عربی میں ا، ب، ج، ح، خ، ع، غ، ف، ق، ك، م، و، ہ اور ی حروفِ قمری ہیں۔

رسم الخط

رسم الخط سے مُراد ایسی تحریری علامات ہیں جن کو زبان سے ادا کیا جاتا ہے اور وہ اظہار و بیان کا وسیلہ بن جاتی ہیں۔کہا جاتا ہے کہ انسان شروع میں اپنی بات دوسروں تک پہنچانے کے لیے اور اپنا مدعا بیان کرنے کی خاطر اشاروں اور مختلف نقوش سے مدد لیتا تھا۔رفتہ رفتہ ان اشاروں اور نقوش نے باقاعدہ شکل اختیار کر لی اور یہ باقاعدہ شکل حرفوں اور لفظوں میں زبان کے رسم الخط کے طور پر متشکّل ہو کر بتدریج موجودہ شکل تک پہنچی ہے۔بقول ڈاکٹر سہیل بخاری: ''رسم الخط مختلف آوازوں کی تحریری علامتوں یعنی حروفِ ہجا کا ایک نظام ہے۔انسان جب زبان کی بنیادی آوازیں ایجاد کر چکا تو اسے اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ اس کی آوازوں کے سمعی روپ کو بصری روپ میں تبدیل کر کے اس کے خیالات غیر حاضر شخص تک نہ صرف صحت اور قطعیت سے پہنچائے جا سکیں، بلکہ مستقبل میں ضرورت پڑنے کے لیے محفوظ بھی کیے جا سکیں تاکہ جو بھی چاہے ان سے حسبِ ضرورت استفادہ کر سکے۔''

صَرف و نَحو

ہر زبان کی طرح اردو کے بھی کچھ اصول وضوابط ہیں جنھیں انگریزی میں گرامر اور اردو میں قواعد کہا جاتا ہے۔اردو زبان کے قواعد کے دو حصے ہیں: (۱) حصہ صَرف (۲) حصہ نَحو

صَرف

صرف کے لغوی معنی الٹ پھیر کرنا یا تبدیل کرنا کے ہیں۔اس کا موضوع لفظ ہے۔حروفِ تہجی سے تشکیل پانے والا ہر بامعنی یا باوقعت لفظ کلمہ کہلاتا ہے جو کلام یعنی جملے کا کم از کم جزو ہوتا ہے۔گویا ہر چھوٹا بڑا جملہ کلمات سے مل کر بنتا ہے۔کلام یا جملے میں ہر کلمے کی اپنی خاص پہچان ہے۔جملے میں ہر کلمے کا استعمال کبھی اس کی اصل شکل میں اور کبھی مجوزہ قواعد کے مطابق اس کی شکل بدل کر کیا جاتا ہے۔قواعد کے مطابق کلمات کی واحد، جمع، مذکر، مونث، اسم، فعل اور حرف وغیرہ کی پہچان اور حسبِ ضرورت ان کی اشکال میں تبدیلی سے متعلق بحث یا مطالعہ صرف کہلاتا ہے۔گویا صرفی اصولوں میں کلمات والفاظ ہی موضوعِ بحث ہوتے ہیں۔

نحو

نحو کا موضوع جملہ ہے۔ قواعد/گرامر کا وہ حصہ نحو کہلاتا ہے جس میں مرکب جملوں اور عبارتوں سے بحث کی جاتی ہے۔ گویا نحوی اصولوں میں جملہ اور اس کی بدلتی ہوئی صورتِ حال ہی موضوعِ بحث ہوتی ہے۔

تذکیر و تانیث

اردو زبان میں تذکیر و تانیث کی دو قسمیں ہیں:

(۱) جان دار یا حقیقی اشیا کی تذکیر و تانیث (۲) بے جان یا غیر حقیقی اشیا کی تذکیر و تانیث

تذکیر و تانیث حقیقی کی چند مثالیں

مذکّر	مؤنّث	مذکّر	مؤنّث	مذکّر	مؤنّث	مذکّر	مؤنّث
باپ	ماں	بیٹا	بیٹی	بھانجا	بھانجی	بھتیجا	بھتیجی
پوتا	پوتی	خالو	خالہ	دُلھا	دلھن	داماد	بہو
رنڈوا	رانڈ	لڑکا	لڑکی	مرد	عورت	میاں	بیوی
ماموں	ممانی	نواسا	نواسی	بندہ	بندی	سیّد	سیّدانی

تذکیر و تانیث غیر حقیقی کی چند مثالیں

مذکّر الفاظ

احسان	اخبار	ترس	پھول	ٹکٹ	ٹھیلا
چاند	درخت	درد	دل	دن	دہی
سکون	ستارا	عوام	قالین	قلم	قیام
لغت	لالچ	لفظ	ماجرا	مکان	وقت
تھوک	قبض	مرہم	مزاج	جھاگ	موم
انتظار	گِدھ	کھیل	چلن	ریشم	دہی
دُشنام	جہنّم	طوطی	فرش	شطرنج	مرض

مؤنّث الفاظ

الماری	اینٹ	بات	پلیٹ	ترازو	چادر
کھڑکی	دکان	رات	روشنی	زمین	کائنات
سڑک	شام	عینک	قمیص	کتاب	کہکشاں
مشکل	منڈی	مدد	ناک	ہاکی	پیاز
آواز	گیند	گھاس	زبان	آنکھ	توبہ
استدعا	غرض	گھٹا	قوسِ قُزح	طمع	چٹان
قَبا	کیچڑ	سبزی	طرز	جنگ	ڈکار

تذکیر و تانیث کے اصول

۱۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبروں کے تمام نام، القاب اور خطابات مذکّر ہیں۔

۲۔ دریاؤں میں سوائے گنگا اور جمنا کے باقی سب نام مذکر ہیں۔

۳۔ تمام نمازیں، تمام زبانیں، اسمِ مصغّر اور اسمِ صوت مؤنث ہیں۔

۴۔ تمام درختوں اور پہاڑوں کے نام مذکر ہیں۔

۵۔ ستاروں اور سیاروں کے نام مذکر ہیں البتہ ناہید، مشتری، زہرا اور برجیس مؤنّث ہیں۔

۶۔ تمام مہینوں کے نام مذکر ہیں۔

۷۔ چاندی، قلعی اور کانسی کے علاوہ تمام دھاتوں کے نام مذکر ہیں۔

۸۔ دنوں کے ناموں میں سوائے جمعرات کے باقی سب مذکّر ہیں۔

۹۔ تمام کتابوں کے نام مؤنّث ہیں۔

۱۰۔ محبّ اور محبوب کے القاب بھی مذکر استعمال ہوتے ہیں۔

واحد۔جمع

'واحد' کے معنی ایک اور 'جمع' کے معنی ایک سے زیادہ کے ہیں۔

واحد سے جمع بنانے کا طریقہ

۱۔ الف یا 'ہ' پر ختم ہونے والے مذکّر الفاظ میں الف یا 'ہ' کو یائے مجہول سے بدل دیتے ہیں۔ مثلاً: لڑکا سے لڑکے، بستہ سے بستے وغیرہ۔

۲۔ جس مؤنّث اسم کے آخر میں 'ی' ہو اس میں جمع بنانے کے لیے 'اں' کا اضافہ کر دیتے ہیں۔ مثلاً: لڑکی سے لڑکیاں، بکری سے بکریاں وغیرہ۔

۳۔ 'یا' پر ختم ہونے والے مؤنّث اسما کو جمع بنانے کے لیے 'ں' زیادہ کر دیتے ہیں۔ مثلاً: گڑیا سے گڑیاں، چڑیا سے چڑیاں وغیرہ۔

۴۔ جن مذکّر لفظوں کے آخر میں 'اں' ہو ان کو جمع بنانے کے لیے الف کو ء، ے اور نون غُنّہ سے بدل دیا جاتا ہے۔ مثلاً: دھواں سے دھوئیں، کنواں سے کنوئیں وغیرہ۔

۵۔ واو یا الف پر ختم ہونے والے مؤنّث الفاظ کی جمع 'ئیں' لگانے سے بنتی ہے۔ مثلاً: گھٹا سے گھٹائیں، وفا سے وفائیں وغیرہ۔

۶۔ بعض مؤنّث الفاظ کے آخر میں 'یں' بڑھا کر جمع بناتے ہیں۔ مثلاً: بات سے باتیں، گاجر سے گاجریں وغیرہ۔

۷۔ اردو میں فارسی کی جمع بھی مستعمل ہے، فارسی جمع بنانے کے قاعدے یہ ہیں:

- جاندار واحد اسما کے آخر میں 'اں' لگانے سے۔ مثلاً: مرد سے مرداں، زن سے زناں وغیرہ۔
- 'ہ' پر ختم ہونے والے اسما کی جمع بنانے کے لیے 'ہ' کو 'گ' سے بدل کر 'اں' لگاتے ہیں۔ مثلاً: بندہ سے بندگان وغیرہ۔
- بے جان اسموں کے آخر میں 'ہا' بڑھا کر جمع بنائی جاتی ہے۔ مثلاً: سنگ سے سنگ ہا، صد سے صد ہا وغیرہ۔

۸۔ اردو میں عربی کی جمع بھی بکثرت مستعمل ہیں۔ اس کی چند مثالیں درج ذیل ہیں:

واحد	جمع	واحد	جمع	واحد	جمع	واحد	جمع
ادب	آداب	غرض	اغراض	لقب	القاب	دین	ادیان
دوا	ادویہ	غذا	اغذیہ	سلاح	اسلحہ	دعا	ادعیہ
عیب	عیوب	نفس	نفوس	حق	حقوق	شک	شکوک
ادیب	ادبا	امیر	امرا	شاعر	شعرا	رفیق	رفقا
مذہب	مذاہب	عندلیب	عنادل	مقصد	مقاصد	مطلب	مطالب
اسلوب	اسالیب	حدیث	احادیث	مکتوب	مکاتیب	تقریر	تقاریر
کتاب	کتب	طرائق	طرق	مدینہ	مدائن	رسول	رسل
زاہد	زہاد	حافظ	حفاظ	خادم	خدام	عاشق	عشاق
حصہ	حصص	حکمت	حِکَم	محنت	محن	ہمت	ہمم
صورت	صوَر	امّت	امم	دولت	دول	سنت	سنن
صفت	صفات	عبد	عباد	عظیم	عظام	کریم	کرام

سابقے اور لاحقے

ایک لفظ سے دوسرے لفظ بننے کا عمل اشتقاق کہلاتا ہے۔اردو زبان کی تخصیص ہے کہ اس میں قواعد کے مطابق ایک لفظ سے کئی دوسرے الفاظ بن جاتے ہیں۔اردو سابقے اور لاحقے کا دروبست بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

سابقے: سابقہ سے مراد وہ بامعنی یا بےمعنی لفظ،حرف یا علامت ہے جو کسی موجود مفرد لفظ سے قبل یوں لکھی جائے کہ اس سے ایک ایسا نیا لفظ یا کلمہ ترکیب پا جائے جو نئے معنی کا حامل ہو،مثلاً: مراد سے بامراد، ادب سے بےادب، چھوت سے اچھوت، وارث سے لاوارث، جان سے یک جان،قرآن سے صاحبِ قرآن وغیرہ۔

لاحقے: لاحقہ سے مراد وہ بامعنی یا بےمعنی لفظ،حرف یا علامت ہے جو کسی موجود مفرد لفظ کے بعد یوں لکھی جائے کہ اس سے ایک ایسا نیا لفظ یا کلمہ ترکیب پا جائے جو نئے معنی کا حامل ہو،مثلاً: قلم سے قلم دان،عَلم سے عَلم بردار، میز سے میز پوش،ضرورت سے ضرورت مند،شہر سے شہر یار، مدد سے مددگار، قیام سے قیام گاہ وغیرہ۔

طلبہ کی سہولت کے لیے ذیل میں چند سابقے اور لاحقے دیے جاتے ہیں:

سابقے

اَن	اَن پڑھ،اَن مول،اَن جان،اَن گنت،اَن تھک،اَن دیکھا
اہل	اہلِ بیت،اہلِ نظر،اہلِ کمال،اہلِ قلم،اہلِ وطن،اہلِ علم
با	باادب، باخدا، باوفا، باوقار، باکمال، باقاعدہ
بَر	برآمد، برآمدہ، برباد، برتر، برحق، برخاست
بِلا	بلاامتیاز، بلاناغہ، بلاقیمت، بلااجازت، بلاارادہ، بلاتکلّف، بلاتامّل
بلند	بلندکردار، بلندنظر، بلندہمّت، بلنداقبال، بلندفطرت، بلندپرواز
بِن	بن بلایا، بن دیکھا، بن بیاہا، بن دام، بن روئے
بے	بےادب، بےعلم، بےعقل، بےخبر، بےنصیب، بےمثال، بےپروا، بےکار
پُر	پُرجوش، پُرکیف، پُرہول، پُردرد، پُروقار، پُرآب، پُرآشوب، پُرمعنی، پُرنم
پس	پس منظر، پس ماندہ، پس پردہ، پس خوردہ، پس انداز
پیش	پیش بندی، پیش خدمت، پیش خیمہ، پیش رفت، پیش رو، پیش قدمی
خود	خودغرض،خودرَو،خودآرا،خودارادیت،خودپسندی،خودنمائی

خوش	خوش بُو،خوش خلق،خوش باش،خوش گلو،خوش دامن،خوش مزاج،خوش خط
دَر	دَر پردہ،دَرپے،دَرپیش،دَرکار،دَرمیان،دَرگزر،دَرآمد
زیر	زیرِ سایہ،زیرِ علاج،زیردست،زیرِلب،زیر بار،زیرِحراست
زُود	زُود پشیمان،زُودرنج،زُودہضم،زُوداثر،زُودفہم،زُودنویس
شاہ	شاہ راہ،شہ رگ،شہباز،شہتوت،شہ بالا،شہ سوار،شہ کار
غیر	غیرممکن،غیرمعمولی،غیرموزوں،غیرذمّہ دار،غیرحاضر،غیرآباد،غیرمشروط
کم	کم نظر،کم ظرف،کم ہمّت،کم حوصلہ،کم عقل،کم گو،کم خرچ،کمزور
لا	لازوال،لاحاصل،لاعلاج،لاوارث،لاتعداد،لاجواب،لاوَلد،لاثانی
نا	نامراد،نالائق،ناتواں،نادان،ناجائز،ناپاک،ناتجربہ کار،نابالغ،نادانستہ
نَو	نوعمر،نوجوان،نوخیز،نونہال،نومسلم،نووارد،نوزائیدہ،نوبہار،نوآموز،نَوآباد
نیم	نیم جان،نیم روز،نیم حکیم،نیم مُلّا،نیم مردہ،نیم پختہ،نیم بسمل،نیم کش
ہم	ہم سفر،ہم صفیر،ہم راز،ہم نام،ہم وطن،ہم جماعت،ہم چشم،ہم خیال
یک	یک رنگ، یک زبان، یک دل، یک لخت، یک دم، یک جہتی

لاحقے

اندیش	خیراندیش،بداندیش،مصلحت اندیش،دوراندیش،عاقبت اندیش
انگیز	نفرت انگیز،حیرت انگیز،عبرت انگیز،دردانگیز،فکرانگیز
انداز	خلل انداز،دست انداز،درانداز،رخنہ انداز،تیرانداز،پس انداز
آرا	انجمن آرا،جہاں آرا،بزم آرا،صف آرا،عالم آرا،مسندآرا،گیتی آرا
آلود	خون آلود،زنگ آلود،گردآلود،غبارآلود،قہرآلود،خشم آلود،عرق آلود
آور	تن آور،زورآور،بخت آور،حملہ آور،نشہ آور، قدآور
بان	دربان،شتربان،فیل بان،مہربان،باغبان،ساربان،نگہ بان،گلہ بان،میزبان
بخش	فرحت بخش،منفعت بخش،جان بخش،حیات بخش،خدابخش،صحت بخش،مولابخش

بردار	عَلَم بردار، ناز بردار، فرماں بردار، مشعل بردار، حاشیہ بردار، عصا بردار
پرست	آتش پرست، بت پرست، حق پرست، خود پرست، سر پرست، زر پرست، قدامت پرست
پرور	بندہ پرور، تن پرور، سخن پرور، احباب پرور، غریب پرور، کنبہ پرور، کینہ پرور
پَن	کنوار پن، گنوار پن، بچپن، لڑکپن، دیوانہ پن، بھول پن، اکھڑ پن، بانک پن
پوش	میز پوش، سفید پوش، سرخ پوش، سیاہ پوش، پاپوش، گرد پوش، کمبل پوش، پلنگ پوش
خانہ	جیل خانہ، کارخانہ، باورچی خانہ، قمار خانہ، شفاخانہ، بت خانہ، غریب خانہ، غسل خانہ
خواہ	خیر خواہ، تنخواہ، بدخواہ، قرض خواہ، خاطر خواہ، بہی خواہ، عذر خواہ، داد خواہ
خور	چغل خور، غوطہ خور، حرام خور، حلال خور، آدم خور، مردار خور، شراب خور
خیز	زرخیز، مردم خیز، نوخیز، سحر خیز، فتنہ خیز، بلاخیز، دھماکا خیز، تعجب خیز، قیامت خیز
دار	وفادار، جہاں دار، داغ دار، جان دار، سمجھ دار، سرمایہ دار، تاج دار، آب دار، پہرے دار
دان	قلم دان، قدردان، پان دان، عطردان، سیاست دان، ریاضی دان، نکتہ دان
رساں	چٹھی رساں، فیض رساں، سراغ رساں، پیغام رساں، ضرر رساں، ایذا رساں، نفع رساں
زار	لالہ زار، سبزہ زار، چمن زار، ریگ زار، گل زار، مرغ زار، خار زار
ساز	قانون ساز، جلد ساز، دوا ساز، زمانہ ساز، چارہ ساز، سخن ساز، حیلہ ساز
ستان	کوہستان، گلستان، خارستان، نخلستان، قبرستان، پاکستان، بلوچستان، ازبکستان
شکن	بت شکن، حوصلہ شکن، قانون شکن، دندان شکن، پیمان شکن، خیبر شکن، عہد شکن، دل شکن
شناس	اداشناس، مزاج شناس، حق شناس، خود شناس، موقع شناس، قدر شناس، رُو شناس
طلب	خیر طلب، آرام طلب، انصاف طلب، محنت طلب، جفا طلب، شہرت طلب، مرمت طلب
فروش	جَو فروش، سر فروش، گل فروش، ضمیر فروش، کتب فروش، بُردہ فروش، غلّہ فروش
کدہ	بت کدہ، آتش کدہ، دولت کدہ، آرام کدہ، نعمت کدہ، صنم کدہ، غم کدہ، حیرت کدہ
گار	پروردگار، کردگار، روزگار، خدمت گار، پرہیز گار، مددگار، طلب گار، سازگار
گاہ	آرام گاہ، پناہ گاہ، بارگاہ، قیام گاہ، چراگاہ، عیدگاہ، شکارگاہ، کمین گاہ
گر	آہن گر، بازی گر، کارگر، زرگر، غارت گر، جادوگر، چارہ گر، دریوزہ گر، شیشہ گر

گیر	بغل گیر، خبر گیر، دست گیر، دامن گیر، راہ گیر، دل گیر، عالم گیر، جا گیر، سخت گیر
مند	حاجت مند، دردمند، دولت مند، فتح مند، خردمند، تنومند، ہنرمند، آرزومند، غرض مند
ناک	خطرناک، دردناک، غم ناک، دہشت ناک، افسوس ناک، ہیبت ناک، عبرت ناک
نشیں	خاک نشیں، کرسی نشیں، دل نشیں، صحرانشیں، گوشہ نشیں، خلوت نشیں، تخت نشیں، سجّادہ نشیں
نویس	خوش نویس، اخبارنویس، عرضی نویس، خلاصہ نویس، وقائع نویس، لغت نویس
ور	سخن ور، دیدہ ور، دانش ور، تاج ور، پیشہ ور، طاقت ور، جان ور، بہرہ ور، ہنرور، نام ور
یاب	فتح یاب، سزایاب، ظفریاب، کمیاب، فیض یاب، کامیاب، زریاب، دستیاب، نایاب

رموزِ اوقاف (Punctuation)

رموز رمز کی جمع ہے جس کے معنی ہیں علامت، نشانی، اشارہ یا کنایہ وغیرہ جب کہ اوقاف وقف کی جمع ہے جس کے معنی ہیں وقفہ کرنا، رکنا یا ٹھہرنا وغیرہ۔ دراصل یہ وہ علامتیں ہیں جو ایک جملے کو دوسرے جملے سے یا کسی جملے کے ایک حصّے کو دوسرے حصّوں سے علیحدہ کرتی ہیں۔ رموزِ اوقاف کی علامتوں کے بغیر تحریر میں نکھار نہیں آتا کیوں کہ رموزِ اوقاف کی مدد سے پڑھنے والے کو معلوم ہو جاتا ہے کہ جملوں کو کس طرح پڑھنا ہے یا جملے کے کس حصّے کو کس طرح ادا کرنا ہے اور کہاں کہاں اور کس قدر توقّف کرنا ہے۔ اگر یہ علامتیں نہ ہوں تو عبارت الفاظ و حروف کا ملغوبہ بن کر رہ جائے اور اس کا مفہوم سمجھنے میں دشواری پیش آئے۔ ان علامتوں کے نہ ہونے سے عبارت کے خلط مَلط ہونے کا اندیشہ بھی رہتا ہے۔ رموزِ اوقاف کا ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ ان کی وجہ سے پڑھنا آسان ہو جاتا، نظر کو سکون ملتا اور پڑھنے والا ہر جملے کے ہر جزو کی اہمیت جان لیتا ہے۔ اردو میں اس مقصد کے لیے جو علامتیں استعمال کی جاتی ہیں، ان کے نام اور شکلیں حسبِ ذیل ہیں:

علامت کا اردو نام	شکل	انگریزی نام
سکتہ	،	Comma
وقفہ	؛	Semi Colon
رابطہ	:	Colon
تفصیلیہ	:۔	Colon and Dash
ختمہ	۔	Full Stop
سوالیہ یا استفہامیہ	؟	Sign of Interrogation
ندائیہ یا فجائیہ	!	Sign of Exclamation

Sign of Exclamation	!	ندائیہ یا فجائیہ
Inverted Commas	“ ”	واوین
Brackets	( )	قوسین
Dash	____	خط

سکتہ ، یہ علامت سب سے کم توقف کے لیے استعمال ہوتی ہے۔جس لفظ کے بعد یہ علامت آئے وہاں قاری کو بغیر سانس ٹوٹے بالکل ذرا سی دیر کے لیے ٹھہرنا چاہیے۔مثلاً:

ا۔اسلم،امجد،علی اور صہیب ہم جماعت ہیں۔ ۲۔بشریٰ کے بستے میں اردو،انگریزی،ریاضی اور اسلامیات کی کتابیں ہیں۔

وقفہ ؛ یہ علامت جملے میں سکتہ سے ذرا زیادہ ٹھہراؤ کے لیے استعمال ہوتی ہے۔کسی جملے میں مختلف الفاظ کی دو یا دو سے زائد تراکیب کے درمیان وقفہ کی علامت استعمال کرتے ہیں،مثلاً:

ا۔ عالیہ اور عظمیٰ؛ طاہرہ اور زاہدہ؛ تسنیم اور نازالگ الگ ٹولیوں میں بیٹھی ہیں۔

۲۔ لاہور پنجاب کا؛ کراچی سندھ کا؛ پشاور کے پی کے کا اور کوئٹہ بلوچستان کا دارالحکومت ہے۔

رابطہ : یہ علامت جملے میں وقفہ سے زیادہ ٹھہراؤ کے لیے استعمال ہوتی ہے۔کسی کا قول،فرمان،حوالہ،کہاوت یا ضرب المثل نقل کرنے سے پہلے اور جملے کے الگ حصوں میں ربط پیدا کرنے کے لیے رابطہ کی علامت استعمال کرتے ہیں،مثلاً:

ا۔ قائدِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:”کام،کام اور بس کام۔“

۲۔ کسی نے سچ کہا ہے:”گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں۔“

تفصیلیہ :۔ یہ علامت جیسا کہ اس کے نام ہی سے ظاہر ہے،کسی بات کی تفصیل بیان کرنے سے پہلے استعمال ہوتی ہے۔عام طور پر اس کے استعمال سے پہلے ”حسبِ ذیل“ یا ”مندرجہ ذیل“ وغیرہ کے الفاظ لائے جاتے ہیں۔یہ علامت بالعموم کسی طویل اقتباس یا فہرست وغیرہ کو پیش کرنے سے پہلے بھی استعمال ہوتی ہے جیسے:

ا۔ **ناریل کے حسبِ ذیل فائدے ہیں:۔** اس کا تیل جلاتے ہیں؛ کھانے میں ڈالتے ہیں؛ خول سے ڈونگے بناتے ہیں؛ اس کا ریشہ رسی بٹنے کے کام آتا ہے؛ کچا ہو تو اس کا پانی پیتے ہیں؛ لکڑی سے ایندھن کا کام لیتے ہیں اور ادویات میں استعمال کرتے ہیں۔

۲۔ **کچھ میری روزانہ زندگی کا حال سنو:۔** علی الصباح اٹھا،ضروریات سے فارغ ہو کر وضو کیا،نماز پڑھی،تلاوت کی،اس کے بعد نہا دھو کر ناشتا کیا،ڈاک دیکھی،اگر موسم خوش گوار ہوا تو چھڑی لے کر ٹہلنے چلا گیا ورنہ گھر ہی میں پڑا رہا۔

ختمہ ۔ ختمہ کی علامت،جسے انگلش میں فُل اسٹاپ (Full Stop) کہتے ہیں،نقطے سے ذرا بڑی ہوتی ہے اور ایک جملے کو دوسرے

جملے سے علاحدہ کرتی ہے۔ عام طور پر یہ علامت بیانیہ جملے کے اختتام پر لگاتے ہیں۔ مثلاً:

۱۔ دنیا فانی ہے۔ ۲۔ میں ایک محنتی طالب علم ہوں۔

استفہامیہ ؟ یہ علامت کسی سے سوال کرنے یا استفسار کے لیے لکھے گئے جملے کے آخر میں لگائی جاتی ہے، مثلاً:

۱۔ یہ کتاب کس کی ہے؟ ۲۔ آج کیا تاریخ ہے؟

ندائیہ ! یہ علامت دراصل لفظ ''ندا'' کا مخفف ہے اور یہ علامت وہاں استعمال کی جاتی ہے جہاں کسی کو ندا دینا، پکارنا یا خطاب کرنا مقصود ہو۔ مثلاً:

۱۔ خدایا! میری آرزو پوری کردے۔ ۲۔ اے بھائی! ذرا میری بات سنو۔ (اس صورت میں یہ علامت ندائیہ کہلاتی ہے)

فجائیہ ! جب تحریر و تقریر میں غصّہ، حقارت، استعجاب، تمنّا، ادب، تعظیم، ندامت، خوف، تحسین و آفرین وغیرہ جیسے جذبات یا جوش کو ظاہر کرنا مقصود ہو تو بھی یہ علامت استعمال ہوتی ہے، جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ الفاظ بلا اختیار یا خود بخود زبان سے نکل گئے ہیں۔ جذبات کی شدّت کی مناسبت سے ایک سے زیادہ علامتیں بھی لگا دیتے ہیں، مثلاً:

۱۔ وہ اَور رحم! اس کی امید فضول ہے۔ ۲۔ بس! صاحب بس!! بہت ہو چکا، اب آپ خاموش ہو جایئے۔

واوین '' '' اس علامت کا استعمال کسی کا قول مِن وعَن اسی کے الفاظ میں نقل کرتے وقت یا کسی اقتباس کا اندراج کرتے وقت اُس قول یا اقتباس کی ابتدا اور اس کے آخر میں کیا جاتا ہے جس کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ واوین کے اندر والی عبارت گفت گو کرنے والے ہی کے الفاظ پر مشتمل ہے، مثلاً:

۱۔ باپ نے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا: ''بیٹا! محنت کرو، محنت کا پھل ضرور ملے گا۔''

۲۔ میں نے ملازم سے کہا: ''جاؤ میرا سامان گاڑی سے اتار لاؤ۔''

قوسین ( ) اس علامت میں کسی بات کی وضاحت کے لیے ایسے الفاظ لکھے جاتے ہیں جو لفظِ معترضہ یا جملہ معترضہ کے طور پر آتے ہیں اور انھیں حذف کر دینے سے عبارت کے ربط و تسلسل میں کوئی فرق نہیں پڑتا، مثلاً:

۱۔ انور صاحب (مرحوم) سے ہمارے بھی دیرینہ تعلقات تھے۔

۲۔ میرا گھر (مکان کا وہ حصّہ جس میں میری سکونت ہے) بوسیدہ ہو گیا ہے۔

خط ـــــ انگریزی میں اس علامت کو ڈیش (Dash) کہا جاتا ہے۔ جس طرح قوسین جملہ معترضہ کو رواں تحریر سے الگ کرتی ہے اسی طرح یہ علامت بھی نیم ختمہ کا کام دیتے ہوئے جملہ ختم کیے بغیر اس میں اچانک تبدیلی کو ظاہر کرتی ہے، مثلاً:

۱۔ میں بیمار ہوں ـــــ آپ سے ملنا بھی ضروری تھا۔

۲۔ اب تو اسی تنخواہ میں ـــــ وہ جتنی بھی ہے ـــــ گزارہ کرنا ہوگا۔

حروف

حرف وہ کلمہ ہے جو نہ تو کسی شخص یا چیز کا نام ہو، نہ کسی کام کے کرنے یا ہونے کو ظاہر کرے اور نہ ہی اپنے الگ کوئی معنی رکھتا ہو، بلکہ یہ مختلف کلموں کو آپس میں ملاتا اور ان کے ساتھ مل کر ہی بامعنی بنتا ہے۔ مثلاً: پر، کا، اور وغیرہ۔

حروف کی اقسام

اردو میں حروف کی بہت اقسام ہیں، جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

حروفِ جار: وہ حروف ہیں جو اسما اور افعال کو آپس میں ملاتے ہیں۔ مثلاً: میں، سے، پر، تک، ساتھ، اوپر، نیچے، لیے، واسطے، آگے، پیچھے، اندر، باہر، پاس، درمیان وغیرہ

حروفِ اضافت: وہ حروف ہیں جو اسموں کے باہمی تعلق کو ظاہر کرتے ہیں۔ اردو میں کا، کے، کی حروفِ اضافت ہیں اور زیادہ تر یہی استعمال ہوتے ہیں۔

حروفِ عطف: وہ حروف ہیں جو اسموں کے باہمی تعلق کو ظاہر کرتے ہیں۔ مثلاً و، اور، نیز، پھر۔

حروفِ استفہام: وہ حروف ہیں جو کچھ پوچھنے یا سوال کرنے کے موقع پر بولے جاتے ہیں۔ مثلاً: کیا، کیوں، کہاں، کب، کون، کیسا، کس لیے، کس طرح، کس قدر وغیرہ

حروفِ ندا: وہ حروف ہیں جو کسی اسم کو ندا دینے یا پکارنے کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ مثلاً: اے، یا، اجی، ابے، او، ارے وغیرہ۔

حروفِ تشبیہ: وہ حروف ہیں جو کسی ایک چیز کو کسی دوسری چیز کے مشابہ یا مانند قرار دینے کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ مثلاً: مانند، طرح، جیسا، سا، جوں، مثل، صورت، بعینہٖ، ہوبہو، کا سا، کی سی وغیرہ۔

حروفِ تحسین: وہ حروف ہیں جو تحسین و آفرین کے موقع پر بولے جاتے ہیں۔ مثلاً: شاباش، خوب، واہ، سبحان اللہ، مرحبا، آفرین وغیرہ۔

حروفِ نفرین: وہ حروف ہیں جو نفرت یا ملامت کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ مثلاً: توبہ، لعنت، تف، معاذ اللہ، استغفر اللہ، لاحول ولاقوۃ وغیرہ۔

حروفِ استدراک: وہ حروف ہیں جو پہلے جملے میں آنے والے کسی شبہ کو دور کرنے کے لیے دوسرے جملے میں استعمال ہوں۔ مثلاً: مگر، اگرچہ، لیکن، ہاں، البتہ، الّا، و لے وغیرہ۔

حروفِ تاکید: وہ حروف ہیں جو کلام میں تاکید اور زور پیدا کریں۔ مثلاً: ہرگز، ضرور، مطلق، بالکل، زنہار، سراسر، سربسر، اصلاً، خود، کبھی، سبھی، سب کے سب، کلہم، سرتاپا، ہوبہو، ضرور بالضرور وغیرہ۔

حروفِ علّت: وہ حروف ہیں جو کسی بات کے سبب یا علّت کو ظاہر کریں۔ جیسے: کہ، کیوں، تاکہ، اس لیے کہ، تا وغیرہ

حروفِ مفاجات: مفاجات کے لغوی معنی ہیں: اچانک یا یکا یک۔ حروفِ مفاجات وہ حروف ہیں جو کسی امر کے اچانک واقع ہونے

پر بولے جاتے ہیں۔ مثلاً: یک بیک، یکا یک، یک بارگی، دفعتاً، اتفاقاً، ناگاہ، اچانک، ناگہاں وغیرہ۔

حروفِ بیان: وہ حروف ہیں جو کسی وضاحت کے لیے استعمال کیے جائیں اور بالعموم وہ حرف ''کہ'' ہے۔ مثلاً: استاد نے شاگرد سے کہا کہ سبق پڑھو۔ باپ نے بیٹے سے کہا کہ محنت سے کام لو وغیرہ۔

مرکّبات اور ان کی اقسام

مرکّب: دو یا دو سے زیادہ بامعنی لفظوں کے مجموعے کو مرکّب یا کلام کہتے ہیں۔ مثلاً: میرا قلم، لڑکا نیک ہے۔

مرکب کی قسمیں: (۱) مرکّب تام (۲) مرکّب ناقص

مرکّبِ تام

مرکّب تام: دو یا دو سے زیادہ بامعنی لفظوں کا ایسا مجموعہ جس سے کہنے والے کا مقصد پورا ہو جائے اور سننے والے کو بات اچھی طرح سمجھ میں آ جائے۔ مرکب تام کی دو قسمیں ہیں: (۱) جملہ انشائیہ (۲) جملہ خبریہ

جملہ انشائیہ: وہ جملہ جس میں فعل امر، نہی، استفہام، تعجب، ندا، تحسین، انبساط، تاسف، قسم، تمنّا، تنبیہ، نصیحت اور دعا پائی جائے۔ مثلاً: شور مت کرو، کھڑے ہو جاؤ وغیرہ۔

جملہ خبریہ: وہ جملہ جس میں کسی بات کی خبر دی جائے۔ جملہ خبریہ دو طرح کا ہوتا ہے۔ (۱) جملہ اسمیہ (۲) جملہ فعلیہ

جملہ اسمیہ: کوئی بھی جملہ ہو، اس کے اجزا میں ایسا تعلق ہوتا ہے جو کلام کو مکمل کر دیتا ہے یعنی سننے والا اس سے پورا فائدہ حاصل کرتا ہے اور مزید بیان کی گنجائش نہیں رہتی، ایسے تعلق کا نام 'اسناد' ہے۔ جس چیز کا تعلق ہوتا ہے، اسے 'مسند' اور جس چیز سے تعلق ہوتا ہے اسے 'مسند الیہ' کہتے ہیں۔ جس جملے میں مسند الیہ اور مسند دونوں اسم ہوں وہ جملہ اسمیہ کہلاتا ہے۔ جملہ اسمیہ کے چار اجزا ہوتے ہیں: (۱) اسم یا مبتدا (۲) خبر (۳) متعلق خبر (۴) فعل ناقص

جملہ فعلیہ: وہ جملہ جو کم از کم فعل اور فاعل سے بنا ہو۔ ایسے جملے میں فاعل مسند الیہ ہوتا ہے اور فعل مسند۔ جیسے: اسلم چلا۔ اس میں 'چلا' فعل اور 'اسلم' فاعل ہے۔ جملہ فعلیہ کے چار اجزا ہیں: (۱) فعل (۲) فاعل (۳) مفعول (۴) متعلقِ فعل

مرکّبِ ناقص

مرکّبِ ناقص: مرکّبِ ناقص وہ کلام ہے جس سے سننے یا پڑھنے والے کو پورا پورا مفہوم حاصل نہ ہو۔ مثلاً: احمد کا گھر، چالاک بھیڑیا، پھول اور کانٹا وغیرہ۔

مرکّبِ ناقص کی بہت سی قسمیں ہیں مثلاً: مرکّبِ اضافی، مرکّبِ توصیفی، مرکّبِ عطفی، مرکّبِ عددی، مرکّبِ

جاری، مرکّبِ اشاری، مرکّبِ ندائیہ، مرکّبِ تاکیدی، تابع مہمل، تابع موضوع، مرکّبِ بیانی وغیرہ۔ مگر ہم یہاں ابتدائی چار مرکبات کا ذکر کرنے پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔

(۱) مرکّبِ اضافی: وہ مرکّب ہے جو مضاف، مضاف الیہ اور حروفِ اضافت (کا، کے، کی) سے مل کر بنے۔ مثلاً: ادریس کا گھر، احمد کے ابّا جان، توصیف کی کتاب وغیرہ۔ اردو میں فارسی مرکبات کثرت سے مستعمل ہیں۔ فارسی میں حروفِ اضافت (کا، کے، کی) کی جگہ اضافتِ کسرہ (ِ) یا ہمزہ (ء) آتا ہے۔ جیسے: صاحب خانہ، ذرّۂ خاک وغیرہ۔

(۲) مرکّبِ توصیفی: وہ مرکّب ہے جو صفت اور موصوف سے مل کر بنے۔ مثلاً: نیک آدمی، بد کردار، اونچا درخت، معصوم بچّہ وغیرہ۔ ان مرکبات میں بالترتیب نیک، بد، اونچا اور معصوم کے الفاظ صِفَت ہیں جب کہ آدمی، کردار، درخت اور بچّہ موصوف ہیں۔ فارسی مرکبات میں اردو کے برعکس موصوف پہلے اور صِفَت بعد میں آتی ہے۔ مثلاً: مردِ میدان، بچہ معصوم وغیرہ۔

(۳) مرکّبِ عطفی: وہ مرکّب جو معطوف الیہ، حرفِ عطف (و، اور) اور معطوف سے مل کر بنے۔ حرفِ عطف سے پہلے آنے والے کلمے کو معطوف الیہ اور حرفِ عطف کے بعد آنے والے کلمے کو معطوف کہتے ہیں۔ مثلاً: ارض و سما، خار و خس، پھول اور کانٹا وغیرہ۔ ان مثالوں میں حرفِ عطف سے پہلے آنے والے اسما ارض، خار، پھول ہیں۔ ان کو معطوف کہتے ہیں، جب کہ سما، خس اور کانٹا کے اسما معطوف الیہ کہلائیں گے۔

(۴) مرکّبِ عددی: وہ مرکّب ہے جو کسی اسم کی تعداد یا گنتی کو ظاہر کرے جیسے: گیارہ کتابیں، بیس آم، چالیس درخت وغیرہ۔ ان میں گیارہ، بیس اور چالیس اسمِ عدد اور کتابیں، آم اور درخت معدود ہیں۔ اس طرح عدد اور معدود مل کر مرکّبِ عددی بنتے ہیں۔

نوٹ: یاد رہے، حرفِ عطف واؤ (و) ہمیشہ فارسی یا عربی الفاظ میں آتا ہے۔ ہندی، اردو یا انگریزی الفاظ کے ساتھ اس کا استعمال نہیں ہوتا۔ مثلاً: گل و لالہ، لوح و قلم، خشک و تر وغیرہ مرکّبات درست ہیں لیکن کالج و یونیورسٹی، گائے و بھینس، باغ و سڑک مرکّبات درست نہیں، ان کے بجائے کالج اور یونیورسٹی، گائے اور بھینس، باغ اور سڑک کہنا ہی درست ہوگا۔

امدادی افعال

اردو زبان کی مقبولیت کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ اس زبان میں امدادی فعل نے بڑی وسعت اور نزاکت پیدا کر دی ہے۔ تحریر و تقریر میں اکثر اوقات اصل فعل کے ساتھ کوئی دوسرا فعل یا اس کا جز و استعمال کیا جاتا ہے جس سے اصل فعل میں تھوڑا بہت تغیّر پیدا ہو جاتا ہے۔ امدادی فعل اصل فعل کے معنوں میں زیادہ قوّت پیدا کر دیتا ہے اور کلام میں حسن و خوبی یا فصاحت و بلاغت آ جاتی ہے۔ وہ افعال یا ان کے اجزا جو اصل فعل کی مدد یا معاونت کے طور پر آتے ہیں، امدادی افعال یا افعالِ معاون کہلاتے ہیں۔

اس ضمن میں یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ تمام بنیادی افعال، امدادی افعال کے طور پر استعمال نہیں ہوتے جب کہ تمام

امدادی افعال بھی بنیادی افعال نہیں ہوتے ہیں۔ عام طور پر امدادی فعل اصل فعل کے بعد ہی آتا ہے، جیسے امدادی فعل ''دینا اور لینا'' کی مناسبت سے یہ جملے:

۱۔ میں نے اسے سمجھا دیا ہے۔ ۲۔ یہ رقم رکھ لیجیے۔

لیکن کبھی کبھی امدادی فعل اصل فعل سے پہلے بھی آجاتا ہے۔ جیسے:

۱۔ ثریّا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا ۲۔ مجھ کو لے ڈوبا ترا شہر میں یکتا ہونا

اردو میں بالعموم استعمال ہونے والے امدادی افعال جن مصادر سے بنتے ہیں وہ یہ ہیں:

دینا، لینا، آنا، جانا، ڈالنا، پڑنا، رہنا، ہونا، بیٹھنا، اٹھنا، چکنا، سکنا، پانا، کرنا، نکلنا، لگنا، چاہنا، رکھنا۔

ذیل کی سطور میں ان مصادر کو جملوں میں استعمال کیا گیا ہے۔ ان مثالوں کو بغور دیکھیے، ان میں شعری مثالیں بھی شامل ہیں:

(۱) دینا
۱۔ میں نے اسے سمجھا دیا ہے۔ ۲۔ پھر وہ چل دیا۔
۳۔ براہِ کرم مجھے جانے دو۔ ۴۔ باپ نے ناخلف بیٹے کو گھر سے نکال دیا۔
اٹھو مری دنیا کے غریبوں کو جگا دو
کاخِ امرا کے در و دیوار ہلا دو

(۲) لینا
۱۔ یہ رقم رکھ لیجیے۔ ۲۔ میں نے تمھاری بات سن لی ہے۔
۳۔ یہ خط پڑھ لیجیے۔ ۴۔ راستے میں طوفان نے آلیا۔
روک لو گر غلط چلے کوئی
بخش دو گر خطا کرے کوئی

(۳) آنا
۱۔ اگر بن آیا تو تمھاری طرف بھی آؤں گا۔ ۲۔ جاؤ پہلے بچّے کو سکول چھوڑ آؤ۔
۳۔ جب چاہو چلے آنا۔ ۳۔ یہ خیال کیسے ابھر آیا؟
ایک ہم ہیں کہ لیا اپنی ہی صورت کو بگاڑ
ایک وہ ہیں جنھیں تصویر بنا آتی ہے

(۴) جانا
۱۔ پتّے بکھر گئے۔ ۲۔ ابھی بیٹھو پھر چلے جانا۔
۳۔ وہ اپنی ہی کہے جاتا ہے۔ ۴۔ میں خط لکھتا جاتا تھا اور وہ پڑھتا جاتا تھا۔
کام مردوں کے جو ہیں سو وہی کر جاتے ہیں
جان سے اپنی جو کوئی کہ گزر جاتے ہیں

(۵) ڈالنا
۱۔ ''مار ڈالا یار تیری جواب طلبی نے۔'' ۲۔ بچّے نے چیونٹی کو پاؤں تلے مسل ڈالا۔
۳۔ جو دل میں ہے ابھی سے کہہ ڈالو۔ ۴۔ لگائی بجھائی نے بالآخر بھائیوں میں جدائی کر ڈالی۔
تجھے اس قوم نے پالا ہے آغوشِ محبت میں
کچل ڈالا تھا جس نے پاؤں میں تاجِ سرِ دارا

(۶) پڑنا
۱۔ آج بہت دنوں بعد دکھائی پڑے ہو؟ ۲۔ اسے گہرائی میں اترنا پڑا۔

۳۔ آج حامد محمود سے الجھ پڑا۔ ۴۔ آپ کو مجھ سے معافی مانگنی پڑے گی۔

جانا پڑا رقیب کے در پر ہزار بار	اے کاش! جانتا نہ تری رہ گزر کو میں

(۷) ہونا ا۔ اگر وہ آیا ہوتا تو مجھے ضرور اطلاع ہوتی۔ ۲۔ یہ تمام واقعہ میرا سنا ہوا ہے۔

۳۔ غالباً اس نے ایسا ضرور کیا ہوگا۔ ۴۔ وہ ہوسٹل میں ٹھہرا ہوا ہے۔

تم مرے پاس ہوتے ہو گویا	جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

(۸) بیٹھنا ا۔ ہم تو اپنی قسمت کو رو بیٹھے ہیں۔ ۲۔ دراصل وہ اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھا ہے۔

۳۔ وہ ایسے کام اکثر بے سوچے سمجھے کر بیٹھتا ہے۔ ۴۔ میں ہی پوچھ بیٹھا ہوں تو بتا دو۔

کیا فلک ٹوٹ پڑا بعدِ فنا بھی مجھ پر	بیٹھی بیٹھی ہے، دبی جاتی ہے تُربت میری

(۹) اٹھنا ا۔ وہ یکا یک بول اٹھا۔ ۲۔ وہ درد کی شدّت سے چیخ اٹھا۔

۳۔ میری بات سنتے ہی وہ بھڑک اٹھا۔ ۴۔ کھلونا دیکھتے ہی بچّے کا دل مچل اٹھا۔

دل کے پھپھولے جل اٹھے سینے کے داغ سے	اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

(۱۰) رہنا ا۔ کب تک ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہو گے۔ ۲۔ وہ بولتا رہا اور میں چپ چاپ سنتا رہا۔

۳۔ کیا سوچ رہے ہو؟ ۴۔ وہ اکثر یہاں آتا رہتا ہے۔

وائے ناکامی! متاعِ کارواں جاتا رہا	کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

(۱۱) چکنا ا۔ میں خط لکھ چکا ہوں۔ ۲۔ وہ کھانا کھا چکا ہے۔

۳۔ میں اپنا فرض ادا کر چکا ہوں۔ ۴۔ جو کہنا ہے کہہ چکو۔

طے کر چکا جو منزلِ شب، کاروانِ صُبح	ہونے لگا افق سے ہویدا نشانِ صُبح

(۱۲) سکنا ا۔ کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟ ۲۔ میں یہ کام بخوبی کر سکتا ہوں۔

۳۔ کاش! تم میری بات سمجھ سکتے۔ ۴۔ میں تمھیں کچھ نہیں دے سکتا۔

ارض و سما کہاں تری وسعت کو پا سکے	میرا ہی دل ہے وہ کہ جہاں تُو سما سکے

(۱۳) پانا ا۔ ابھی آدھا ہی راستہ طے کر پایا تھا کہ طوفان نے آلیا۔ ۲۔ کیا مجال کہ آدمی ٹھہرنے پائے۔

۳۔ وقت نکال پایا تو ضرور آؤں گا۔ ۴۔ میں یہ کام شاید کل تک ختم کر پاؤں گا۔

پنہاں تھا دامِ سخت قریب آشیان کے	اڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہم ہوئے

(۱۴) نکلنا ا۔ جونہی میں نے اسے روتا دیکھا تو میں بھی پھوٹ بہ نکلا۔ ۲۔ مسافر گھر سے منھ اندھیرے چل نکلا۔

۳۔ وہ وہاں سے سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ نکلا۔ ۴۔ پھوڑا پک گیا تو پھوٹ نکلا۔

یہ امدادی فعل شاید انھی تین چار مصدروں کے ساتھ آتا ہے۔ (بحوالہ: مولوی عبدالحق، اردو صَرف ونحو، ص ۷۳)

(۱۵) کرنا ۱۔ بچّہ دیر تک رویا کیا۔ ۲۔ ذرا صُبح سویرے اٹھ جایا کرو۔

۳۔ دل لگا کر پڑھا کرو۔ ۴۔ اچھے لوگوں کی صحبت میں رہا کرو۔

ابنِ مریم ہُوا کرے کوئی
میرے دکھ کی دوا کرے کوئی

(۱۶) لگنا ۱۔ وہ اپنی داستانِ غم سنانے لگا۔ ۲۔ پہلے تو وہ چپ رہا پھر اچانک بولنے لگا۔

۳۔ بلّی نے اِدھر اُدھر دیکھا پھر چپکے سے دودھ پینے لگی۔ ۴۔ زلزلے سے شہر کے درودیوار لرزنے لگے۔

گراں خواب چینی سنبھلنے لگے
ہمالہ کے چشمے ابلنے لگے

(۱۷) چاہنا ۱۔ کھانا آیا چاہتا ہے۔ ۲۔ دیکھیے، کیا ہوا چاہتا ہے۔

۳۔ اس غلطی سے بچنا چاہیے۔ ۴۔ میں سونا چاہتا ہوں۔

کوئی دم کا مہماں ہوں اے اہلِ محفل
چراغِ سحر ہوں بجھا چاہتا ہوں

(۱۸) رکھنا ۱۔ اس نے مجھے صُبح سے بٹھائے رکھا۔ ۲۔ میں نے اسے سمجھا رکھا ہے۔

۳۔ سن رکھو، میں تمھارے چکمے میں آنے والا نہیں۔ ۴۔ میں نے یہ کام اگلے سال کے لیے اٹھا رکھا ہے۔

قاصد کے آتے آتے خط اک اور لکھ رکھوں
میں جانتا ہوں جو وہ لکھیں گے جواب میں

مطابقت

مطابقت کے لغوی معنی ہیں مطابق ہونا، موافق ہونا یا برابر ہونا لیکن قواعد کی رُو سے فعل کی اپنے فاعل اور مفعول کے ساتھ، صِفت کی اپنے موصوف کے ساتھ اور علامتِ اضافت (کا، کے، کی وغیرہ) کی اپنے مضاف کے ساتھ نسبت کے بدلنے کو مطابقت کہتے ہیں۔ گویا ہم کہہ سکتے ہیں کہ فعل اپنے فاعل اور مفعول کے ساتھ، صفت اپنے موصوف کے ساتھ اور علامتِ اضافت اپنے مضاف کے ساتھ مطابقت رکھتی ہے۔ مثلاً ان جملوں پر غور کیجیے:

ماں چلی گئی، بیٹا چلا گیا۔ ماں اور بیٹا دونوں چلے گئے۔

علم انسان کا درجہ بڑھا دیتا ہے۔ علم اور نیک چلن، انسان کا درجہ بڑھا دیتے ہیں۔

لڑکی نے پانی پیا۔ لڑکی نے کہانی پڑھی۔

مطابقت کے چند اہم اصول

- فاعل مذکر ہوتو فعل بھی مذکر آئے گا۔ جیسے: استاد سبق پڑھاتا ہے۔
- فاعل مؤنّث ہوتو فعل بھی مؤنّث آئے گا۔ جیسے: استانی سبق پڑھاتی ہے۔
- فاعل واحد ہوتو فعل بھی واحد آئے گا۔ جیسے: بلّی پاؤں چاٹتی ہے۔
- فاعل جمع ہوتو فعل بھی جمع آئے گا۔ جیسے: لڑکے کتاب پڑھتے ہیں۔
- اسمِ صِفَت سے متعلق ہم جنس فاعل ایک سے زیادہ ہوں تو فعل واحد اور جنس کے مطابق آئے گا۔ جیسے: برائی اور بدچلنی ہمیشہ نقصان دیتی ہے۔ خاموش رہنے سے رعب اور وقار بڑھتا ہے۔
- اسمِ صِفَت سے متعلق فاعل ایک سے زیادہ ہوں تو فعل جمع اور جنس کے مطابق آئے گا۔ جیسے: جھوٹ اور سچ ایک ساتھ نہیں چلتے۔
- مختلف جنس کے فاعل دو سے زیادہ ہوں تو فعل آخری فاعل کے مطابق آئے گا۔ جیسے: ہمیں دیکھنے کو آنکھیں، سننے کو کان اور بولنے کو زبان ملی ہے۔
- دو یا دو سے زیادہ ضمیریں بطور فاعل آئیں تو فعل جمع آئے گا۔ جیسے: میں اور وہ ایک ہی کتاب پڑھتے ہیں۔
- دو اسم حرفِ عطف کے بغیر بطور فاعل آئیں تو فعل جمع آئے گا۔ جیسے: ماں باپ ہمیشہ بچّوں پر شفقت کرتے ہیں۔
- ایک ہی کلمے سے متعلق دو اسم حرفِ عطف کے بغیر بطور فاعل آئیں تو فعل واحد آئے گا۔ جیسے: میں نے کتاب کا حرف حرف پڑھا ہے۔ قلم دوات کہاں رکھی ہے؟
- دو یا دو سے زیادہ اسم بطور فاعل آئیں اور ان کے آخر میں 'سب' کا لفظ آئے تو فعل آخری اسم کے مطابق آئے گا۔ جیسے: عبداللہ کا گھر، دکان، زمین، زیورات سب بک گئے۔
- دو یا دو سے زیادہ اسم بطور فاعل آئیں اور ان کے آخر میں 'کوئی یا کچھ' کا لفظ آئے تو فعل واحد مذّکر آئے گا۔ جیسے: ظفر، شفقت، کوثر، طاہر کوئی محفل میں نہیں پہنچا۔ مال، دولت، زمین، جائیداد کچھ نہ بچا۔
- اخباروں، کتابوں اور رسالوں کے نام جمع ہونے کے باوجود فعل واحد ہی آئے گا۔ جیسے: میں نے "حکایاتِ سعدیؒ" پڑھی۔ ریاض مجید کی "کلیاتِ نعت" چھپ گئی ہے۔
- تعظیمی فاعل ہوتو فعل جمع آئے گا۔ جیسے: مولانا تشریف لائے ہیں۔ والد صاحب لاہور گئے ہیں۔
- جملے میں علامتِ فاعل 'نے' آئے تو فعل مفعول کے مطابق واحد، جمع، مذّکر یا مؤنّث آئے گا۔ جیسے: اسلم نے کتاب پڑھی۔ سلمیٰ نے سبق پڑھا۔ میں نے پھل اور پھول دیکھے۔
- جملے میں علامتِ مفعول 'کو' آئے تو فعل فاعل کے مطابق واحد، جمع، مذّکر یا مؤنّث آئے گا۔ جیسے: زاہد نے اپنی بیٹی کو پڑھایا۔ سلمیٰ نے اپنے بھائی کو چاکلیٹ دی۔ چور نے پولیس کو دیکھا۔
- جملے میں علامتِ مفعول 'کو' آئے تو صِفَت واحد مذّکر آئے گی۔ جیسے: میں نے اپنی بیٹی کو سچا پایا۔

غلط جملوں کی دُرستی

تحریر وتقریر میں زبان اور بیان کی صحت کا خیال رکھا جاتا ہے۔ گفت گو کے دوران میں درست اور خوب صورت الفاظ کا استعمال بولنے والے کی شخصیت کو باوقار بنا دیتا ہے۔ جب کہ غلط سلط الفاظ کا استعمال اور کم زور لہجہ شخصیت پر اثر انداز ہوتا ہے۔ زبان دانی میں اس موضوع پر بہت زور دیا جاتا ہے۔ ذیل میں طلبہ کی سہولت کے لیے زبان دانی کے چند بنیادی اور اہم اصول بیان کیے جاتے ہیں۔ طلبہ کو چاہیے کہ وہ تحریر وتقریر میں اِن اصولوں کو پیشِ نظر رکھیں:

زبان دانی کے چند اہم اصول

(۱) جمع اسموں میں پہلے ''ہر'' کا لفظ لکھنا یا بولنا غلط ہے۔ مثلاً: ہر ممالک یا ہر اشخاص کہنا غلط ہے۔ اس کے بجائے ہر ملک اور ہر شخص کہنا درست ہے۔

(۲) ایک جملے میں دو ہم معنی الفاظ کا لانا غلط ہے۔ مثلاً: آب زم زم کا پانی کی جگہ صرف آبِ زم زم کہنا چاہیے۔ اسی طرح کوہِ ہمالیہ کا پہاڑ کہنا غلط ہے، اس کی جگہ صرف کوہِ ہمالیہ اور ماہِ رمضان کے مہینے کے روزے کی جگہ ماہِ رمضان کے روزے کہنا چاہیے۔

(۳) مصدر کے ساتھ ''نے'' کا استعمال صحیح نہیں ہے۔ مثلاً: تم نے کہاں جانا ہے؟ کی جگہ تمھیں کہاں جانا ہے؟ صحیح اور درست ہوگا۔

(۴) اردو میں کسی اسم کے آخر میں آنے والے حروف ''الف'' یا ''ہ'' کو یائے مجہول (ے) سے بدلنے کا نام اِمالہ ہے۔ اس کا اصول یہ ہے کہ لفظ جیسا بولنے میں آئے گا ویسا ہی لکھنے میں آئے گا۔ مثلاً: ''جلسہ میں بہت لوگ آئے تھے'' کی جگہ ''جلسے میں بہت لوگ آئے تھے'' لکھا اور بولا جائے گا۔

(۵) مؤنث فعل کی گردان میں نون غنہ (ں) کا اضافہ صحیح نہیں ہوتا۔ مثلاً: ''لڑکیاں پڑھ رہیں ہیں۔'' غلط ہے۔ ''لڑکیاں پڑھ رہی ہیں۔'' صحیح ہے۔ اسی طرح ''عورتیں سوئیٹر بُن رہیں ہیں۔'' غلط ہے۔ ''عورتیں سویٹر بن رہی ہیں۔'' صحیح ہے۔

(۶) علامتِ اضافت (زیر) اور حرفِ عطف واؤ (و) صرف فارسی اور عربی الفاظ میں لائے جاتے ہیں۔ کسی اردو یا ہندی لفظ کے ساتھ ان کا استعمال جائز نہیں۔ مثلاً: ''دامنِ کوہ'' صحیح ہے۔ ''دامنِ پہاڑ'' کہنا غلط ہوگا۔ اسی طرح روٹی اور پانی کہنا صحیح ہوگا مگر روٹی و پانی کہنا غلط ہوگا۔

(۷) عربی میں جمع تین کے عدد سے شروع ہوتی ہے۔ دو کے لیے تثنیہ کا صیغہ آتا ہے، چناں چہ عربی میں دو کے لیے جمع کا صیغہ استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ مثلاً: دو اشعار، دو کتب کہنا غلط ہے جب کہ دو شعر، دو کتابیں کہنا صحیح ہوگا۔

(۸) متشابہ (ہم آواز) لفظوں کے استعمال میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔ مثلاً: انھوں نے حساب بے باک کر دیا۔'' اس جملے میں ''بے باک'' کی جگہ ''بے باق'' ہونا چاہیے۔

(۹) اہلِ زبان کے روزمرّہ کی پیروی بھی لازم ہے۔اس اصول کی روشنی میں ''ہرروز'' کو ''ہردن'' اور ''آئے دن'' کو ''آئے روز'' کہنا غلط ہوگا۔

(۱۰) محاورے اور ضرب المثل کے الفاظ میں کسی قسم کا ردو بدل نہیں کیا جا سکتا۔مثلاً: لال پیلا ہونا کی جگہ نیلا پیلا ہونا اور ایک انار سو بیمار کی جگہ ایک انار ہزار بیمار کہنا غلط ہوگا۔

(۱۱) ''مبادا'' کے معنی ہیں: ''ایسا نہ ہو'' چناں چہ تحریر وتقریر میں ''مبادا'' کے ساتھ ''نہ'' کا لفظ استعمال نہیں کرنا چاہیے۔مثلاً: یہ کہنا غلط ہوگا: ''محنت کرو، مبادا فیل نہ ہوجاؤ۔'' صحیح جملہ یوں ہوگا: ''محنت کرو مبادا فیل ہوجاؤ۔''

(۱۲) جب کسی جملے میں ''چوں کہ'' استعمال ہوگا تو اس کے بعد ''اس لیے'' ضرور آئے گا۔اسی طرح ''جوں جوں'' کے بعد ''توں توں'' اور ''جیسے جیسے'' کے بعد ''ویسے ویسے'' لازماً آتا ہے۔مثلاً: چوں کہ وہ بیمار ہے اس لیے آج کالج نہیں آیا۔جوں جوں ہم بلندی پر جائیں؛ توں توں سردی بڑھتی ہے۔جیسے جیسے منزل قریب آتی گئی؛ ویسے ویسے ہم خوش ہوتے گئے، کہنا ہی درست ہوگا۔

(۱۳) ہائے مختفی والے لفظ کو حالتِ فاعلی میں لانے کے لیے لفظ کے آخر میں ''گی'' لگاتے ہیں، جیسے: تازہ سے تازگی، شگفتہ سے شگفتگی وغیرہ۔یہ اصول صرف ہائے مختفی والے لفظ کے لیے ہے بصورتِ دیگر درستگی، فوتگی، ناراضگی جیسے الفاظ بنانا غلطی تصوّر ہوتا ہے۔

❁

اب ہم طالب علموں کے استفادے کے لیے مختلف حوالوں سے کچھ غلط اور درست جملے لکھتے ہیں۔انھیں اپنی تحریر وتقریر میں ہمیشہ پیشِ نظر رکھیں۔

املا کی اغلاط

غلط جملے	درست جملے
اسلام وعلیکم کے بعد عرض ہے۔	السلام علیکم کے بعد عرض ہے۔
مجھے تمھاری مخالفت کی کوئی پرواہ نہیں۔	مجھے تمھاری مخالفت کی کوئی پروا نہیں۔
مجھے ایک ضروری کام پڑھ گیا ہے۔	مجھے ایک ضروری کام پڑ گیا ہے۔
اس میں ناراضگی کی کیا بات ہے؟	اس میں ناراضی کی کیا بات ہے؟
مجھے یہ بات سن کر حیرانگی ہوئی۔	مجھے یہ بات سن کر حیرانی ہوئی۔
یہ جملہ صیح نہیں ہے۔	یہ جملہ صحیح نہیں ہے۔
میں اس معاملے میں بلکل خاموش ہوں۔	میں اس معاملے میں بالکل خاموش ہوں۔

قاعدِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ پاکستان کے بانی ہیں۔	قائدِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ پاکستان کے بانی ہیں۔
میٹھے خربوزے کو شہد سے تشبیح دیتے ہیں۔	میٹھے خربوزے کو شہد سے تشبیہ دیتے ہیں۔
پھولوں پہ پژمردی چھائی ہوئی ہے۔	پھولوں پہ پژمردگی چھائی ہوئی ہے۔
عالیہ اور شازیہ پڑھ رہیں ہیں۔	عالیہ اور شازیہ پڑھ رہی ہیں۔
ناجائز تجاوزات ختم کردی جائیں گی۔	تجاوزات ختم کردیے جائیں گے۔
یہ شعر اردو ادب میں ایک نئی جدت ہے۔	یہ شعر اردو ادب میں ایک جدت ہے۔
میں فی الحال ابھی نہیں آسکتا۔	میں فی الحال نہیں آسکتا۔

واحد ۔ جمع کی اغلاط

یہاں ہر امراض کا علاج ہوتا ہے۔	یہاں ہر مرض کا علاج ہوتا ہے۔
میں نے ہر مما لک کی سیر کی ہے۔	میں نے ہر ملک کی سیر کی ہے۔
احمد نے دو من گیہوں خریدا۔	احمد نے دو من گیہوں خریدے۔
حضرت عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے اولیا اللہ ہوئے ہیں۔	حضرت عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے ولی اللہ ہوئے ہیں۔
میں نے تمام مشکلاتوں کا مقابلہ کیا۔	میں نے تمام مشکلات کا مقابلہ کیا۔
یہ دونوں کتب میری پسندیدہ ہیں۔	یہ دونوں کتابیں میری پسندیدہ ہیں۔
وہ کئی سالوں سے یہیں مقیم ہے۔	وہ کئی سال سے یہیں مقیم ہے۔
دونوں فریقین نے آپس میں صلح کر لی۔	فریقین نے آپس میں صلح کر لی۔

تذکیر و تانیث کی اغلاط

جنابہ ہیڈ مسٹریس صاحبہ!	جناب ہیڈ مسٹریس!
علی نے اخبار پڑھ لی ہے۔	علی نے اخبار پڑھ لیا ہے۔
اسے ابھی تک ہوش نہیں آئی۔	اسے ابھی تک ہوش نہیں آیا۔

قاسم کے سر میں درد ہو رہی ہے۔	قاسم کے سر میں درد ہو رہا ہے۔
لوگ گہری غاروں میں رہتے تھے۔	لوگ گہرے غاروں میں رہتے تھے۔
آج میں نے سائیکل چلایا۔	آج میں نے سائیکل چلائی۔
فٹ بال میری پسندیدہ کھیل ہے۔	فٹ بال میرا پسندیدہ کھیل ہے۔
رات میں نے ایک خواب دیکھی۔	رات میں نے ایک خواب دیکھا۔
میری قلم کہاں ہے؟	میرا قلم کہاں ہے؟
رابعہ یہ بات سن کر ہکّی بکّی رہ گئی۔	رابعہ یہ بات سن کر ہکّا بکّا رہ گئی۔
مرض بڑھتی گئی جوں جوں دوا کی۔	مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی
میں صبح سے آپ کا راہ دیکھ رہا ہوں۔	میں صبح سے آپ کی راہ دیکھ رہا ہوں۔
بچّے کا ناک بہ رہا ہے۔	بچّے کی ناک بہ رہی ہے۔
اس دکان کی دہی کھٹّی ہے۔	اس دکان کا دہی کھٹّا ہے۔
مجھے اردو نہیں آتا۔	مجھے اردو نہیں آتی۔
میں نے آج کی اخبار نہیں پڑھی۔	میں نے آج کا اخبار نہیں پڑھا۔
میں نے آپ کی بہت انتظار کی۔	میں نے آپ کا بہت انتظار کیا۔
آج کل چین کی طوطی بول رہی ہے۔	آج کل چین کا طوطی بول رہا ہے۔
صابن سے میل اتر جاتی ہے۔	صابن سے میل اتر جاتا ہے۔
بچّے کی قلم گم ہو گئی۔	بچّے کا قلم گم ہو گیا۔
گلی میں بہت زیادہ کیچڑ تھا۔	گلی میں بہت زیادہ کیچڑ تھی۔
ہرا ہرا گھاس دیکھ کر جی خوش ہو گیا۔	ہری ہری گھاس دیکھ کر جی خوش ہو گیا۔
مجھے اس بات کا بڑا فکر ہے۔	مجھے اس بات کی بڑی فکر ہے۔
یہ پتھر بہت بھارا ہے۔	یہ پتھر بہت بھاری ہے۔
کمرے کا چھت ٹپکنے لگا ہے۔	کمرے کی چھت ٹپکنے لگی ہے۔
''مکتوباتِ غالب'' چھپ گئے ہیں۔	''مکتوباتِ غالب'' چھپ گئی ہے۔

زائداور متشابہ الفاظ کی اغلاط

نذیر اکبر آبادی کو عوامی شاعر کہا جاتا ہے۔	نظیر اکبر آبادی کو عوامی شاعر کہا جاتا ہے۔
ڈپٹی نظیر احمد اردو کے پہلے ناول نگار ہیں۔	ڈپٹی نذیر احمد اردو کے پہلے ناول نگار ہیں۔
میں یہ کتاب آپ کی نظر کرتا ہوں۔	میں یہ کتاب آپ کی نذر کرتا ہوں۔
مثل ہے کہ ہمت کا ہامی خدا ہے۔	مثل ہے کہ ہمت کا حامی خدا ہے۔
صدا عیش دوراں دکھاتا نہیں	سدا عیش دوراں دکھاتا نہیں
میں نے سیب کا مربع کھایا۔	میں نے سیب کا مربّہ کھایا۔
ابنِ بطوطہ بہت مشہور سیاہ تھا۔	ابنِ بطوطہ بہت مشہور سیّاح تھا۔
پہلی رات کے چاند کو حلال کہتے ہیں۔	پہلی رات کے چاند کو ہِلال کہتے ہیں۔
ہم سب بخیریت سے ہیں۔	ہم سب بخیریت ہیں۔
وہ بمشکل سے گھر پہنچا۔	وہ بمشکل گھر پہنچا۔
درحقیقت میں وہ سچّا تھا۔	درحقیقت وہ سچّا تھا۔
سنگِ مرمر کا پتھر بڑا خوب صورت ہوتا ہے۔	سنگِ مرمر بڑا خوب صورت ہوتا ہے۔
مریض کی عیادت کرنا کارِ ثواب کا کام ہے۔	مریض کی عیادت کارِ ثواب ہے۔
آج شبِ برات کی رات ہے۔	آج شبِ براُت ہے۔
محنت کرو مبادا فیل نہ ہو جاؤ۔	محنت کرو مبادا فیل ہو جاؤ۔
کیا آپ نے اس کتاب سے استفادہ حاصل کیا ہے؟	کیا آپ نے اس کتاب سے استفادہ کیا ہے؟
ان کی شادی بتاریخ ۱۷۔ دسمبر کو ہوئی تھی۔	ان کی شادی بتاریخ ۱۷۔ دسمبر ہوئی تھی۔
یہ راستہ شارعِ عام نہیں ہے۔	یہ شارعِ عام نہیں ہے۔
اس نے میرے برخلاف گواہی دی۔	اس نے میرے خلاف گواہی دی۔
وہ تا ہنوز لاہور سے نہیں آیا۔	وہ ہنوز لاہور سے نہیں آیا۔
آپ اسلام آباد سے کب واپس لوٹیں گے؟	آپ اسلام آباد سے کب لوٹیں گے؟

اِمالہ کی اغلاط

یہ آپ ہی کے فائدہ کی بات ہے۔	یہ آپ ہی کے فائدے کی بات ہے۔
انسان کو قاعدہ قانون کے مطابق چلنا چاہیے۔	انسان کو قاعدے قانون کے مطابق چلنا چاہیے۔
اکرم آج کل نوکری کی تلاش میں مارے مارے پھرتا ہے۔	اکرم آج کل نوکری کی تلاش میں مارا مارا پھرتا ہے۔
مجھے اس جھگڑا میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے؟	مجھے اس جھگڑے میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے؟
لوگ اُس کا کھیل دیکھ کر ہکّے بکّے رہ گئے۔	لوگ اُس کا کھیل دیکھ کر ہکّا بکّا رہ گئے۔
یہ بچّہ بڑے حیلہ بہانہ کرتا ہے۔	یہ بچّہ بڑے حیلے بہانے کرتا ہے۔
ہر ذرّہ میں خدا کا نور جلوہ گر ہے۔	ہر ذرّے میں خدا کا نور جلوہ گر ہے۔
بچّہ روتا روتا سو گیا۔	بچّہ روتے روتے سو گیا۔
جلسہ میں بہت زیادہ لوگ آئے تھے۔	جلسے میں بہت زیادہ لوگ آئے تھے۔
آپ کو ہمت اور حوصلہ سے کام لینا چاہیے۔	آپ کو ہمت اور حوصلے سے کام لینا چاہیے۔
مجھے اس کھیل تماشا سے کوئی دل چسپی نہیں۔	مجھے اس کھیل تماشے سے کوئی دل چسپی نہیں۔
پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانہ سے	پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے
کعبہ کے تلفّظ کو بدل دیتا ہے لیکن طیبہ کی طرف حرفِ امالہ نہیں جاتا	کعبے کے تلفّظ کو بدل دیتا ہے لیکن طیبہ کی طرف حرفِ امالہ نہیں جاتا

اضافت و عطف کی اغلاط

مویشی شدّتِ دھوپ سے ہانپنے لگے۔	مویشی دھوپ کی شدّت سے ہانپنے لگے۔
سونگھنے و چکھنے میں بڑا فرق ہے۔	سونگھنے اور چکھنے میں بڑا فرق ہے۔
یہ چیخ و پکار کی کیسی ہے؟	یہ چیخ پکار کی آواز کیسی ہے؟
کیا آپ صحیح و سلامت گھر پہنچ گئے؟	کیا آپ صحیح سلامت گھر پہنچ گئے؟
انھوں نے میری خوب خاطر و مدارت کی۔	انھوں نے میری خوب خاطر مدارت کی۔
ان دونوں لڑکوں کی لیاقت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔	ان دونوں لڑکوں کی لیاقت میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

ہمیں آپس میں پیار ومحبت سے رہنا چاہیے۔	ہمیں آپس میں پیار محبت سے رہنا چاہیے۔
لیڈرانِ قوم کا احترام کرنا چاہیے۔	قوم کے لیڈروں کا احترام کرنا چاہیے۔
اللہ ہمیں آگِ جہنم سے محفوظ رکھے۔	اللہ ہمیں جہنم کی آگ سے محفوظ رکھے۔
بارش سے سبزے کا رنگ وروپ نکھر گیا۔	بارش سے سبزے کا رنگ روپ نکھر گیا۔
فضاؤں میں ہے ہرسو جلوہِ ذاتِ خداوندی	فضاؤں میں ہے ہرسو جلوۂ ذاتِ خداوندی
کمالِ گرمئ سعئ تلاشِ دید نہ پوچھ	کمالِ گرمیِ سعیِ تلاشِ دید نہ پوچھ

مطابقت کی اغلاط

آپ ہمارے یہاں کب تشریف لاؤ گے؟	آپ ہمارے یہاں کب تشریف لائیں گے؟
براہِ کرم آپ یہاں سے چلے جاؤ۔	براہِ کرم آپ یہاں سے چلے جائیں۔
بچیاں سبق یاد کررہیں ہیں۔	بچیاں سبق یاد کررہی ہیں۔
جلسے میں عورتیں بھی آئی ہوئیں تھیں۔	جلسے میں عورتیں بھی آئی ہوئی تھیں۔
آؤ آؤ تشریف رکھو۔	آیئے آیئے! تشریف رکھیے۔
میں نے چار کرسیاں اور ایک میز خریدیں۔	میں نے چار کرسیاں اور ایک میز خریدی۔
باہر کون صاحب ہے؟	باہر کون صاحب ہیں؟
''بانگِ درا'' شائع ہو گیا ہے۔	''بانگِ درا'' شائع ہو گئی ہے۔
'نوائے وقت' چھپ کر آ گئی ہے۔	'نوائے وقت' چھپ کر آ گیا ہے۔
آپ منہ ہاتھ دھولو۔	آپ منہ ہاتھ دھولیں۔
احمد اور اس کا بھائی راستہ بھول گیا۔	احمد اور اس کا بھائی راستہ بھول گئے۔
بچّے کو ابھی تک ہوش نہیں آئی۔	بچّے کو ابھی تک ہوش نہیں آیا۔
میں اور اسلم بازار گیا تھا۔	میں اور اسلم بازار گئے تھے۔
چچا اور بھتیجا لڑ پڑا۔	چچا اور بھتیجا لڑ پڑے۔
زندگی کھیل اور تماشا ہوتی ہیں۔	زندگی کھیل اور تماشا ہوتی ہے۔

''ادبی دنیا'' بند ہو چکی ہے۔	''ادبی دنیا'' بند ہو چکا ہے۔
نیکی کا راہ بہت کٹھن ہے۔	نیکی کی راہ بہت کٹھن ہے۔
اب تو دن رات چین سے گزر رہی ہے، عاقبت کی خبر خدا جانے۔	اب تو دن رات چین سے گزر رہے ہیں، عاقبت کی خبر خدا جانے۔
وہ گھوڑا گاڑی کس کا ہے؟	وہ گھوڑا گاڑی کس کی ہے؟

''نے'' اور ''کو'' کی اغلاط

میں نے آج ہی واپس جانا ہے۔	مجھے آج ہی واپس جانا ہے۔
یہ سبق ہم نے پڑھا ہوا ہے۔	یہ سبق ہمارا پڑھا ہوا ہے۔
اسلم نے آپ کو کیا کہا تھا؟	اسلم نے آپ سے کیا کہا تھا؟
دشمن میرے بال کو بیکا نہ کر سکے۔	دشمن میرا بال بیکا نہ کر سکے۔
ہم کو اپنے وعدے پر قائم رہنا چاہیے۔	ہمیں اپنے وعدے پر قائم رہنا چاہیے۔
میں نے آپ کے گھر کو نہیں دیکھا۔	میں نے آپ کا گھر نہیں دیکھا۔
براہِ کرم! آپ میری خطا کو معاف کر دیں۔	براہِ کرم! آپ میری خطا معاف کر دیں۔
دروازے کو بند کر دیں۔	دروازہ بند کر دیں۔
جنابِ پرنسپل نے طلبہ کو خطاب کیا۔	جنابِ پرنسپل نے طلبہ سے خطاب کیا۔
جو کچھ تم نے کہنا ہے، کہہ لو۔	جو کچھ تمھیں کہنا ہے، کہہ لو۔
ایک دن سبھی نے مرنا ہے۔	ایک دن سبھی کو مرنا ہے۔
میری بات کو غور سے سنو۔	میری بات غور سے سنو۔
میں نے دو ٹکٹ کو خریدا۔	میں نے دو ٹکٹ خریدے۔
اس نے کراچی جانا ہے۔	اسے کراچی جانا ہے۔
میری باتیں کان کو کھول کر سن لو۔	میری باتیں کان کھول کر سن لو۔
وہ آپ کو ملنے کا خواہش مند ہے۔	وہ آپ سے ملنے کا خواہش مند ہے۔

ضرب الامثال اور محاورات کی اغلاط

ایک انار ہزار بیمار۔	ایک انار سو بیمار۔
پانی دیکھو، پانی کی دھار دیکھو۔	تیل دیکھو، تیل کی دھار دیکھو۔
دھوبی کا کتا نہ گھر کا نہ باہر کا۔	دھوبی کا کتا نہ گھر کا نہ گھاٹ کا۔
جس کی لاٹھی اس کی گائے۔	جس کی لاٹھی اس کی بھینس۔
بچّہ گود میں ڈھنڈورا شہر میں۔	بچّہ بغل میں ڈھنڈورا شہر میں۔
دودھ کا جلا لسّی بھی پھونک پھونک کر پیتا ہے۔	دودھ کا جلا چھاچھ بھی پھونک پھونک کر پیتا ہے۔
بھینس بڑی کہ عقل۔	عقل بڑی کہ بھینس۔
گائے کے آگے بین بجانا۔	بھینس کے آگے بین بجانا۔
گیہوں کے ساتھ جَو بھی پس جاتا ہے۔	گیہوں کے ساتھ گُھن بھی پس جاتا ہے۔
نہ دس من تیل ہوگا، نہ رادھا ناچے گی۔	نہ نو من تیل ہوگا، نہ رادھا ناچے گی۔
آسمان سے گرا کوٹھے پر اٹکا۔	آسمان سے گرا کھجور میں اٹکا۔
لکڑی کی ہنڈیا بار بار نہیں چڑھتی۔	کاٹھ کی ہنڈیا بار بار نہیں چڑھتی۔
بھاگتے چور کا جوتا ہی سہی۔	بھاگتے چور کی لنگوٹی ہی سہی۔
بوڑھی گھوڑی سرخ لگام۔	بوڑھی گھوڑی لال لگام۔
جتنی چادر دیکھو اتنے ہاتھ پھیلاؤ۔	جتنی چادر دیکھو اتنے پاؤں پھیلاؤ۔
چور کی داڑھی میں شہتیر۔	چور کی داڑھی میں تنکا۔
امیر کی جورو سب کی بھابھی۔	غریب کی جورو سب کی بھابھی۔
قاضی جی کے گھر کے چوہے بھی عقل مند۔	قاضی جی کے گھر کے چوہے بھی سیانے۔
آٹھ سو چوہے کھا کے بلّی حج کو چلی۔	نو سو چوہے کھا کے بلّی حج کو چلی۔
سر منڈاتے ہی پتھر پڑے۔	سر منڈاتے ہی اولے پڑے۔
وہ ایک چھڑی سے سب کو ہانکتے ہیں۔	وہ ایک ہی لاٹھی سے سب کو ہانکتے ہیں۔
اسرائیل عربوں کے سینے پر مونگ دل رہا ہے۔	اسرائیل عربوں کی چھاتی پر مونگ دل رہا ہے۔

فوج نے دریا کے کنارے ڈیرہ ڈال دیا۔	فوج نے دریا کے کنارے ڈیرے ڈال دیے۔
میرے ساتھ چار پانچ مت کرو۔	میرے ساتھ تین پانچ مت کرو۔
یہ بڑھیا آفت کی پرکالی ہے۔	یہ بڑھیا آفت کا پرکالا ہے۔
یہاں سوئی دھرنے کی جگہ نہیں۔	یہاں تل دھرنے کی جگہ نہیں۔
حامد نے محمود کو آڑے ہاتھ لیا۔	حامد نے محمود کو آڑے ہاتھوں لیا۔
اس نے مجھے گالی نکالی۔	اس نے مجھے گالی دی۔
آپ نے کیا اودھم مچا رکھا ہے؟	آپ نے کیا اودھم مچا رکھی ہے؟
یہ خبر سن کر میرے بدن پر رونگٹے کھڑے ہو گئے۔	یہ خبر سن کر میرے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔

روزمرّہ کی اغلاط

بلال دن بدن کمزور ہو رہا ہے۔	بلال روز بہ روز کمزور ہو رہا ہے۔
مہنگائی کے ہاتھوں غریب فاقے مر رہے ہیں۔	مہنگائی کے ہاتھوں غریب فاقوں مر رہے ہیں۔
دن دن کا آنا جانا قدر کھو دیتا ہے۔	روز روز کا آنا جانا قدر کھو دیتا ہے۔
مجھے سمجھ نہیں آتی کہ تمھاری بات کا کیا جواب دوں؟	مجھے سمجھ نہیں آتا کہ تمھاری بات کا کیا جواب دوں؟
اسلم آئے روز غیر حاضر رہتا ہے۔	اسلم آئے دن غیر حاضر رہتا ہے۔
شور سن کر بچے کی نیند کھل گئی۔	شور سن کر بچے کی آنکھ کھل گئی۔
ہم ہر دن سیر کو جاتے ہیں۔	ہم ہر روز سیر کو جاتے ہیں۔
یہ عورت بڑی لڑاکی ہے۔	یہ عورت بڑی لڑاکا ہے۔
دہشت گردوں نے اندھیرا مچا رکھا ہے۔	دہشت گردوں نے اندھیر مچا رکھا ہے۔
میں نے یہ سبق پڑھا ہوا ہے۔	یہ سبق میرا پڑھا ہوا ہے۔
بارش برس رہی ہے۔	بارش ہو رہی ہے۔
مسافر کو بے نیل و مرام لوٹنا پڑا۔	مسافر کو بے نیلِ مرام لوٹنا پڑا۔
کیا تم چپ نہیں کر سکتے؟	کیا تم چپ نہیں رہ سکتے؟

آپ کو یہ خبر کیسے معلوم ہوئی؟	آپ کو یہ خبر کیسے ملی؟
ہمارا مکان برلبِ سڑک ہے۔	ہمارا مکان سڑک کے کنارے واقع ہے۔
اسلم بے ناغہ سکول آتا ہے۔	اسلم بلا ناغہ سکول آتا ہے۔
حامد محمود کے سخت برخلاف ہے۔	حامد محمود کے سخت خلاف ہے۔
آپ میری بات کا برا نہ منائیں۔	آپ میری بات کا برا نہ مانیں۔
میں آپ کا بہت مشکور ہوں۔	میں آپ کا بہت شکر گزار ہوں۔
میں آج ہی واپس لوٹ جاؤں گا۔	میں آج ہی لوٹ جاؤں گا۔
ان دونوں کی عمروں میں اٹھارہ بیس کا فرق ہے۔	ان دونوں کی عمروں میں انیس بیس کا فرق ہے۔
میرے سوا سب موجود تھے۔	میرے علاوہ سب موجود تھے۔
وہ گھر بہ گھر اور گلی بہ گلی پھرے۔	وہ گھر گھر اور گلی گلی پھرے۔
خدا خدا کر کے دن نکلا۔	خدا خدا کر کے دن چڑھا۔
آپ کی خیریت نیک مطلوب چاہتا ہوں۔	آپ کی خیریت نیک مطلوب ہے۔
میں آپ کا تابعدار ہوں۔	میں آپ کا تابع فرمان ہوں۔
ہم بلا روک ٹوک آگے بڑھ گئے۔	ہم بے روک ٹوک آگے بڑھ گئے۔
ہم نے ٹوپی اوڑھ رکھی ہے۔	ہم نے ٹوپی پہن رکھی ہے۔
برائے مہربانی کر کے میرے خط کا جواب ضرور دیں۔	براہِ مہربانی میرے خط کا جواب ضرور دیں۔
میں ضرور بہ ضرور آؤں گا۔	میں ضرور بالضّرور آؤں گا۔
اس کی ہوش جاتی رہی۔	اس کے ہوش جاتے رہے۔
چار پانچ کرنا شریفوں کا کام نہیں۔	تین پانچ کرنا شریفوں کا کام نہیں۔
اس میں برا منانے کی کیا بات ہے؟	اس میں برا ماننے کی کیا بات ہے؟
آپ کا مزاج کیسا ہے؟	آپ کے مزاج کیسے ہیں؟
ضد کرنی بری بات ہے؟	ضد کرنا بری بات ہے؟
چیرو تو بدن میں لہو نہیں۔	کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔

شور نہ ڈالو۔	شور مت کرو۔
ممتحن نے پرچہ بڑا مشکل ڈالا ہے۔	ممتحن نے پرچہ بڑا مشکل بنایا ہے۔
اس کی صورت دیکھ کر ڈر آتا ہے۔	اس کی صورت دیکھ کر ڈر لگتا ہے۔

روزمرّہ اور محاورہ

روزمرّہ

روزمرّہ اُس بول چال کا نام ہے جو خاص اہلِ زبان استعمال کرتے ہیں لیکن روزمرّہ میں الفاظ کے استعمال کا ایک خاص انداز ہوتا ہے اور وہ الفاظ اپنے لغوی معنی دیتے ہیں۔ اس میں قیاس کو دخل نہیں بلکہ سماعت پر دارومدار ہے۔ مثال کے طور پر انیس بیس کے فرق کو ہم بیس اکیس کا فرق اور دو چار ہاتھ کو دو پانچ ہاتھ نہیں کہہ سکتے۔ روزمرّہ کی چند مزید مثالیں درج ذیل ہیں:

آئے دن	وہ آئے دن بیمار رہتا ہے۔
ہر روز	وہ ہر روز سیر کو جاتا ہے۔
تقدیر کا لکھا	تقدیر کا لکھا مٹ نہیں سکتا۔
توبہ ہی بھلی	ایسے کاموں سے توبہ ہی بھلی۔
خدا واسطے کا بیر	کفار کو مسلمانوں کے ساتھ خدا واسطے کا بیر ہے۔
آنکھ کا تارا	بچّہ تو ہمیشہ ماں کی آنکھ کا تارا ہوتا ہے۔
آنکھ جھپکنا	بس آنکھ جھپکنے کی دیر تھی کہ کوئی میرا سامان لے اڑا۔
بچّوں کا کھیل	مکان کی تعمیر کوئی بچّوں کا کھیل نہیں، سخت مشقّت کا کام ہے۔
دیکھتے دیکھتے	ہمارے دیکھتے دیکھتے زمانے کے حالات بدل گئے۔
ڈنکے کی چوٹ	فوجی جوانوں نے ڈنکے کی چوٹ پر دہشت گردوں کا صفایا کر دیا۔
رات کی رات	محفل تو صرف رات کی رات ہے، صبح تم کہاں ہم کہاں!
زمین کھا گئی یا آسمان	میں نے اپنی کتاب یہیں رکھی تھی، اسے زمین کھا گئی یا آسمان!
گاجر مولی کی طرح	ہم اپنے دشمن کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کے رکھ دیں گے۔

محاورہ

روزمرّہ کی طرح محاورہ بھی اہلِ زبان ہی کی بول چال سے رواج پاتا ہے۔اس لیے ہر محاورہ روزمرّہ ہوتا ہے لیکن ہر روزمرّہ محاورہ نہیں ہوتا۔روزمرّہ اپنے حقیقی معنوں کے قریب تر ہوتا ہے، جب کہ محاورہ اپنے حقیقی معنوں میں نہیں بلکہ مجازی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔روزمرّہ ایک لفظ کا بھی ہوسکتا ہے جب کہ محاورہ دو یا دو سے زیادہ الفاظ سے ترکیب پاتا ہے۔محاورے کے الفاظ میں کمی بیشی نہیں کی جاسکتی اور نہ ہی اسے قواعدِ زبان کے اصولوں کے خلاف استعمال کیا جاسکتا ہے بلکہ محاورے کے استعمال میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے اور اس مقصد کے لیے اہلِ زبان کی تحریروں کا مطالعہ کرنا بہت ضروری ہے۔ذیل میں طلبہ کی سہولت کے لیے حروفِ تہجّی کی ترتیب سے کچھ محاورات، ان کے معنی اور ان کا استعمال درج ہیں تا کہ تحریر و تقریر کے دوران میں محاورات کا درست استعمال کرسکیں۔

محاورات	معانی	استعمال
آب آب ہونا	شرمندہ ہونا	مجاہد کی جب چوری پکڑی گئی تو وہ شرم سے آب آب ہوگیا۔
آب دیدہ ہونا	آنکھوں میں آنسو بھر آنا	میں اس کی غم بھری داستان سن کر آب دیدہ ہوگیا۔
آبرو خاک میں ملانا	ذلیل کرنا	اچھے بچے بزرگوں کی آبرو کبھی خاک میں نہیں ملاتے۔
آب و دانہ اٹھنا	وقت پورا ہوجانا	جب آدمی کا دنیا سے آب و دانہ اٹھ جائے تو کوئی دوا کام نہیں آتی۔
آپے سے باہر ہونا	غصے یا خوشی کی حد عبور کرنا	اسلم کو جب گالی دی گئی تو وہ آپے سے باہر ہوگیا۔
آٹے میں نمک ہونا	بہت کم مقدار ہونا	ہمارے ہاں اچھے لوگوں کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر ہے۔
آڑے آنا	مشکل میں کام آنا	اچھا دوست ہر مصیبت میں دوستوں کے آڑے آتا ہے۔
آڑے ہاتھوں لینا	خوب خبر لینا	پولیس نے چور کو آڑے ہاتھوں لیا۔
آستین کا سانپ ہونا	دشمن کا بظاہر دوست ہونا	میر صادق جیسے لوگ آستین کے سانپ ثابت ہوئے۔
آسمان ٹوٹ پڑنا	اچانک مصیبت آنا	اس کے والد کی وفات سے اس پر آسمان ٹوٹ پڑا۔
آسمان سر پر اٹھانا	بہت شور کرنا	چھٹی کے اعلان پر طلبہ نے آسمان سر پر اٹھالیا۔
آسمان سے باتیں کرنا	بہت بلند ہونا	کوہِ ہمالیہ کی چوٹی آسمان سے باتیں کرتی ہے۔
آسمان میں تھگلی لگانا	کمال عیاری دکھانا	رانی تو اتنی تیز اور چالاک ہے کہ آسمان میں تھگلی لگاتی ہے۔
آنکھ لگنا	نیند آنا	سحری کھانے کے بعد ذرا سی آنکھ لگ گئی۔
آنکھوں پر بٹھانا	بہت عزّت کرنا	میں اپنے اساتذہ کو ہمیشہ آنکھوں پر بٹھاتا ہوں۔
آنکھوں پر ٹھیکری رکھنا	پروا نہ کرنا	وہ تمھارا محسن ہے، اس کے لیے یوں آنکھوں پر ٹھیکری رکھنا، مناسب عمل نہیں۔

آنکھیں دکھانا	ڈانٹ ڈپٹ کرنا	میرا کوئی قصور نہیں، تم مجھے بلا وجہ آنکھیں دکھا رہے ہو۔
آنکھیں بچھانا	ادب سے پیش آنا	علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ جب محفل میں آتے تو تمام لوگ ان کی راہ میں آنکھیں بچھاتے تھے۔
آنکھیں پھیر لینا	بے وفائی کرنا	کم ظرف لوگ مشکل وقت میں آنکھیں پھیر لیتے ہیں۔
آنکھیں چرانا	نظریں بچانا	وہ اپنی غلطی پر نادم ہے اس لیے مجھ سے آنکھیں چراتا ہے۔
آنکھیں سفید ہونا	نابینا ہو جانا	حضرت یعقوب علیہ السلام کی اپنے بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام کی جدائی کی وجہ سے رو رو کر آنکھیں سفید ہو گئیں۔
آگ بگولا ہونا	بہت غصے میں ہونا	وہ ذرا سی بات پر آگ بگولا ہو جاتا ہے۔
آئینہ کر دینا	واضح کر دینا	ممتاز نے اپنا پورا منصوبہ مجھ پر آئینہ کر دیا ہے۔
آئینے میں بال آنا	شک پیدا ہونا	اگر ایک دفعہ آئینے میں بال آ جائے تو اعتبار باقی نہیں رہتا۔
اپنا اُلّو سیدھا کرنا	مطلب نکالنا	خوشامدی لوگ خوشامد کر کے اپنا اُلّو سیدھا کر لیتے ہیں۔
اپنا سا منھ لے کے رہ جانا	شرمندہ ہونا	آئینہ دیکھ اپنا سا منھ لے کے رہ گئے صاحب کو دل نہ دینے پہ کتنا غرور تھا
اپنے منھ میاں مٹھو بننا	اپنی تعریف خود کرنا	شہرت پسند شاعر اپنے منھ میاں مٹھو بنتے رہتے ہیں۔
اڑتی چڑیا کے پر گننا	تیز طرار ہونا	اشرف بہت چالاک ہے، وہ تو اڑتی چڑیا کے پر گن لیتا ہے۔
الٹی آنتیں گلے پڑنا	لینے کے دینے پڑ جانا	میں نے کار منافع حاصل کرنے کو خریدی تھی، بیچی تو گھاٹا دے گئی، گویا الٹی آنتیں گلے پڑ گئیں۔
الٹی گنگا بہانا	رواج کے خلاف چلنا	جشن کے موقع پر مرثیہ سنانا الٹی گنگا بہانے کے مترادف ہے۔
اُلّو بولنا	ویرانی ہونا	چھٹی کے دن تو کالج میں الّو بولتے ہیں۔
اللّے تللّے کرنا	بے دریغ خرچ کرنا	اس نے اپنے ماں باپ کی جمع پونجی اللّے تللّے کرتے ہوئے اڑا دی۔
امید بر آنا	امید پوری ہونا	کوئی امید بر نہیں آتی کوئی صورت نظر نہیں آتی
انگاروں پر لوٹنا	سخت تکلیف میں ہونا	بیمار بیٹے کو دیکھ کر ماں ساری رات انگاروں پر لوٹتی رہی۔
انگشت بہ دنداں ہونا	حیران ہونا	ریحان سعید اتنا سریلا نوجوان ہے کہ اس سے غزل سن کر میں انگشت بدنداں رہ گیا۔
اوس پڑنا	مایوسی کی حالت میں ہونا	امتحان میں فیل ہوتے ہی میری امیدوں پر اوس پڑ گئی۔
ایک لڑی میں پرونا	یک جہتی پیدا کرنا	پاکستان کے لوگوں کو اردو زبان نے ایک لڑی میں پرو رکھا ہے۔
اینٹ سے اینٹ بجانا	تباہ کر دینا	محمد بن قاسم نے راجا داہر کی حکومت کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔

باتیں بنانا	حیلے بہانے کرنا	اسے بہت زیادہ باتیں بنانا آتی ہیں۔
بات رہ جانا	عزّت بچ جانا	مہمان توقع سے زیادہ آ گئے لیکن کھانا کم نہ پڑا، شکر ہے بات رہ گئی۔
باچھیں کھلنا	بے حد خوش ہونا	ایوارڈ کے لیے نام زد ہونے پر آصفہ کی باچھیں کھل گئیں۔
بازار گرم ہونا	کثرت ہونا	ہوشیار باش! آج کل نوسر بازی کا بازار گرم ہے۔
باغ باغ ہونا	بہت خوش ہونا	ہر کوئی اپنی کامیابی کی خبر سن کر باغ باغ ہو جاتا ہے۔
بال بال بچنا	بمشکل بچنا	ریل گاڑی حادثے سے بال بال بچی۔
بال بیکا کرنا	نقصان پہنچانا	ہمارے دلوں میں ایمان کی قوّت ہے، دشمن ہمارا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔
بال کی کھال اتارنا	بہت چھان بین کرنا	خالہ جان! دال کا بھاؤ یہی ہے، آپ کیوں بال کی کھال اتارتی ہیں؟
بغل گیر ہونا	گلے ملنا	وہ مجھ سے بغل گیر ہوا تو میرے سب گلے شکوے دور ہو گئے۔
بغلیں جھانکنا	شرمندہ ہونا	لڑکے کو اس کی چوری کا ثبوت جب اسے دکھایا گیا تو وہ بغلیں جھانکنے لگا۔
بے پر کی اڑانا	جھوٹی بات پھیلانا	نجمہ کی باتوں میں نہ آنا، وہ تو بے پر کی اڑاتی رہتی ہے۔
بیڑا اٹھانا	ذمہ داری قبول کرنا	قائدِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے مسلمانوں کی آزادی کا بیڑا اٹھایا۔
بیل مَنڈھے چڑھنا	منصوبہ پورا ہونا	یہ بیل منڈھے چڑھتی نظر نہیں آتی۔
بھانڈا پھوڑنا	راز فاش ہونا	آخر کار پولیس نے چور کا بھانڈا پھوڑ دیا۔
پاپڑ بیلنا	مشقّت اٹھانا	غریب آدمی کو زندگی بسر کرنے کے لیے بہت پاپڑ بیلنا پڑتے ہیں۔
پالا پڑنا	واسطہ پڑنا	اللہ کرے ہمارا کسی رشوت خور افسر سے پالا نہ پڑے۔
پانچوں گھی میں ہونا	مزے ہونا	آج کل اس کی پانچوں گھی میں ہیں کیوں کہ اس کا انعام نکل آیا ہے۔
پانی بھرنا	غلامی کرنا	وہ ساری زندگی اپنے مرشد کا پانی بھرتا رہا۔
پانی پانی ہونا	شرمندہ ہونا	وہ نقل کرتا پکڑا گیا تو شرم سے پانی پانی ہو گیا۔
پانی پھیر دینا	برباد کر دینا	بیٹے نے فیل ہو کر باپ کی امیدوں پر پانی پھیر دیا۔
پِتّا پانی ہونا	خوف زدہ ہونا	سانپ کے خوف سے میرا تو پِتّا پانی ہو گیا۔
پٹی پڑھانا	بہکانا	ماں نے بیٹے سے کہا: بیٹا! تمھاری بیوی تمھیں غلط پٹی پڑھا رہی ہے۔
پر تولنا	تیار ہونا	آج کل صہیب لندن جانے کے لیے پر تول رہا ہے۔
پرزے اڑانا	شدید نکتہ چینی کرنا	اشکر فاروقی نے فریاد صدیقی کی غزل کے پرزے اڑا کر رکھ دیے۔

پُرسا دینا	تعزیت کے لیے جانا	اکرم کے ابو کی وفات پر میں اسے پرسا دینے اس کے گھر گیا۔
پروان چڑھنا	پھلنا پھولنا	دل میں کتنی ہی امیدیں پروان چڑھیں مگر ایک بھی پوری نہ ہوئی۔
پگڑی اچھالنا	بے عزّت کرنا	بزرگوں کی پگڑی اچھالنا انتہا درجے کی بداخلاقی ہے۔
پِل پڑنا	ٹوٹ پڑنا	شہد کی مکھیوں کے چھتوں کو چھیڑا گیا تو وہ لڑکوں پر پِل پڑیں۔
پوبارہ ہونا	وارے نیارے ہونا	اچھی نوکری ملنے پر علی کے تو گویا پوبارہ ہو گئے ہیں۔
پیٹ پر پتھر باندھنا	بھوک کا سامنا کرنا	غریب آدمی پیٹ پر پتھر باندھ کر زندگی گزارتا ہے۔
پیٹ کاٹنا	خرچ میں کمی کرنا	ماں نے پیٹ کاٹ کاٹ کر اپنے بیٹے کو پڑھایا۔
پیٹ کا ہلکا ہونا	راز نہ رکھ سکنا	وہ پیٹ کا بہت ہلکا ہے ہر راز اپنے دل میں نہیں رکھ سکتا۔
پھوٹ بہنا	زار زار رونا	آج تو غم کے بادل ایسے امڈے کہ وہ سب کے سامنے ہی پھوٹ بہا۔
تاخت وتاراج کرنا	لوٹ مار کرنا، برباد کرنا	دلّی کو تاخت وتاراج کیا گیا تو میر تقی میر لکھنؤ ہجرت کر گئے۔
تارے گننا	بے چینی میں رات کاٹنا	بچہ بیمار تھا اس لیے ماں نے ساری رات تارے گن کر گزاری۔
ترکی بہ ترکی جواب دینا	منھ توڑ جواب دینا	مدعی کا وکیل ملزم کے وکیل کو ترکی بہ ترکی جواب دیتا رہا۔
ترکی تمام ہونا	بہادری ختم ہونا	ہماری فوج کے جوابی حملے پر دشمن فوج کی ترکی تمام ہو گئی۔
تگنی کا ناچ نچانا	بہت پریشان کرنا	بہو نے گھر آتے ہیں ساس کو خوب تگنی کا ناچ نچایا۔
تن بدن میں آگ لگنا	بہت غصے میں آنا	کڑوا سچ سن کر اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔
تین پانچ کرنا	بحث کرنا	میرے ساتھ تین پانچ نہ کرو، اپنے بھائی سے سچی بات پوچھ لو۔
تین تیرہ ہونا	منتشر ہونا	پولیس پہنچی تو تھوڑی ہی دیر میں جلوس مال روڈ سے تین تیرہ ہو گیا۔
تین حرف بھیجنا	لعنت بھیجنا	میں جھوٹوں پر تین حرف بھیجتا ہوں۔
ٹامک ٹوئیاں مارنا	اندازے سے کام لینا	ٹامک ٹوئیاں مارنے سے منزل نہیں ملتی۔
ٹکا سا جواب دینا	صاف جواب دے دینا	تھوڑی سی مدد کیا مانگ لی، تم نے تو ٹکا سا جواب دے دیا۔
ٹس سے مس نہ ہونا	ذرا بھی اثر نہ ہونا	سلمیٰ کو اس کی والدہ نے بہت سمجھایا مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔
ٹسوے بہانا	جھوٹ موٹ کا رونا	ٹسوے مت بہاؤ، مجھے تمھاری فطرت کا پتا ہے۔
ٹیڑھی آنکھ سے دیکھنا	غصے سے دیکھنا	نہ جانے کیوں وہ آج تمھیں ٹیڑھی آنکھ سے دیکھ رہا تھا۔
ٹیڑھی کھیر ہونا	کام کا مشکل ہونا	پہاڑی پر چڑھنا میرے لیے ٹیڑھی کھیر ثابت ہوا۔

ثواب کمانا	نیکی حاصل کرنا	جہاں تک ممکن ہو، حاجت مندوں کی مدد کر کے ثواب کماؤ۔
ثابت قدم رہنا	قائم رہنا	مشکلات کے باوجود ثابت قدم رہنا کامیابی کی دلیل ہے۔
جان پر کھیلنا	جان قربان کرنا	ہم اپنی جان پر کھیل کر وطن کی حفاظت کریں گے۔
جان توڑ کوشش کرنا	بہت کوشش کرنا	اگر تم جان توڑ کوشش کرو گے تو یقیناً کامیاب ہو جاؤ گے۔
جان جوکھوں کا کام کرنا	خود کو مشکل میں ڈالنا	آج کل حلال روزی کمانا جان جوکھوں کا کام ہے۔
جان میں جان آنا	سکون مل جانا	کھانا دیکھ کر ہماری جان میں جان آئی۔
جلتی پر تیل ڈالنا	جھگڑا اور بڑھانا	گالی نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور لڑائی جھگڑا شدت اختیار کر گیا۔
جُل دینا	چکمہ دینا، دھوکا دینا	چور پولیس کو جُل دے کر بھاگ گیا۔
جلی کٹی سنانا	برا بھلا کہنا	تم ہر وقت جلی کٹی سناتے رہتے ہو، کبھی لہجے میں شیرینی بھی لایا کرو۔
جنگل میں منگل ہونا	ویرانے میں رونق ہونا	موسمِ بہار کی آمد سے دیکھتے ہی دیکھتے جنگل میں منگل ہو گیا ہے۔
جوتیاں چٹخانا	مارے مارے پھرنا	کاروبار کے بجائے نوکری کے لیے جوتیاں مت چٹخاؤ۔
جوتیاں سیدھی کرنا	بہت تعظیم کرنا	بڑوں کی جوتیاں سیدھی کرنا کسی سعادت سے کم نہیں!
جوتیوں میں دال بٹنا	آپس میں پھوٹ پڑنا	ہر کسی کو اپنا مفاد عزیز تھا اس لیے جلد ہی ان کے درمیان جوتیوں میں دال بٹنا شروع ہو گئی۔
جی بھر آنا	غم زدہ ہونا	بچے کی نازک حالت دیکھ کر میرا جی بھر آیا۔
جی بھرنا	اکتا جانا	ٹیلی ویژن دیکھنے سے میرا جی بھر چکا ہے۔
جی چرانا	کترانا	محنت سے جی چرانے والے کبھی کامیاب نہیں ہوتے۔
چرچا ہونا	شہرت ہونا	آج کل مغربی جمہوریت کا بہت چرچا ہے۔
چار چاند لگانا	رونق دوبالا ہونا	علی کی بورڈ میں اوّل پوزیشن نے کالج کی شہرت کو چار چاند لگا دیے۔
حرف آنا	عیب لگنا، الزام لگنا	ہم اپنے وطن کی عزّت پر حرف نہیں آنے دیں گے۔
حواس باختہ ہونا	گھبرا جانا	بم کے دھماکے سے میں حواس باختہ ہو گیا۔
خاطر جمع رکھنا	مطمئن رہنا	خاطر جمع رکھیے، سلیم اپنا وعدہ ضرور نبھائے گا۔
خاطر میں نہ لانا	پروانہ کرنا	ہم تو کسی رعب جھاڑنے والے کو خاطر میں نہیں لاتے۔
خاک چھاننا	بہت جستجو کرنا	دولت و عزت حاصل کرنے کے لیے بہت خاک چھاننی پڑتی ہے۔
خاکہ اڑانا	رسوا کرنا، مذاق کرنا	خاکہ تحریر کرنے اور خاکہ اڑانے میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

خبر گرم ہونا	چرچا ہونا، شہرت ہونا	یہ خبر گرم ہے کہ کل یومِ آزادی کے حوالے سے ملک بھر میں عام تعطیل ہوگی۔
خدا لگتی کہنا	انصاف کی بات کہنا	بہن! میں تو خدا لگتی کہوں گی، ناراض نہ ہونا۔
خفت اٹھانا	شرمندہ ہونا	جلیل کو اپنے بیٹے کی نالائقی پر بار بار خفت اٹھانا پڑتی ہے۔
خون پسینا ایک کرنا	سخت محنت کرنا	والدین اپنے بچوں کی ضروریات پوری کرنے کے لیے خون پسینا ایک کر دیتے ہیں۔
خون خشک ہونا	گھبرا جانا	شیر کو اچانک سامنے دیکھ کر میرا خون خشک ہو گیا۔
خون سفید ہونا	بے مروّت ہو جانا	ماں بیمار ہے اور وہ کھیل کود میں مصروف، سچ ہے کہ آج کل خون سفید ہو گیا ہے۔
خون کے گھونٹ پینا	غصہ برداشت کرنا	اس نے مجھے گالی دی مگر میں خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔
داغ بیل ڈالنا	بنیاد رکھنا	ہمیں ہر اچھے کام کی داغ بیل ڈالنی چاہیے۔
دال گلنا	مقصد پورا ہونا	وکیل کی دلیلوں کے سامنے ملزم کی دال گلتی نظر نہیں آتی۔
دال میں کچھ کالا ہونا	کچھ شبہ والی بات ہونا	اس کی خاموشی بتاتی ہے کہ دال میں کچھ ضرور کالا ہے۔
دام میں آنا	جال میں پھنسنا	آج کے بچے کم ہی دغابازوں کے دام میں آتے ہیں۔
دامن تر ہونا	گناہ گار ہونا	تر دامنی پہ شیخ ہماری نہ جائیو دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں
دانت کاٹی روٹی کھانا	گہری دوستی رکھنا	وہ مجھے اتنا عزیز ہے کہ میں اس کی دانت کاٹی روٹی کھاتا ہوں۔
دانت کھٹے کرنا	سخت ہزیمت دینا	ہماری فوج نے سازشی عناصر کے بارہا دانت کھٹے کیے ہیں۔
درپے ہونا	پیچھے لگنا	وہ مجھے نقصان پہنچانے کے درپے ہے۔
دست بردار ہونا	چھوڑ دینا	میں اس گھٹیا کھیل سے دست بردار ہو چکا ہوں۔
دست نگر ہونا	محتاج ہونا	خدا کسی کو کسی کا دست نگر نہ کرے۔
دکان بڑھانا	دکان بند کرنا	کوئی کیوں کسی کا لبھائے دل کوئی کیا کسی سے لگائے دل وہ جو بیچتے تھے دوائے دل، وہ دکان اپنی بڑھا گئے
دقیقہ اُٹھا نہ رکھنا	کوئی کسر نہ چھوڑنا	ہم اپنے وطن کی خوش حالی کے لیے کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھیں گے۔
دل بھر آنا	غمگین ہونا	غریب کی حالتِ زار دیکھ کر میرا دل بھر آیا۔
دم بھرنا	دعویٰ کرنا	وہ ہمیشہ مجھ سے دوستی کا دم بھرتا ہے، کبھی اسے آزما کے دیکھوں گا۔
دم دبا کر بھاگنا	ڈر کر بھاگ جانا	شیر کو دیکھتے ہی گیدڑ دم دبا کر بھاگ گیا۔
دن پھرنا	اچھے دن آنا	اللہ کے فضلِ خاص سے غریب کے دن پھر گئے۔
دنگ رہ جانا	حیران ہو جانا	نور محل کا فنِ تعمیر دیکھ کر سیاح دنگ رہ گئے۔

دُور کی کوڑی لانا	دور کی بات سوجھنا	وہ ہر بات میں دُور کی کوڑی لاتا ہے۔
دوڑ دھوپ کرنا	بہت کوشش کرنا	مجھے یہ نوکری بہت دوڑ دھوپ کر کے ملی ہے۔
دھان پان ہونا	دبلا پتلا ہونا	ہر چند قائد اعظم رحمۃ اللہ علیہ دیکھنے میں دھان پان تھے مگر عزم وحوصلہ کے کوہِ گراں تھے۔
دھرنا دینا	احتجاجاً جم کر بیٹھنا	کشمیر کی آزادی کے حق میں طلبہ نے جگہ جگہ دھرنے دیے۔
دیدوں کا پانی ڈھلنا	بے حیا ہونا	وہ بڑوں کی عزّت نہیں کرتا کیوں کہ اس کے دیدوں کا پانی ڈھل گیا ہے۔
ڈکار تک نہ لینا	ہضم کر جانا	اس نے لاکھوں روپے حرام کھائے مگر ڈکار تک نہ لی۔
ڈنڈے بجانا	آوارہ پھرنا	حرام کی کمائی کا نتیجہ ہے کہ اس کے بچے ڈنڈے بجاتے پھرتے ہیں۔
ڈنکا بجنا	شہرت ہونا	ہمارے افسر کی شرافت کا شہر بھر میں ڈنکا بجتا ہے۔
ڈورے ڈالنا	پھانسنے کی کوشش کرنا	دغا باز نے محمود پر ڈورے ڈالنے کی بہت کوشش کی مگر ناکام رہا۔
ڈول ڈالنا	بنیاد رکھنا	چشتی صاحب نے فیصل آباد میں نعت گوئی کا ڈول ڈالا اور اسے شہرِ نعت بنایا۔
ڈھارس بندھانا	تسلّی دینا	امتحان میں ناکامی پر میری ماں نے میری ڈھارس بندھائی۔
ڈھنڈیا پڑنا	تلاش ہونا	جب بچہ گھر واپس نہ آیا تو شہر بھر میں اس کی ڈھنڈیا پڑ گئی۔
ڈھونگ رچانا	دھوکا دینا	چالاک لوگ ہر روز نیا ڈھونگ رچاتے ہیں۔
ڈیرے ڈالنا	قیام کرنا	ہم نے آج کل اپنے دوست کے ہاں ڈیرے ڈال رکھے ہیں۔
ذہن لڑانا	بہت غور وفکر کرنا	بہت ذہن لڑانے کے بعد مجھے اِس شعر کی سمجھ آئی۔
رات دن ایک کرنا	سخت محنت کرنا	منظر پھلوری صاحب کو رات دن ایک کرنے کے بعد ڈاکٹریٹ کی ڈگری ملی۔
راہ ہونا	محبت ہونا	دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔
رفو چکر ہونا	کھسک جانا	پولیس کو دیکھ کر چور رفو چکر ہو گیا۔
رنگ فق ہونا	چہرے کا رنگ اڑ جانا	جھوٹ پکڑے جانے پر صائمہ کا رنگ فق ہو گیا۔
رنگ لانا	اثر دکھانا	اس کی شبانہ روز محنت آخر کار رنگ لے آئی۔
رنگ میں بھنگ ڈالنا	خوشی میں رنج پیدا کر دینا	ہم اچھے خاصے پڑھ رہے تھے کہ شرارتی بچوں نے آتے ہی ہمارے رنگ میں بھنگ ڈال دیا۔
روپ دھارنا	شکل بنانا	منافق لوگ ہر روز نیا روپ دھارتے ہیں۔
روشنی ڈالنا	بیان کرنا	معلم نے علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے نظریات پر روشنی ڈالی۔
ریل پیل ہونا	کثرت ہونا	نسیم کے گھر میں آج کل دولت کی بہت ریل پیل ہے۔
زبان زدِ خاص وعام ہونا	مشہور ہونا	غالب کے بہت سے اشعار زبان زدِ خاص وعام ہیں۔

زخم پر نمک چھڑکنا	کسی دکھی شخص کو ستانا	اس بے وفا کی کی باتیں کر کے میرے زخموں پر نمک مت چھڑکو۔
زمین کا گز ہونا	وقت سفر میں گزرنا	ہم نے تو زمین کا گز ہو کر زندگی گزار دی۔
زمین میں گڑ جانا	سخت شرمندہ ہونا	اخبار میں اپنی ناکامی کی خبر پڑھ کر میں زمین میں گڑ گیا۔
زہر کے گھونٹ پینا	غصّہ ضبط کرنا	بڑوں کی عزت کا خیال تھا اس لیے میں غلط بات سن کر بھی زہر کے گھونٹ پی گیا۔
زیر و زبر کرنا	الٹ پلٹ کرنا	شرارتی بچے گھر کی ہر چیز زیر و زبر کر دیتے ہیں۔
سانپ سونگھ جانا	خاموشی چھا جانا	سچ بات سن کر اسے سانپ سونگھ گیا۔
سبز باغ دکھانا	لالچ دینا، دھوکا دینا	نوسر باز نے سبز باغ دکھا کر خاتون کو نقلی زیور بیچ دیے۔
سبک سر ہونا / بننا	بے عزت ہونا	وہ اپنی خُو نہ چھوڑیں گے ہم اپنی وضع کیوں بدلیں سبک سر بن کے کیا پوچھیں کہ ہم سے سرگراں کیوں ہو
سبز قدم ہونا	منحوس ہونا	یہ لڑکا سبز قدم ثابت ہوا ہے، جب سے آیا ہے نقصان پر نقصان ہو رہا ہے۔
سٹی گم ہونا	اوسان خطا ہونا	تقریر کیا خاک کرتا، اتنا بڑا مجمع دیکھ کر میری تو سٹی گم ہو گئی۔
سر آنکھوں پر بٹھانا	عزّت دینا	قوم اپنے ہر سپوت کو سر آنکھوں پر بٹھاتی ہے۔
سر قلم کرنا	سر کاٹ دینا	قاضیِ عدالت نے قاتل کا سر قلم کرنے کی سزا سنائی۔
سروکار رکھنا	تعلق رکھنا	میں بدذوق لوگوں سے کم ہی سروکار رکھتا ہوں۔
سکوت توڑنا	بول پڑنا	میں نے محفل کا سکوت توڑنے کے لیے سیاست پر بات شروع کر دی۔
سمندر بلونا	بہت چھان پھٹک کرنا	میاں! پی ایچ۔ڈی کرنا کوئی آسان کام نہیں، اس میں متعلقہ مواد اور کتابوں کا حصول سمندر بلونے کے مترادف ہوتا ہے۔
سناٹے میں آ جانا	حیرت زدہ ہونا	ایٹمی جنگ کی دھمکی کا سن کر ہر ملک سناٹے میں آ گیا۔
سورج کو چراغ دکھانا	دانا کو دانائی سکھانا	کوثر علی کو محاورے کا مفہوم بتانا دراصل سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔
سیخ پا ہونا	غصے میں تلملانا	بچے کے منھ سے گالی سن کر اس کا باپ سیخ پا ہو گیا۔
سینگ سمانا	جگہ ملنا	میرا کیا ہے، جہاں سینگ سمائے، پڑا رہوں گا۔
سیر چشم ہونا	مطمئن ہونا	فردوس کو بھی آنکھ اٹھا دیکھتے نہیں کس درجہ سیر چشم ہیں کوئے بتاں کے لوگ
شاق گزرنا	ناگوار معلوم ہونا	اس کا میرے منھ پر جھوٹ بولنا مجھے بہت شاق گزرا۔
شرط بدنا	شرط لگانا	ہر بات پر شرط بدنا شریفوں کا شیوہ نہیں۔

شش و پنج میں پڑنا	سوچ بچار کی کیفیت	علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے شعر کی وضاحت کرتے ہوئے وہ شش و پنج میں پڑ گیا۔
شگوفہ چھوڑنا	نئی بات کرنا	ہر وقت کوئی نہ کوئی شگوفہ چھوڑنا عظمیٰ کی عادت ہے۔
شیر و شکر ہونا	میل ملاپ ہونا	رسول اللہ کی تعلیمات سے متاثر ہو کر دشمن قبائل بھی آپس میں شیر و شکر ہو گئے۔
شین قاف درست ہونا	تلفّظ صحیح ہونا	وہ بڑی نستعلیق شخصیت ہیں اور ان کا شین قاف درست ہے۔
شیخی بگھارنا	ڈینگ مارنا	خوجی میاں موقع بہ موقع شیخی بگھارتے رہتے تھے۔
شیطان کی آنت ہونا	طویل ہونا	یہ راستہ تو ہمارے لیے شیطان کی آنت ہو گیا ہے، طے ہونے میں ہی نہیں آ رہا۔
صادر فرمانا	جاری کرنا	حکومت کی طرف سے پٹرول کی قیمتیں کم کرنے کا حکم صادر فرمادیا گیا ہے۔
صبر پڑنا	مظلوم کے صبر کا اثر ظاہر ہونا	دھوکا دہی چھوڑ دو ورنہ کسی غریب کا صبر پڑ جاتا ہے۔
صبر کا پیمانہ لبریز ہونا	صبر نہ ہو سکنا	اس کا جھوٹ سن سن کر میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا اور میں نے اسے چپ کرا دیا۔
صلواتیں سنانا	گالیاں دینا	بچوں نے دیوانے کو چھیڑا تو اس نے خوب صلواتیں سنائیں۔
ضرب المثل ہونا	کہاوت کی طرح مشہور ہونا۔ شہرت پانا	حاتم طائی کی سخاوت ضرب المثل ہو چکی ہے۔
طاقِ نسیاں ہونا	بھول جانا	یاد تھیں ہم کو بھی رنگا رنگ بزم آرائیاں لیکن اب نقش و نگارِ طاقِ نسیاں ہو گئیں
طاق ہونا	ماہر ہونا	انیقہ حساب کتاب کے معاملے میں بڑی طاق ہے۔
طرح ڈالنا	بنیاد رکھنا	حکیم سعید نے کراچی میں ہمدرد دواخانہ کھول کر علاج معالجے کی طرح ڈالی۔
طشت از بام ہونا	راز ظاہر ہونا	دشمن ملک عناصر کا سارا منصوبہ طشت از بام ہو گیا۔
طوطا چشم ہونا	مطلبی ہونا	طوطا چشم لوگ کام نکلتے ہی آنکھیں پھیر لیتے ہیں۔
طومار باندھنا	بات بڑھا کر بیان کرنا	مختصر لفظوں میں اپنا مقصد بیان کرو، یوں طومار باندھنے کا کیا فائدہ!
ظلم ڈھانا	آفت ڈھانا	دودھ میں ملاوٹ کرنے والے عوام پر ظلم ڈھاتے ہیں۔
عاق کرنا	محروم کرنا	باپ نے ناخلف بیٹے کو جائیداد سے عاق کر دیا۔
عبرت پکڑنا	سبق حاصل کرنا	ہمیں ظالموں کے انجام سے عبرت پکڑنی چاہیے۔
عزّت خاک میں ملانا	بے عزّت کر دینا	تم نے چوری کر کے اپنے والدین کی عزّت خاک میں ملا دی۔
عش عش (اَش اَش) کرنا	آفرین کہنا	طلبہ ریاض احمد قادری کا تازہ کلام سن کر عش عش (اَش اَش) کر رہے تھے۔

عقدہ وا ہونا	مشکل آسان ہونا	وہ کون سا عقدہ ہے جو وا ہو نہیں سکتا ہمت کرے انساں تو کیا ہو نہیں سکتا
عقل پر پتھر پڑنا	بے سمجھی کی بات کرنا	کیا تمھاری عقل پر پتھر پڑے ہیں جو ملازمت چھوڑ رہے ہو؟
عقل کے ناخن لینا	ہوش کی بات کرنا	عقل کے ناخن لو! بڑوں سے یوں بات نہیں کرتے۔
عملی جامہ پہنانا	کام کر کے دکھانا	ہمیں فلاحی منصوبوں کو جلدی عملی جامہ پہنانا چاہیے۔
عنقا ہونا	نایاب ہونا	اس دور میں جنسِ وفا عنقا ہوتی جا رہی ہے۔
عید کا چاند ہونا	کبھی کبھی نظر آنا	ماموں جان! آپ تو ہمارے لیے عید کا چاند ہو گئے ہیں۔
غبار آنا	دل میں رنج پیدا ہونا	نہ جانے کیوں اس کے دل میں میرے لیے غبار آیا۔
غبار نکالنا	غصہ نکالنا	استاد نے دل کا غبار بے قصور شاگرد پر نکال دیا۔
غتر بود (غت ربود) کرنا	گڈ مڈ کرنا	مضمون کی تفصیل میں اسد نے عجیب غتر بود کیا ہوا ہے۔
غصہ پینا	غصے کو دبا لینا	اس کی غلطی تو نا قابلِ معافی تھی مگر میں غصہ پی گیا۔
غم غلط کرنا	غم کو بھلانا	میں تاریخی ناول پڑھ کر اپنا غم غلط کرتا ہوں۔
غم کھانا	دکھ سہنا	ہمیں غریبوں کا غم کھانا چاہیے۔
فراٹے بھرنا	تیزی سے گزر جانا	فراٹے بھرتی ہوئی کار میرے پاس سے گزری۔
فقرے چست کرنا	آوازیں کسنا	کچھ شرارتی لڑکے بزرگوں پر فقرے چست کرتے ہیں۔
فَیل مچانا	جھوٹ موٹ کا رونا	نوسر باز نے فیل مچا کر پولیس کی حمایت حاصل کر لی۔
قافیہ تنگ کرنا	مجبور کرنا	میرا اتنا بھی قافیہ تنگ نہ کرو کہ میں کچھ کر گزروں۔
قدم رنجہ فرمانا	تشریف لانا	وزیرِ تعلیم آج ہمارے کالج میں قدم رنجہ فرمائیں گے۔
قدم لینا	تعظیم کرنا	گدا سمجھ کے وہ چپ تھا مری جو شامت آئی اٹھا اور اٹھ کے قدم میں نے پاسباں کے لیے
قلعی کھل جانا	اصلیت ظاہر ہونا	جھوٹ پکڑے جانے پر اس کی قلعی کھل گئی۔
قیامت ڈھانا	غضب کرنا	کرونا کی وبا نے مسلسل دو سال دنیا پر قیامت ڈھائے رکھی۔
کاغذ کھولنا	عیب فاش کرنا	رپورٹر نے بدعنوان افسر کے کاغذ کھول دیے۔
کاغذی گھوڑے دوڑانا	بہت خط کتابت کرنا	جناب! کاغذی گھوڑے دوڑانے کے بجائے کوئی عملی کام کر کے دکھائیے۔
کافور ہونا	غائب ہو جانا	جب میں نے اسے آنکھیں دکھائیں تو اس کی ساری بدمعاشی کافور ہو گئی۔

کالے کوسوں دور ہونا	بہت فاصلہ ہونا	اگر وسائل نہ ہوں تو قریبی شہر بھی کالے کوسوں دور ہو جاتے ہیں۔
کانٹوں میں گھسیٹنا	شرمندہ کرنا	براہِ کرم! میری تعریفیں کر کے مجھے کانٹوں میں نہ گھسیٹیں۔
کان کھڑے ہونا	چوکنا ہونا	قدموں کی چاپ سن کر چور کے کان کھڑے ہو گئے۔
کتاب کا کیڑا ہونا	زیادہ پڑھا کو ہونا	عالیہ تو کتاب کا کیڑا بن چکی ہے، جب دیکھو کتابوں میں گھسی رہتی ہے۔
کتر بیونت کرنا	کاٹ چھانٹ کرنا	ایڈیٹر نے مضمون کی بہت کتر بیونت کی۔
کبیدہ خاطر ہونا	افسردہ ہونا	وہ ذرا ذرا سی بات پر کبیدہ خاطر ہو جاتا ہے۔
کُھل کھیلنا	یکسر آزاد ہو جانا	باپ کی آنکھ کیا بند ہوئی، بیٹے کو کُھل کھیلنے کا موقع مل گیا۔
کلنک کا ٹیکا لگنا	رسوائی ہونا	اولاد کی بری شہرت والدین کے لیے کلنک کا ٹیکا ہوتی ہے۔
کنارہ کرنا	الگ ہو جانا	میں نے ہر بری صحبت سے کنارہ کر لیا ہے۔
گاڑھی چھننا	بہت محبت ہونا	آج کل میری حکیم ارشد سے گاڑھی چھن رہی ہے۔
گاؤ خورد ہونا	ضائع ہو جانا	اس کی شاعر بننے کی ساری کوششیں گاؤ خورد ہو گئیں۔
گت بنانا	حالت بری کر دینا	نقادوں نے تنقیدی نشست میں شاعر کی خوب گت بنائی۔
گردن ناپنا	سزا دینا	ارطغرل غازی نے مجرم کی گردن ناپ دی۔
گرہ میں باندھنا	یاد رکھنا، پلّے باندھ لینا	میں نے اپنے باپ کی نصیحتیں گرہ میں باندھ رکھی ہیں۔
گُل کِھلانا	عجیب کام کرنا	رشید کو کالج میں داخلہ مل گیا ہے، اب دیکھیں وہ کیا گل کھلاتا ہے۔
گلے کا ہار ہونا	ہر وقت کا ساتھ رہنا	بیٹیاں اپنی ماؤں کے گلے کا ہار ہوتی ہیں۔
گولر کا پھول کھلنا	ان ہونی بات ہونا	آج تو تیرے جیسے کنجوس نے سخاوت کیا دکھائی گویا گولر کا پھول کھل گیا۔
گونگے کا گڑ کھانا	چُپ سادھنا	آج تو خالہ نے گونگے کا گڑ کھایا ہے، کچھ بولتی ہی نہیں۔
گھوڑے بیچ کر سونا	بے فکری سے سونا	امتحان سر پہ ہے اور تم اب بھی گھوڑے بیچ کر سوئے ہوئے ہو۔
گھی کے چراغ جلانا	جشن منانا	والدین نے بیٹے کی کامیابی پر گھی کے چراغ جلائے۔
لت پڑنا	عادت پڑنا	نشے کی لت پڑ جائے تو زندگی عذاب ہو جاتی ہے۔
لال پیلا ہونا	غضب ناک ہونا	افسر اپنے ماتحت پر بلاوجہ لال پیلا ہوا۔
لام کاف بکنا	بدزبانی کرنا	افسری کے نشے میں ماتحتوں پر بلاوجہ لام کاف نہیں بکنا چاہیے۔
لٹّو ہونا	فریفتہ ہونا	ساس اپنی خوب صورت بہو پر لٹّو ہو رہی ہے۔
لُٹیا ڈبونا	بات بگاڑنا	طلبہ نے امتحان میں بہت کم نمبر لے کر ادارے کی لُٹیا ڈبو دی۔

لوہا ماننا	کسی کے ہنر کا قائل ہونا	اتنی محنت کرو کہ دنیا کو تمھاری ہمت کا لوہا ماننا پڑے۔
لیت ولعل کرنا	ٹال مٹول کرنا	لیت ولعل کرنے کے بجائے اپنا وعدہ پورا کرو۔
لیپا پوتی کرنا	چاپلوسی کرنا، خوشامد کرنا	لیپا پوتی کرنے کا کوئی فائدہ نہیں، میں تو میرٹ پر کام کروں گا۔
لے دے کرنا	ملامت کرنا	اس کی ہر وقت لے دے کرنے کی عادت نے اسے نقصان پہنچایا۔
مانگ اجڑنا	بیوہ ہونا	اس بے چاری کی نوجوانی ہی میں مانگ اجڑ گئی۔
مسجد ٹھنڈی کرنا	مسجد شہید کرنا	مسجد ٹھنڈی کر کے اس کی از سرِ نو تعمیر ہوگی۔
مَسیں بھیگنا	نوجوانی کا آغاز ہونا	راشد منہاس کی ابھی مسیں ہی بھیگی تھیں کہ وطن پر قربان ہو گئے۔
مُضحکہ اُڑانا	ہنسی اڑانا	غریبوں کا مضحکہ اڑانے والوں کا فطرت مضحکہ اڑاتی ہے۔
منھ دیکھتے رہ جانا	حیران رہ جانا	کھلاڑی نے اتنی لمبی چھلانگ لگائی کہ سب منھ دیکھتے رہ گئے۔
منھ کی کھانا	شکست کھانا	دشمن نے جب جب ہمارے ملک کے ساتھ چھیڑ خوانی کی، تب تب منھ کی کھائی۔
مُنھ میں پانی بھر آنا	جی للچانا	گول گپے دیکھ کر بچوں کے مُنھ میں پانی بھر آیا۔
مات کھانا	ہار جانا	افسوس میرا فن غربت کے ہاتھوں مات کھا گیا۔
موم کی ناک ہونا	غیر مستقل مزاج ہونا	اس کی زندگی کا ہر فیصلہ موم کی ناک ثابت ہوا۔
میل کا بیل بنانا	انتہائی مبالغہ آمیزی کرنا	میل کا بیل بنانا تو کوئی اِس تیز طرار لڑکی سے سیکھے۔
نڈھال ہونا	نیم بے ہوش ہونا	بچہ گم ہو گیا تو اس کی ماں غم کے مارے نڈھال ہوگئی۔
ناک میں دم کرنا	بہت تنگ کرنا	طیّب نے اپنی شراتوں سے سب کی ناک میں دم کر رکھا ہے۔
ناک بُھوں چڑھانا	تیوری چڑھانا	کوئی اس سے کیا بات کرے، ہر وقت تو وہ ناک بُھوں چڑھائے رکھتا ہے۔
ناک کا بال ہونا	بہت قریب ہونا	تم تو فرحت کی ناک کا بال ہو، جب دیکھو اس کے ساتھ چمٹے رہتے ہو۔
ناکوں چنے چبوانا	بہت دق کرنا	عرفان نے تقریری مقابلے میں عمدہ تقریر کر کے مقابلے میں آنے والے تمام لڑکوں کو ناکوں چنے چبوا دیے۔
نالش کرنا	مقدمہ دائر کرنا	اس شریف آدمی کے خلاف نالش کرنے کا جواز نہیں بنتا تھا۔
نو تیرہ بائیس بتانا	ٹرخانا، ٹالنا	قرض واپس کرنے کے بجائے تم مجھے نو تیرہ بائیس بتا رہے ہو۔
نو دو گیارہ ہونا	رفو چکر ہونا	چور پولیس کو دیکھتے ہی نو دو گیارہ ہو گیا۔
نہال کرنا	خوش کرنا	معصوم بچے نے شرارت کر کے ماں باپ کو نہال کر دیا۔
وارے نیارے ہونا	خوب فائدے اُٹھانا	اگر میری لاٹری نکل آئے تو میرے وارے نیارے ہو جائیں گے۔

واہی تباہی بکنا	بیہودہ باتیں کرنا	واہی تباہی بکنے سے انسان اپنے مقام سے گر جاتا ہے۔
وبالِ جان ہونا	مصیبت کا باعث ہونا	ڈینگی وائرس تو ہمارے لیے وبالِ جان بن گیا ہے۔
وجد میں آنا	مست ہو جانا	اتنی پرسوز آواز سن کر سارا مجمع وجد میں آ گیا۔
وضع بدلنا	طور طریقے بدلنا	بڑے لوگ اپنی وضع نہیں بدلتے بلکہ اپنی وضع داری پر قائم رہتے ہیں۔
وقت کاٹنا	وقت گزارنا	بھوک ہو یا ننگ، بہر حال وقت کاٹنا ہی پڑتا ہے۔
ہاتھ اٹھانا	دست بردار ہونا	میں نے پیشہ ور گداگروں کی مدد سے ہاتھ اٹھا لیا ہے۔
ہاتھ بٹانا	مدد کرنا	بیٹیاں گھر کے کاموں میں ماں کا ہاتھ بٹایا کرتی ہیں۔
ہاتھ پاؤں مارنا	کوشش کرنا	ہاتھ پاؤں ماریں گے تو ان شاءاللہ منزل پا لیں گے۔
ہاتھ رنگنا	نفع کمانا	بے ایمانی سے ہاتھ رنگنا زندگی میں بے برکتی لاتا ہے۔
ہاتھ ملنا	پچھتانا	اس نے وقت پر محنت نہیں کی، اب ہاتھ ملتا نظر آتا ہے۔
ہاتھوں کے طوطے اڑنا	حواس باختہ ہونا	پولیس کو سامنے پا کر چور کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔
ہوا سے باتیں کرنا	بہت تیز ہونا	شام کو واپسی پر کوچوان کا گھوڑا ہوا سے باتیں کرنے لگا۔
ہوا دینا	اشتعال دینا، اکسانا	ہوش کے ناخن لیں، ہوا دینے سے مسائل بڑھتے ہیں، حل نہیں ہوتے۔
ہوائی قلعے تعمیر کرنا	زبانی منصوبے بنانا	ایسے حکمران جو ہوائی قلعے تعمیر کر کے عوام کو خوش کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اپنی مقبولیت کھو دیتے ہیں۔
یاد اللہ ہونا	جان پہچان ہونا	میرا ان سے آج کا تعلق نہیں، پرانی یاد اللہ ہے۔
یدِ طولیٰ رکھنا	مہارت رکھنا	حکیم سعید بخاری حکمت میں یدِ طولیٰ رکھتے ہیں۔
یک جان دو قالب ہونا	گہری دوستی ہونا	فاروق اور مسعود یک جان دو قالب ہیں، ہمیشہ اکٹھے نظر آتے ہیں۔

ضرب الامثال

ضرب المثل عربی زبان کی ترکیب ہے جس کے معنی مثال بیان کرنا ہے۔ اردو میں اس کے لیے کہاوت کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے۔ ضرب المثل سے کسی واقعے، قصے یا کہانی کا احاطہ ہوتا ہے۔ گویا ضرب المثل سے مراد روزمرہ زندگی کے بارے میں کوئی ایسا جملہ، شعر یا مصرع ہے جو کسی خاص رویے، حقیقت یا اصول کو بیان کرے۔ روزمرّہ اور محاورہ کے ساتھ ساتھ ضرب الامثال کا استعمال بھی تحریر کو مؤثر اور خوب صورت بناتا ہے۔ چند مشہور ضرب الامثال کا مفہوم اور ان کے محلِ استعمال کی مثالیں درج ذیل ہیں:

ضرب الامثال	مفہوم اور محلِ استعمال
آپ کھائے بلّی بتائے	دوسروں کے سر اپنا الزام تھوپ دینا۔
آدھا تیتر آدھا بٹیر	بے جوڑ اور بے ڈھنگا ہونا۔
آج مرے کل دوسرا دن	فانی زندگی ظاہر کرنے کے لیے بولتے ہیں۔
آسمان سے گرا کھجور میں اٹکا	ایک مصیبت سے چھٹکارا پانا اور دوسری میں پھنس جانا۔
آسمان کا تھوکا منہ پر آتا ہے	عزّت داروں کی برائی کرنے سے اپنا ہی نقصان ہوتا ہے۔
آم کے آم گٹھلیوں کے دام	جو چیز ہر طرح فائدہ مند ہو، اُس سے دوہرا فائدہ اُٹھانا۔
آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل	کسی چیز کا آنکھ کے سامنے نہ ہونا اور پہاڑ کا بیچ میں آجانا برابر ہے۔
آنکھ کا اندھا، گانٹھ کا پورا	مال دار بے وقوف جو اسراف سے کام لیتا ہے۔
آنکھوں کے اندھے نام نین سکھ	عیب کے باوجود خوبی کا دعویٰ کرنا۔ (پنجابی کہاوت: اکھوں انّی، ناں چراغ بی بی)
آج کا کام کل پر نہ چھوڑو	جو کام آج ہو سکتا ہے اسے کل پر اٹھا نہ رکھو۔
اپنی گلی میں کتا بھی شیر ہوتا ہے	اپنے علاقے میں ہر کسی کی جرأت بڑھ جاتی ہے۔
اپنی اپنی ڈفلی اپنا اپنا راگ	ہر کوئی اپنے اپنے کام میں خوش رہتا ہے۔
اپنے نین گنوا کے در در مانگی بھیک	اپنا مال و دولت برباد کر کے غیروں کے محتاج ہو گئے۔
اس برتے پر تتا پانی	اتنی کم حیثیت اور باتیں بڑی بڑی۔
اکیلا چنا کیا بھاڑ پھوڑے گا	تنہا شخص کچھ نہیں کر سکتا۔
الٹے بانس بریلی کو	الٹ کام کرنا۔
اندھا کیا جانے بسنت کی بہار	انجان شخص کسی اچھی چیز کی قدر و قیمت نہیں جان سکتا۔

اندھوں میں کانا راجا	بہت سے ناسمجھوں میں کسی کا تھوڑا سا سمجھ دار ہونا۔
دوسروں کو نصیحت خود میاں فضیحت	دوسروں کو عمل کی نصیحت کرنا اور خود بے عمل ہونا۔
اوکھلی میں سر دیا تو دھمکوں سے کیا ڈر	خود ہی مصیبت خریدی ہو تو مشکلات سے کیا گھبرانا۔
اونچی دکان پھیکا پکوان	چیز غیر معیاری مگر شہرت بہت۔
اونٹ کے منھ میں زیرہ	زیادہ ضرورت کے بدلے تھوڑی سی چیز دینا۔
ایک انار سو بیمار	چیز کم اور ضرورت مند زیادہ۔
ایک ایک دو گیارہ	دو آدمی مل کر کئی گنا زیادہ کام کر سکتے ہیں۔
ایک کریلا دوسرا نیم چڑھا	برے شخص کے لیے مزید برائی کا سبب پیدا ہونا۔
باپ نہ مارے پدی، بیٹا تیرانداز	باپ تو بزدل تھا اور بیٹا بہادر بنا پھرتا ہے۔
بغل میں بچہ شہر میں ڈھنڈورا	کوئی چیز اپنے پاس ہو مگر اسے اِدھر اُدھر تلاش کرتے پھریں۔
بحشو بی بلی چوہا لنڈورا ہی بھلا	برائی کی نیت سے کسی کو بھلائی کے لیے پکارا جائے تو یہ کہاوت بولتے ہیں۔
بغل میں چھری منھ میں رام رام	ظاہر میں اچھا مگر باطن میں بُرا۔
بکرے کی ماں کب تک خیر منائے گی	برا شخص اپنی برائی کی سزا کسی نہ کسی دن ضرور پاتا ہے۔
بلّی کے خواب میں چھیچھڑے	آدمی کو جس چیز سے زیادہ محبت ہوتی ہے، وہ اسی کا ہر وقت ذکر کرتا ہے۔
بلّی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا	خوش قسمتی سے کوئی چیز ہاتھ آجانا۔
بندر کیا جانے ادرک کا سواد	معمولی شخص اعلیٰ درجے کی چیز کی حقیقت نہیں جان سکتا۔
بوڑھی گھوڑی لال لگام	بڑھاپے میں بھی نوجوانی دکھانے کے طریقے اپنانا۔
بیکار سے بیگار بھلی	فارغ رہنے سے بغیر اجرت کے کام کرنا اچھا۔
بھاگتے چور کی لنگوٹی ہی سہی	کچھ ہاتھ نہ آنے سے جو کچھ بھی ہاتھ آجائے، وہ غنیمت ہے۔
بھینس کے آگے بین بجانا	نادان کو دانائی نہیں سکھائی جاسکتی۔
پانچوں انگلیاں گھی میں اور سر کڑاہی میں	ہر طرح مزہ ہے، سب کچھ ہاتھ میں ہے۔
پڑھے نہ لکھے نام محمد فاضل	نا قابل شخص کا قابل بنے پھرنا۔
پنچ کہیں بلی تو بلی ہی سہی	بڑے آدمی کی بات کو بغیر بحث کیے مان لینا چاہیے۔

تالی ایک ہاتھ سے نہیں بجتی	کوئی کام یک طرفہ نہیں ہوسکتا۔
تو ڈال ڈال میں پات پات	میں تجھ سے بھی زیادہ ہوشیار ہوں۔
تیل دیکھو تیل کی دھار دیکھو	معاملے کو سوچ سمجھ کر دیکھنا اور اس کے نتیجے کا انتظار کرنا۔
تھوتھا چنا باجے گھنا	پاس کچھ بھی نہ ہونا اور باتیں بڑی بڑی کرنا۔
ٹاٹ کا لنگوٹا نواب سے یاری	کسی مفلس کا دولت مند سے میل ملاپ۔
ٹٹو کو کوڑا تازی کو اشارہ	نادان سختی سے اور عقل مند اشارے سے بات کو سمجھتا ہے۔
جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے	کارکردگی وہ ہے جو سرِ عام دکھائی دے۔
جب تک سانس تب تک آس	امید زندگی کے ساتھ وابستہ ہے۔
جتنے منہ اتنی باتیں	ہر شخص کی اپنی اپنی رائے ہوتی ہے۔
جس کا کام اسی کو ساجے، دوجا کرے تو ٹھینگا باجے	ہر کوئی اپنے کام کا ماہر ہوتا ہے۔
جس کا یار کوتوال اسے ڈر کا ہے کا	بڑی شخصیات سے تعلق رکھنے والے کو کسی کا ڈر نہیں۔
جس کی لاٹھی اُس کی بھینس	زور آور اور طاقت ور جیت جاتا ہے۔
جو گرجتے ہیں وہ برستے نہیں	زیادہ باتیں کرنے والے کام کم کرتے ہیں۔
جیسا دیس ویسا بھیس	جہاں رہیں وہاں کے طور طریقے اپنالیں۔
جیسا راجا ویسی پرجا	جیسا حکمران ویسی رعایا۔
جیسی روح ویسے فرشتے	جیسے عوام ویسے حکمران۔
جیسی کرنی ویسی بھرنی	جیسا کام کیا جائے اس کے مطابق نتیجہ نکلتا ہے۔
چادر دیکھ کے پاؤں پھیلاؤ	ذرائعِ آمدن کے مطابق خرچ کرو۔
چراغ سے چراغ جلتا ہے	فیض رساں آدمی سے دوسروں کو بھی فیض پہنچتا ہے۔
چراغ تلے اندھیرا	اس موقع پر مستعمل ہے جہاں فائدے کی بات سے قریب تر لوگ محروم رہیں۔
چمڑی جائے پر دمڑی نہ جائے	کنجوس آدمی جسمانی تکلیف برداشت کرلیتا ہے مگر پیسا خرچ نہیں کرتا۔
چور کی داڑھی میں تنکا	چور یا قصوروار کی نشانی ظاہر ہوجاتی ہے۔
چھوٹا منھ بڑی بات	اپنی حیثیت سے بڑھ کر بات کرنا۔

چیل کے گھونسلے میں ماس کہاں	فضول خرچ کے پاس مال نہیں رہتا۔
حکمِ حاکم مرگِ مفاجات	بادشاہ کے حکم اور موت کو ٹالا نہیں جاسکتا۔
حلوائی کی دُکان اور دادا جی کی فاتحہ	مالِ مفت دلِ بے رحم، کسی کے مال کو مفت کا مال سمجھ کر بے دریغ خرچ کرنا۔
خدا کی لاٹھی میں آواز نہیں	عذابِ الٰہی اچانک آتا ہے۔
خدا گنجے کو ناخن نہ دے	کم ظرف کو اختیار نہیں ملنا چاہیے۔
خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے	صحبت کا بڑا اثر ہوتا ہے۔ (خصوصاً بری صحبت کا)
دریا میں رہنا اور مگرمچھ سے بیر	اپنے افسرِ اعلیٰ سے بگاڑ رکھنا۔
دکھ اٹھائے بی فاختہ، کوّا انڈے کھائے	مصیبت کوئی اٹھائے اور فائدہ کوئی اور حاصل کرے۔
دمڑی کی بڑھیا ٹکا سر منڈائی	چیز کی قیمت بہت کم اور اس پہ لاگت زیادہ۔
دودھ کا جلا چھاچھ بھی پھونک پھونک کر پیتا ہے	جس شخص نے زیادہ نقصان اٹھایا ہو وہ بہت محتاط ہو جاتا ہے۔
دودھ کا دودھ پانی کا پانی	کسی چیز کی حقیقت سامنے آنا۔
دودھ کی مکھی، کس نے چکھی	کوئی شخص خراب چیز استعمال نہیں کرتا۔
دُور کے ڈھول سہانے	جب تک کسی سے واسطہ نہیں پڑتا، ہر شخص اچھا معلوم ہوتا ہے۔
دو ملاؤں میں مرغی حرام	دو ہم پیشہ آدمی ایک کام کرنے لگیں تو اکثر خرابی پیدا ہوتی ہے۔
دھوبی کا کتا گھر کا نہ گھاٹ کا	جس شخص کا کوئی ٹھکانا نہ ہو۔
ڈوبتے کو تنکے کا سہارا	مصیبت میں تھوڑی سی مدد کو بھی غنیمت سمجھنا۔
ڈھاک کے وہی تین پات	ہر حالت میں نتیجہ ایک ہی ہونا۔
رام رام جپنا، پرایا مال اپنا	ایمان داری کا روپ دھار کر بے ایمانی کرنا۔
رسی جل گئی پر بل نہ گیا	پاس کچھ نہ رہا مگر اکڑ نہ چھوڑی۔
زبانِ خلق، نقارۂ خدا	جو بات عام ہو جائے وہ عموماً سچی ہوتی ہے۔
زبردست کا ٹھینگا سر پر	زبردست کم زور سے سب کچھ کرا لیتا ہے۔
زمانہ گرگٹ کی طرح رنگ بدلتا ہے	وقت ایک جیسا نہیں رہتا، وقت کبھی کچھ ہوتا ہے اور کبھی کچھ۔
سارا دھن جاتا دیکھیے تو آدھا دیجیے بانٹ	اگر سب کچھ برباد ہو رہا ہو تو نصف ہی بچا لینا چاہیے۔

ساجھے کی ہنڈیا چوراہے پر پھوٹتی ہے	شراکت داری کے کاموں میں جھگڑا ضرور ہوتا ہے۔
سانچ کو آنچ نہیں	سچا آدمی ہمیشہ محفوظ رہتا ہے۔
سانپ بھی مرے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے	کام بھی ہو جائے اور کسی کا نقصان بھی نہ ہو۔
ساون کے اندھے کو ہرا ہی ہرا سوجھتا ہے	ہر شخص اپنے حسبِ حال دوسروں کے حال کا اندازہ کرتا ہے۔
سدا ناؤ کاغذ کی بہتی نہیں	ظاہر داری، دھوکا یا فریب دیر تک نہیں چلتا۔
سر منڈاتے ہی اولے پڑے	کام شروع کرتے ہی نقصان ہو گیا۔
سو سُنار کی، ایک لوہار کی	طاقت ور کی ایک ہی ضرب کم زور کی سو چوٹوں کے برابر ہوتی ہے۔
سو دن چور کے ایک دن سادھ/ شاہ کا	غلط آدمی کبھی نہ کبھی ضرور گرفت میں آتا ہے۔
کر سیوا تو کھا میوہ	خدمت کے بغیر پھل نہیں ملتا۔
خدا شکّر خورے کو شکّر دیتا ہے	اللہ خواہش کے مطابق عطا کر دیتا ہے۔
شنیدہ کے بود مانندِ دیدہ	دیکھنے کو سننے پر فوقیت حاصل ہے۔
شیر بکری ایک گھاٹ پانی پیتے ہیں	امن اور عدل وانصاف ہو تو کمزور کو طاقت ور کا خوف نہیں رہتا۔
شیر کا ایک ہی بھلا	بہادر بیٹا ایک بھی ہو تو کافی ہے۔
شیروں سے شیر ہی ہوتے ہیں	بہادر کی اولاد بہادر ہی ہوتی ہے۔
صبح کا بھولا شام کو گھر آئے تو اسے بھولا نہیں کہتے	اگر آدمی غلطی کے بعد اسے محسوس کرے اور راہِ راست پر آجائے تو قابلِ معافی ہے۔
صبح کا پیالہ اِکسیر کا نوالہ	صبح کے وقت کا کھایا ہوا بہت مفید ہوتا ہے۔
ضرورت ایجاد کی ماں ہے	ضرورت آدمی سے سب کچھ کرا لیتی ہے۔
طویلے کی بلا بندر کے سر	قصور کسی کا اور سزا کسی اور کو۔
غرور کا سر نیچا	مغرور شخص کو آخر ذلیل ورسوا ہونا پڑتا ہے۔
غریب کی جورو سب کی بھابی	غریب آدمی پر سب کا رعب چلتا ہے۔
فقیر کو کمبل ہی دوشالہ ہے	غریب آدمی کو جو مل جائے وہی اس کے لیے کافی ہے۔
قاضی جی کے گھر کے چوہے بھی سیانے	عقل مند کے گھر میں چھوٹے بھی عقل مند ہوتے ہیں۔
قبل از مرگ واویلا	مصیبت آنے سے پہلے ہی آہ وفریاد کرنا۔

قہرِ درویش، بر جانِ درویش	فقیر کا غصہ خود فقیر ہی کی جان پہ اترتا ہے۔
کابل میں کیا گدھے نہیں ہوتے	نادان ہر جگہ پائے جاتے ہیں۔
کاٹھ کی ہنڈیا بار بار نہیں چڑھتی	جھوٹ اور فریب ہمیشہ نہیں چل سکتا۔
کتے کو گھی ہضم نہیں ہوتا	کم ظرف سے مال ہضم نہیں ہوتا۔
کوّا چلا ہنس کی چال اپنی بھی بھول گیا	دوسروں کی نقل کرنے والا اپنی خوبی بھول جاتا ہے۔
کوئلوں کی دلالی میں منھ کالا	غلط کام انسان کے لیے بدنامی کا باعث ہوتے ہیں۔
کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑا، بھان متی نے کنبہ جوڑا	بے میل رشتہ جتانے کے موقع پر بولتے ہیں۔
کیا پدی اور کیا پدی کا شوربا	معمولی سے شخص کی بساط ہی کیا ہے۔
کھسیانی بلّی کھمبا نوچے	شرمندہ شخص اپنی شرمندگی دوسروں پر اتارتا ہے۔
گائے کو اپنے سینگ بھاری نہیں ہوتے	اپنی اولاد کی پرورش بوجھ نہیں لگتی۔
گائے نہ بچھی، نیند آئے اچھی	پاس کچھ نہ ہو تو آدمی اطمینان سے سوتا ہے۔
گدھا کیا جانے زعفران کی بہار	نادان کسی چیز کی قدر نہیں جان سکتا۔
گدھا گھوڑا ایک بھاؤ	چھوٹے بڑے مرتبے والے سب برابر۔
گدھے پر کتابیں لادنا	بے وقوف کو علم سکھانا۔
گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے	رازدار آدمی بدنامی کا باعث ہو سکتا ہے۔
گھر کی مرغی دال برابر	اپنے گھر کی چیز کی قدر نہیں ہوتی۔
گڑ کھائیں اور گلگلوں سے پرہیز	بڑی برائی کی پروا نہ کرنا اور چھوٹی سے بچنا۔
گندم نما جو فروش	بظاہر اچھا مگر باطن میں برا ہونا۔
گیہوں کے ساتھ گھن بھی پس جاتا ہے	قصوروار کے ساتھ بے قصور بھی مارے جاتے ہیں۔
لکڑی کے بل بندر یا ناچے	اپنے حمایتی کے آسرے پر اچھلنا
لکھے موسیٰ، پڑھے خدا / لکھے موسا، پڑھے خود آ	ایسی تحریر جو کسی سے نہ پڑھی جا سکے۔
مدعی سست گواہ چست	دعویٰ دار تو غفلت کرے اور حمایتی کوشش کرے۔
مرے کو مارے شاہ مدار	غریب کے سب بدخواہ ہوتے ہیں۔

مُلّا کی دوڑ مسجد تک	ہر شخص کی کوشش وہیں تک ہوتی ہے جہاں اس کی رسائی ہو۔
مفلسی میں آٹا گیلا	غریب آدمی کو نقصان پر نقصان ہوتا ہے۔
مینڈکی کو بھی زکام ہوا	اپنی حیثیت سے بڑھ کر بڑھکیں مارنا۔
میں بھی رانی تو بھی رانی، پھر کون بھرے گا پانی	ہر کوئی برابری کا دعویٰ کرے تو کام کون کرے گا۔
ناچ نہ جانے آنگن ٹیڑھا	اپنی بے ہنری اور کوتاہی کا الزام دوسرے کو دینا۔
نام بڑا، درشن چھوٹے	مشہوری زیادہ مگر اتنی کارکردگی نہیں۔
نقار خانے میں طوطی کی آواز کون سنتا ہے	بہت شور وغل میں کمزور آدمی کی کب سنی جاتی ہے۔
نو نقد نہ تیرہ ادھار	ادھار کے تیرہ سے نقد کے نو اچھے ہیں۔
نہ رہے بانس نہ بجے بانسری	جھگڑے والی چیز ہی نہ رہے تو جھگڑا ختم ہو جاتا ہے۔
نہ منھ میں دانت نہ پیٹ میں آنت	ضعیف آدمی کی نسبت بولتے ہیں۔
نہ نو من تیل ہوگا نہ رادھا ناچے گی	کسی کام کے لیے شرائط اتنی کڑی رکھنا جن کا پورا ہونا ناممکن ہو۔
نیکی کر دریا میں ڈال	احسان کر کے بھلا دینا چاہیے۔
ولی را ولی می شناسد	آدمی اپنے جیسے آدمی ہی کو پہچانتا ہے۔
ہاتھ کنگن کو آرسی کیا	جو بات ظاہر ہو اسے دریافت کرنے کی کیا ضرورت۔
ہاتھی کے پاؤں میں سب کا پاؤں	بڑے آدمی کے سب ماتحت ہوتے ہیں۔
ہاتھی کے دانت کھانے کے اور دکھانے کے اور	ظاہر اور باطن میں فرق ہوتا ہے۔
ہاتھی نکل گیا، دُم رہ گئی	سارا کام ہو گیا ہے بس معمولی کسر باقی ہے۔
ہم بھی ہیں پانچوں سواروں میں	اپنے آپ کو بلا وجہ بڑے لوگوں میں شمار کرنا۔
ہنوز دِلّی دور است	ابھی کام مکمل ہونے میں دیر ہے۔
ہونہار بِروا کے چِکنے چِکنے پات	لیاقت اور قابلیت کے آثار بہت پہلے نظر آجاتے ہیں۔
یار زندہ صحبت باقی	زندگی رہی تو پھر ملاقات ہوگی۔
یہاں کا باوا آدم ہی نرالا ہے	یہاں کی ہر بات ہی عجیب ہے۔
یہ مُنھ اور مسور کی دال	یہ شخص اس کام یا منصب کا مستحق نہیں ہے۔

علمِ بیان

تحریر وتقریر کی خوبیوں کے ذکر اور ان کی بحث کو علمِ بیان کہتے ہیں۔ اگر ہمارے طالب علم چاہتے ہیں کہ انھیں اردو زبان پر عبور حاصل ہو تو اس کے لیے انھیں علمِ بیان میں کسی قدر مہارت حاصل کرنا ہوگی تا کہ وہ اپنی تحریر وتقریر کو اہلِ زبان کی گفت گو کے مطابق کئی طریقوں سے بیان کرنے کے قابل ہو جائیں۔ علمِ بیان کی چار قسمیں ہیں:

- تشبیہ
- اِستعارہ
- مجازِ مرسل
- کنایہ

(۱) تشبیہ

جب کسی چیز کو کسی مشترکہ صفت کی بنا پر اس کی کیفیت اور صورتِ حال کو مزید پُر تاثیر اور کیف آور بنانے کے لیے کسی دوسری چیز کے مانند قرار دیا جاتا ہے تو اسے علمِ بیان کی اصطلاح میں تشبیہ کہتے ہیں۔ جس چیز کو تشبیہ دیں اسے مشبّہ، جس چیز کے ساتھ تشبیہ دیں اسے مشبّہ بہ، وہ صِفَت جس کی بنا پر تشبیہ دی جائے اسے وجہ شبہ اور وہ کلمہ یا حرف جو مشبّہ اور مشبّہ بہ کو ملاتا ہے، اسے حرفِ تشبیہ کہتے ہیں۔ اس طرح تشبیہ کے چار ارکان ہوئے:

مشبّہ　　مشبّہ بہ　　وجہ شبہ　　حرفِ تشبیہ

مثلاً: یہ کاغذ دودھ کی طرح سفید ہے۔

اس مثال میں ارکانِ تشبیہ اس طرح ہوں گے:

مشبّہ	مشبّہ بہ	وجہ شبہ	حرفِ تشبیہ
کاغذ	دودھ	سفید	کی طرح

محاورے اور ضرب الامثال کی طرح تشبیہ کو بھی زبان کا زیور سمجھا جاتا ہے اور اس کے استعمال سے کلام میں حسن اور خوبی پیدا ہو جاتی ہے۔ مثلاً یہ تشبیہات دیکھیے:

پتھر کی طرح سخت، چٹان کے مانند مضبوط، شہد جیسا میٹھا، شیر کی طرح بہادر، ریشم کی مثل نرم، دن کی طرح روشن، رات کی طرح تاریک، تلوار کی طرح تیز، خون کی طرح سرخ، کوئلے کی طرح سیاہ، برف کی طرح ٹھنڈا، تیر کی طرح سیدھا، سمندر کی طرح گہرا وغیرہ۔

طرفینِ تشبیہ: مشبّہ اور مشبّہ بہ کو طرفینِ تشبیہ کہا جاتا ہے۔

(۲) استعارہ

(۱) کس شیر کی آمد ہے کہ رَن کانپ رہا ہے — رَن ایک طرف چرخِ کہن کانپ رہا ہے

(۲) ماں کہتی ہے: میرا چاند آیا۔

پہلی مثال میں جرأت و ہمّت کے باعث حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شیر کہا گیا ہے لیکن شعر میں ان کا ذکر نہیں ہوا۔ اسی طرح دوسری مثال میں ماں اپنے خوب صورت بیٹے کو چاند کہتی ہے اور بیٹے کا لفظ استعمال نہیں کرتی۔ یہ دونوں مثالیں استعارہ کی ہیں۔

استعارہ کے لغوی معنی عاریتاً یا ادھار لینا کے ہیں مگر اصطلاح میں جب ہم کسی لفظ کو حقیقی معنوں کے بجائے مجازی معنوں میں اس طرح استعمال کریں کہ اس کے حقیقی اور مجازی معنوں میں تشبیہ کا تعلق ہو تو اسے استعارہ کہتے ہیں۔ استعارہ کے تین ارکان ہوتے ہیں:

(۱) مستعارلہٗ (جس کے لیے استعارہ کیا جائے)

(۲) مستعارمِنہٗ (جس سے استعارہ لیا جائے)

(۳) وجہِ جامع (مستعارلہٗ اور مستعارمِنہٗ میں مشترک صِفَت)

استعارے میں مستعارلہٗ کا ذکر نہیں ہوتا، یہ اس کا امتیاز ہے۔ اسی طرح مستعارلہٗ اور مستعارمنہٗ میں مشترک صفت کا ذکر بھی نہیں کرتے۔ مثلاً دوسری مثال میں:

بیٹا	مستعارلہٗ	(ذکر نہیں ہے)
چاند	مستعارمنہٗ	
خوب صورتی	وجہِ جامع	(ذکر نہیں ہے)

استعارے کی یہ خوب صورت مثال ملاحظہ کیجیے:

ایک بلبل ہے کہ ہے محوِ ترنّم اب تک — اُس کے سینے میں ہے نغموں کا تلاطم اب تک

(۳) مجازِ مرسل

یہ علمِ بیان کی تیسری قسم ہے۔ استعارہ کے انداز میں اس کی تعریف یوں کی جا سکتی ہے:

اگر کوئی لفظ اپنے حقیقی معنوں کے بجائے مجازی معنوں میں اس طرح استعمال ہو کہ ان دونوں میں تشبیہ کے علاوہ کوئی اور تعلق ہو تو اسے مجازِ مرسل کہا جاتا ہے۔ اہلِ زبان نے اس کی چوبیس صورتیں گنوائی ہیں۔ ان میں سے چند ایک اہم صورتیں یہاں مثالوں کے ساتھ درج کی جاتی ہیں:

(۱) آپ ''الحمد'' سنائیں۔ (جُزو سے کل مراد لینا)

(۲) میں نے کانوں میں انگلیاں دے لیں۔ (کل سے جُز ومراد لینا)

(۳) ایک گلاس پی لو۔ (ظرف سے مظروف مراد لینا)

(۴) پانی لے آؤ۔ (مظروف سے ظرف مراد لینا)

(۵) بادشاہی مسجد لاہور اورنگ زیب عالمگیر نے بنائی۔ (سبب بول کر مسبّب مراد لینا)

(۶) میں آٹا پسوانے جا رہا ہوں۔ (مسبّب بول کر سبب مراد لینا)

پہلے جملے میں ''الحمد'' کہہ کر پوری سورۂ فاتحہ مراد لی گئی ہے۔ یعنی جُز و کہہ کر کل مراد لیا گیا ہے۔ دوسرے جملے میں ''میں نے کانوں میں انگلیاں دے لیں'' چوں کہ کانوں کے اندر انگلی کا کچھ حصّہ ہی جا سکتا ہے اس لیے کل کہہ کر جُز ومراد لیا گیا ہے۔ تیسرے جملے میں ''گلاس'' سے مراد پانی ہے جو گلاس کے اندر موجود ہے یعنی ظرف کہہ کر مظروف مراد لیا گیا ہے۔ چوتھے جملے میں ''پانی'' سے مراد وہ برتن ہے جس کے اندر پانی ہے یعنی مظروف کہہ کر ظرف مراد لیا گیا ہے۔ پانچویں جملے: ''بادشاہی مسجد لاہور اورنگ زیب عالمگیر نے بنائی'' میں اورنگ زیب عالمگیر سبب ہے مسجد تو معماروں نے بنائی ہے، چناں چہ سبب بول کر مسبّب مراد لیا گیا ہے۔ اسی طرح چھٹے جملے: ''میں آٹا پسوانے جا رہا ہوں'' میں آٹا مسبّب (نتیجہ) ہے۔ گندم پسوائی جاتی ہے۔ اس لیے مسبّب بول کر سبب مراد لیا گیا ہے۔

(۴) کنایہ

کنایہ کے لغوی معنی پوشیدہ یا چھپی ہوئی بات کے ہیں۔ مگر علمِ بیان کی اصطلاح میں کنایہ ایسے کلمے کو کہتے ہیں جس سے غیر حقیقی معنی مراد ہوں اور اگر حقیقی معنی مراد لیے جائیں تو بھی جائز ہوں۔ جیسے: خاک بسر ہونا سے کچھ نہ رہنا مراد ہے۔ اسی طرح ''اس گھر کا دروازہ کھلا رہتا ہے'' کا مطلب یہ ہے کہ اس گھر میں سخی انسان رہتا ہے۔

کنایہ کی بہت سی قسمیں ہیں۔ ان میں سے ایک کنایۂ قریب اور ایک کنایۂ بعید ہے۔ کنایۂ قریب تو تھوڑی سی سوچ بچار کے بعد جلد ہی سمجھ میں آ جاتا ہے مگر کنایۂ بعید غور و فکر کے بعد ہی ذہن میں آتا ہے۔ کنایہ کی یہ دو مثالیں مزید ملاحظہ کریں:

(۱) اسلم شترِ بے مہار ہے۔ (۲) امجد پیٹ کا ہلکا ہے۔

پہلی مثال میں شترِ بے مہار کے اصل معنی ہیں وہ اونٹ جس کی نکیل نہ ہو اور وہ بلبلاتا پھرتا ہو۔ کنایہ یہ ہے کہ بیہودہ باتیں کرتا ہے۔ دوسری مثال میں پیٹ کا ہلکا کے اصلی معنی ہیں ہلکے پیٹ والا آدمی، جس کے پیٹ میں کوئی چیز نہ ٹھہرے مگر یہ کنایہ ہے کہ وہ راز کی بات جلد اگل دینے والا ہے۔ اس طرح کنایہ علمِ بیان کی بہت اچھی صورت ہے جس سے تحریر و تقریر میں لطف پیدا ہوتا ہے۔

علمِ بدیع

بدیع کے لغوی معنی تو نادر، انوکھا یا نئی چیز کے ہیں لیکن اصطلاح میں علمِ بدیع اس علم کو کہتے ہیں جس سے تحسین و تزئینِ کلام کے طریقے معلوم ہوتے ہیں۔ اس کی دو قسمیں ہیں: صنائعِ لفظی اور صنائعِ معنوی یعنی لفظوں کے لحاظ سے نِکات اور باریکیاں بیان کرنا۔ صنائعِ لفظی و معنوی کا بیان بڑا تفصیل طلب ہے اور اس کی بہت سی قسمیں ہیں۔ ذیل میں ان کی چند معروف اقسام اختصار کے ساتھ بیان کی جاتی ہیں:

(۱) صنعتِ تضاد: علمِ بدیع کی اصطلاح میں کلام میں دو ایسے الفاظ استعمال کرنا جو ایک دوسرے کی ضد یا الٹ ہوں۔ مثال کے طور پر: ہنسنا اور رونا، سیاہ اور سفید، امید و ناامیدی، رنج و خوشی، مقدّم اور مؤخر، زمین اور آسمان وغیرہ۔ مثلاً یہ شعر:

ہزار مرتبہ بہتر ہے بادشاہی سے   اگر نصیب تیرے کوچے کی گدائی ہو   (میر تقی میر)

(۲) صنعتِ مبالغہ: کلام میں ایسے الفاظ لائے جائیں جن سے مبالغے کا پہلو نکلتا ہو تو ایسی صنعت کو صنعتِ مبالغہ کہتے ہیں۔ مثلاً:
میر انیس، میدانِ کربلا میں گرمی کی شدّت کا حال بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

گرمی سے مضطرب تھا زمانہ زمین پر   بھُن جاتا تھا جو گرتا تھا دانہ زمین پر   (میر انیس)

دانے کا زمین پر گرتے ہی بھن جانے میں مبالغہ ہے۔

(۳) صنعتِ تلمیح: تلمیح کے لغوی معنی ہیں اشارہ کرنا۔ ادب کی اصطلاح میں کلام میں کسی مشہور قصّے، واقعے، شخصیت، داستان یا روایت کی طرف اشارہ کرنے کو تلمیح کہتے ہیں۔ مثلاً:

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق   عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی   (علّامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

اس شعر میں ''آتشِ نمرود'' تلمیح ہے جو اس واقعے کی طرف اشارہ ہے جب نمرود نے حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو جلانے کے لیے آگ کا الاؤ تیار کیا تھا۔ اسی طرح:

اک کھیل ہے، اورنگِ سلیماں مِرے نزدیک
اک بات ہے، اعجازِ مسیحا مِرے آگے   (مرزا غالب)

اس شعر میں ''اورنگِ سلیماں'' اور ''اعجازِ مسیحا'' دو تلمیحیں آئی ہیں۔

(۴) صنعتِ لف و نشر: اصطلاح میں صنعتِ لف و نشر کا مفہوم یہ ہے کہ پہلے کچھ چیزوں کا ذکر کیا جائے اور پھر انھی چیزوں سے مناسبت رکھنے والی چیزوں کا ذکر بھی کیا جائے۔ پہلے جُز و کا نام لف اور دوسرے کا نام نشر ہوگا۔ ایک مثال یہ ہے:

نہ سلیقہ مجھ میں کلیمؑ کا، نہ قرینہ تجھ میں خلیلؑ کا
میں ہلاکِ جادوئے سامری، تو قتیلِ شیوۂ آزری   (علّامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

پہلے مصرعے میں ''کلیم'' اور ''خلیل'' کا ذکر ہے اور پھر اُن سے مناسبت رکھنے والی باتوں ''سامری'' اور '' آزری'' کا ذکر ہے۔

(۵) صنعتِ ایہام: ایہام کے لغوی معنی وہم میں ڈالنا یا چھپانا کے ہیں۔ صنعتِ ایہام یہ ہے کہ ایک لفظ کے دو معنی ہوں، ایک قریب کے اور دوسرے بعید کے۔ مثلاً:

شب جو مسجد میں جا پھنسے مومن
رات کاٹی خدا خدا کر کے (مومن)

''خدا خدا کر کے'' کے ایک معنی تو خدا کو یاد کرنا ہے اور دوسرے معنی ہیں بڑی مشکل سے۔ یہاں شاعر کی مراد دوسرے معنوں سے ہے۔

(۶) صنعتِ مراعاۃ النظیر: مراعاۃ النظیر اس صنعت کاری کا نام ہے جس کے ذریعے کلام میں کچھ ایسے الفاظ لائے جاتے ہیں جو ایک ہی رعایت یا ایک ہی قبیل کے ہوتے ہیں۔ مثلاً:

کانپتا ہے دل ترا اندیشۂ طوفاں سے کیا
ناخدا تو ، بحر تو ، کشتی بھی تو ، ساحل بھی تو (علّامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

ناخدا (ملّاح)، بحر، کشتی، ساحل کا ایک ساتھ ذکر مراعاۃ النظیر کی مثال ہے۔

(۷) صنعتِ حسنِ تعلیل: شاعری کی ایسی صنعت ہے جس میں شاعر ایک ایسی چیز کو کسی چیز کی علّت (وجہ) فرض کر لیتا ہے جو درحقیقت اس کی علّت نہیں ہوتی مگر اس پر یقین کرنے کو جی چاہتا ہے۔ مثلاً:

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہو گئیں (مرزا غالب)

مرزا غالب نے اس شعر میں گل و لالہ کے نمایاں ہونے کی وجہ ان خوب صورت چہروں کو قرار دیا جو وفات کے بعد پیوندِ خاک ہو گئے۔

(۸) صنعتِ تکرار: تکرار کے لغوی معنی 'دہرانا' کے ہیں۔ اصطلاح میں صنعتِ تکرار ایسی صنعت ہے جس میں دو لفظ ایک ہی معنی رکھتے ہوں اور شعر یا مصرعوں میں برابر جمع کیے جائیں۔ بالفاظِ دیگر جب کسی شعر یا مصرعے میں ایک لفظ کی تکرار پائی جائے تو اسے صنعتِ تکرار کہا جاتا ہے۔ مثلاً:

جہاں تیرا نقشِ قدم دیکھتے ہیں
خیاباں خیاباں اِرم دیکھتے ہیں (مرزا غالب)

اس شعر میں 'خیاباں خیاباں' کی تکرار سے ایک خاص صوتی آہنگ پیدا ہو گیا ہے جس سے یقیناً ایک سلیم الطبع قاری متاثر ہوتا ہے۔

علمِ عروض

عروض کے لغوی معنی طَرَف یا کنارہ کے ہیں جب کہ یہ لفظ عرض سے بنا ہے جس کا مفہوم ہے ظاہر کرنا، پیش کرنا وغیرہ۔ علمِ عَروض شعر کے اوزان کو جانچنے کا علم ہے جس میں شعر کے اوزان، بحور اور زحافات کے اصول بیان کیے جاتے ہیں۔ علمِ عروض کے بانی خلیل بن احمد بصری کو قرار دیا جاتا ہے۔

جیسے گندم یا کسی اور جنس کا وزن معلوم کرنے کے لیے گرام کا پیمانہ اور دودھ وغیرہ کا وزن معلوم کرنے لے لیے لیٹر کا پیمانہ استعمال ہوتا ہے اسی طرح الفاظ کی اصوات کا وزن معلوم کرنے کا بھی مخصوص پیمانہ ہے۔ جب ہم منھ سے کوئی آواز نکالتے ہیں تو ہماری زبان کی حرکت اور ہوا کے ٹکرانے سے پیدا ہونے والے الفاظ کی ممکنہ شکلوں کا اپنا صوتی وزن ہوتا ہے۔ علم عروض انھی اوزان یا صوتی پیمانوں کے مطالعے کا نام ہے۔ علمِ عروض کے ذریعے سے کسی شعر کے وزن کی صحت دریافت کر کے اس کے فنی لحاظ سے موزوں یا غیر موزوں ہونے کی تصدیق ہوتی ہے۔ اس علم کے تحت اشعار کے مختلف اوزان مقرر کیے گئے ہیں جن سے بحریں بنتی ہیں۔

(۱) بحر

علمِ عروض میں بحر سے مراد وہ خاص وزن لیا جاتا ہے جو اہلِ عروض نے شعر کہنے کے لیے مخصوص کر لیا ہو۔

(۲) اوزان

اوزان متحرک اور ساکن حروف کی ترتیب سے وجود میں آتے ہیں۔ متحرک اور ساکن کی ترتیب کو عروض کی زبان میں سبب، وتد اور فاصلہ کہا جاتا ہے۔ وضاحت درج ذیل ہے:

سبب

یہ وزن دو حروف سے تشکیل پاتا ہے یعنی دو حروف پر مشتمل کلمہ سبب کہلاتا ہے۔ سبب کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ سببِ خفیف: ایسا دو حرفی کلمہ جس کا پہلا حرف متحرّک اور دوسرا حرف ساکن ہوتا ہے، مثلاً دَرْ، دِلْ، رُخْ۔

۲۔ سببِ ثقیل: ایسا دو حرفی کلمہ جس کا پہلا اور دوسرا دونوں حرف ہی متحرّک ہوں۔ اردو میں سببِ ثقیل اضافت کی وجہ سے آتا ہے ورنہ عام طور پر آخری حرف ساکن ہی ہوتا ہے۔ مثلاً دَرِیار، دِلِ ناداں وغیرہ۔

وتد

ایسا کلمہ جو تین حروف سے تشکیل پائے وتد کہلاتا ہے۔ وتد کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ وتد مجموع: وہ سہ حرفی کلمہ جس کے پہلے دو حروف متحرّک اور تیسرا حرف ساکن ہوتا ہے، مثلاً دَوَاْ، عِشَاْ، وُضُوْ

۲۔ وتد مفروق: وہ سہ حرفی کلمہ جس کا پہلا حرف متحرّک، دوسرا ساکن اور تیسرا حرف متحرک ہو۔ اردو میں وتد مفروق نہیں ہوتا صرف اضافت کی وجہ سے آتا ہے، مثلاً فَضْلِ گل، عَرْضِ ہنر وغیرہ۔

فاصلہ

چار یا پانچ حرفی کلمہ فاصلہ کہلاتا ہے۔اس کی بھی دو قسمیں ہیں:

۱۔فاصلۂ صغریٰ: یہ کلمہ چار حروف سے تشکیل پاتا ہے۔ پہلے تین حروف متحرّک اور چوتھا حرف ساکن ہوتا ہے۔مثلاً: عَرَبِیْ، طَلَبَہْ وغیرہ۔فاصلہ صغریٰ کو فاصلہ صولت بھی کہا جاتا ہے۔

۲۔فاصلۂ کبریٰ: یہ کلمہ پانچ حروف سے تشکیل پاتا ہے۔اس کلمہ کے پہلے چار حروف متحرّک اور پانچواں حرف ساکن ہوتا ہے۔فاصلۂ کبریٰ اردو میں صرف مرکب الفاظ میں استعمال ہوتا ہے ،مثلاً سُخَنِ دِلْ ، طَلَبِ زَرْ وغیرہ۔فاصلۂ کبریٰ کو فاصلۂ ضبط بھی کہا جاتا ہے۔

ارکان

عروضی قواعد کے مطابق دو یا تین اجزا سے ترکیب پانے والا لفظ رکن کہلاتا ہے،مثلاً : فَاْ ، فَعُوْ وغیرہ۔رکن کی جمع ارکان ہے۔ارکان کی دو قسمیں ہیں:

۱۔خماسی: پانچ حرفی ارکان خماسی کہلاتے ہیں،مثلاً: فَعُوْلُن یعنی (وتد مجموع+سببِ خفیف)، فَاْعِلُنْ یعنی (سببِ خفیف+وتد مجموع)

۲۔سُباعی: سات حرفی ارکان سباعی کہلاتے ہیں ،مثلاً:مفاعیلن (وتد مجموع+سبب خفیف+سبب خفیف)، مُستَفعِلُن (سبب خفیف+سبب خفیف+وتد مجموع)،فاعلاتن (سبب خفیف+وتد مجموع+سبب خفیف)

تقطیع

شعر کا وزن تقطیع کے ذریعے سے معلوم کیا جاتا ہے۔تقطیع سے مراد شعری الفاظ کو ان کی آواز کی بنا پر الگ الگ کرنا ہے۔تقطیع کرتے وقت اکثر لفظ ٹکڑے ٹکڑے ہوجاتے ہیں اور دوسرے رکن کا جزو بن جاتے ہیں جو بے معنی معلوم ہوتے ہیں مگر اس میں کوئی حرج نہیں ہے،مثلاً:

آدمی کو حُسن بخشا زیورِ تعلیم سے

آدمیت کا محافظ مکتبِ صفّہ بنا

(فاعلاتن) (فاعلاتن) (فاعلاتن) (فاعلن)

فَاْ عِلَاْ تُنْ فَاْ عِلَاْ تُنْ فَاْ عِلَاْ تُنْ فَاْ عِلُنْ

آ دَمِیْ کُوْ حُسْ نَبَخْ شَاْ زَےْ وَرَےْ تَعْ لِیْ مَسےَ

آ دَمِیْ یَتْ کَاْ مُحَاْ فِظْ مَكْ تَبِےْ صُفْ فَاْ بَنَاْ

چند شعری اصطلاحات

مصرع: لفظی معنی کِواڑ (دروازے) کا ایک پٹ، مراد ہے آدھا شعر یا نصف بیت۔ مصرع بامعنی الفاظ پر مشتمل وہ سطر ہے کہ اگر نثر میں ہوتو جملہ یا فقرہ کہلائے، اور نظم میں ہوتو مصرع۔ شعر کے پہلے مصرعے کو مصرعِ اوّل اور دوسرے مصرعے کو مصرعِ ثانی کہتے ہیں۔ مثلاً: خواجہ الطاف حسین حالی کے ایک شعر کا مصرعِ اوّل ہے:

ع یارانِ تیز گام نے محمل کو جا لیا

اور ثاقب لکھنوی کے ایک شعر کا مصرعِ ثانی ہے:

ع ہمیں سو گئے داستاں کہتے کہتے

شعر: لفظی معنی سخنِ موزوں، دو مصرعے جو ایک ہی وزن کے ہوں اور ایک خیال ظاہر کریں، شعر یا بیت کہلاتے ہیں۔ مثلاً دو شعر ملاحظہ کریں:

یارانِ تیز گام نے محمل کو جا لیا ہم محوِ نالۂ جرسِ کارواں رہے
زمانہ بڑے شوق سے سن رہا تھا ہمیں سو گئے داستاں کہتے کہتے

قافیہ: ہر شعر کے آخر میں آنے والے ہم آواز الفاظ کو قافیہ کہا جاتا ہے۔ قافیہ شعر کے ساتھ ساتھ بدلتا رہتا ہے۔ یاد رہے ردیف کا استعمال قافیہ کے بعد ہوتا ہے۔ مرزا غالب کی یہ معروف غزل ملاحظہ فرمائیں:

دلِ ناداں تجھے ہُوا کیا ہے آخر اس درد کی دوا کیا ہے
ہم ہیں مشتاق اور وہ بیزار یا الٰہی! یہ ماجرا کیا ہے
میں بھی منھ میں زبان رکھتا ہوں کاش پوچھو کہ مدّعا کیا ہے
جب کہ تجھ بن نہیں کوئی موجود پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے
ہم کو اُن سے وفا کی ہے امید جو نہیں جانتے وفا کیا ہے
جان تم پر نثار کرتا ہوں میں نہیں جانتا دُعا کیا ہے
ہاں بھلا کر ترا بھلا ہوگا اور درویش کی صدا کیا ہے

میں نے مانا کہ کچھ نہیں غالب
مفت ہاتھ آئے تو بُرا کیا ہے

اس غزل میں ہُوا، دوا، ماجرا، مدّعا، خدا، وفا، دُعا، صدا اور بُرا کے الفاظ قافیے کے طور پر آئے ہیں۔

ردیف: لغوی معنی ہیں "گھوڑے پر سوار کے پیچھے بیٹھنے والا آدمی" مگر اصطلاحِ شعر میں قافیے کے بعد آنے والے وہ لفظ یا ایسے الفاظ

جو جُوں کے توں بار بار دہرائے جائیں، ردیف کہلاتے ہیں۔ جیسا کہ ''کیا ہے'' مرزا غالب کی مذکورہ بالا غزل میں ردیف کی مثال ہے۔

مطلع: لغوی معنی ''طلوع ہونے کی جگہ'' کے ہیں مگر شعری اصطلاح میں کسی قصیدے یا غزل کے پہلے شعر کو، جس کے دونوں مصرعے ہم قافیہ یا ہم قافیہ وہم ردیف ہوں، مطلع کہتے ہیں۔ ردیف کی موجودگی ضروری شرط نہیں ہے۔ مرزا غالب کی ایک زبان زدِ خاص و عام غزل کا مطلع ہے:

ابنِ مریم ہوا کرے کوئی　　میرے دکھ کی دوا کرے کوئی

مطلع غزل یا قصیدے کا چہرہ بھی کہلاتا ہے۔ اسی سے غزل کی بحر اور زمین کی پہچان ہوتی ہے۔ مطلع کے بعد اگر دوسرے شعر کے دونوں مصرعے بھی ہم قافیہ وہم ردیف ہوں یعنی مطلع کے بعد ایک اور مطلع آ جائے تو اسے مطلعِ ثانی کہا جاتا ہے۔ مطلعِ ثانی کو حسنِ مطلع بھی کہتے ہیں:

دنیا میں جب تلک کہ میں اندوہ گیں رہا
دل غم سے اور دل سے مرے غم قریں رہا
رونے سے کام بس کہ شب ہم نشیں! رہا
آنکھوں پہ کھینچتا میں سرِ آستیں رہا

مطلعِ ثانی کے بعد اگر تیسرا مطلع بھی آ جائے تو اسے مطلعِ ثالث کہا جاتا ہے۔

مقطع: لغوی معنی ہیں ''قطع ہونے کی جگہ''، مگر شعری اصطلاح میں کسی قصیدے یا غزل کے آخری شعر کو، جس میں شاعر اپنا تخلص بھی لاتا ہے، مقطع کہتے ہیں۔ مثلاً مرزا غالب کی اِسی غزل کا مقطع ہے:

جب توقّع ہی اٹھ گئی غالب　　کیوں کسی کا گِلہ کرے کوئی

تاہم اگر آخری شعر میں شاعر نے اپنا تخلص استعمال نہیں کیا تو وہ فقط غزل یا قصیدے کا آخری شعر کہلائے گا، مقطع نہیں ہوگا۔

بیت الغزل: غزل کے بہترین شعر کو بیت الغزل قرار دیا جاتا ہے تاہم اس کا انحصار قاری یا سامع کے ذوقِ سلیم پر ہوتا ہے۔

اصنافِ نظم ونثر

(الف) اصنافِ نظم

نظم عربی زبان کا لفظ ہے جس کے لغوی معنی ''موتیوں کو ایک لڑی میں پرونا'' کے ہیں لیکن ادب کی اصطلاح میں لفظوں کا معیّن ضابطوں کے مطابق استعمال نظم کہلاتا ہے اور یہ لفظ ''نثر'' کے متضاد کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ چند اہم اصنافِ نظم مندرجہ ذیل ہیں:

حَمد

حَمد ایک ایسی نظم کو کہتے ہیں جس میں اللہ تعالیٰ کی شان، بزرگی اور عظمت کو بیان کیا جاتا ہے۔ حَمد کا لفظ باری تعالیٰ کے لیے مخصوص ہے۔ حَمد کے لیے کوئی خاص بحر یا ہیئت مقرر نہیں مگر اردو شاعری میں حَمد کو ایک خاص تقدّس اور مقام حاصل ہے۔ دو معروف و مقبول حَمدوں کے ابتدائی شعر ملاحظہ کیجیے:

کامل ہے جو ازل سے، وہ ہے کمال تیرا　　باقی ہے جو ابد تک، وہ ہے جلال تیرا (حالی)

دوسرا کون ہے، جہاں تُو ہے　　کون جانے تجھے، کہاں تو ہے (امیر)

نَعت

نعت عربی زبان کا لفظ ہے جس کے لغوی معنی تعریف کرنا کے ہیں، لیکن اصطلاح میں یہ لفظ مدحتِ رسول خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلّم کے لیے وقف ہو چکا ہے۔ جہاں تک نعت کا تاریخی معاملہ ہے، اس کا آغاز آپ کی حیاتِ مبارکہ ہی میں ہو گیا تھا اور یہ سلسلہ آج تک پورے تُزک و احتشام کے ساتھ جاری و ساری ہے۔ نعت گوئی نہایت باریک فن ہے اور نعت گو کو ہر لمحہ حزم و احتیاط سے کام لینا پڑتا ہے۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ، جو کہ فارسی زبان کے شاعر ہیں، کی یہ عربی نعت بھی زبانِ زدِ عام ہے:

بَلَغَ الْعُلٰی بِکَمَالِہٖ　　کَشَفَ الدُّجٰی بِجَمَالِہٖ

حَسُنَتْ جَمِیْعُ خِصَالِہٖ　　صَلُّوْا عَلَیْہِ وَ آلِہٖ

ذیل میں مختلف زمانوں کے تین شعرا کے نعتیہ اشعار کی کچھ مثالیں درج کی جا رہی ہیں:

محسن کاکوروی:　سب سے اعلیٰ تری سرکار ہے سب سے افضل　　میرے ایمانِ مفصّل کا یہی ہے مجمل

حفیظ تائب:　خوش خصال و خوش خیال و خوش خبر خیرالبشر　　خوش نژاد و خوش نہاد و خوش نظر خیرالبشر

احمد رضا خان بریلوی:　واہ کیا جود و کرم ہے شہِ بطحا تیرا　　نہیں سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

قصیدہ

قصیدہ عربی کے لفظ قصد سے مشتق ہے جس کے معنی ارادہ کرنے کے ہیں، مگر قصیدہ سے مراد ایسی شاعری ہے جس میں شاعر ارادتاً

کسی کی تعریف وتوصیف کرتا ہے اور اس ضمن میں بعض اوقات زمین آسمان کے قُلا بے ملا دیتا ہے۔ قصیدے کا پہلا شعر مطلع اور آخری شعر (جس میں شاعر اپنا تخلص استعمال کرتا ہے) مقطع کہلاتا ہے۔

قصیدہ ایک قدیم صنفِ سخن ہے اور یہ عربی، فارسی زبان وادب میں وافر ذخیرے کی صورت میں موجود ہے۔ زمانۂ قدیم سے قصیدے اور غزل کی ہیئت ایک ہی ہے، وہی مطلع و مقطع اور وہی آغاز سے اختتام تک ردیف اور قافیے کا اہتمام ہے۔ قصیدے کو عام طور پر چار حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے:

۱۔تشبیب: یہ قصیدے کا ابتدائی حصّہ ہے جس میں شاعر جذباتِ محبت یا خوب صورت فطری مناظر کا ذکر کرتا ہے اور جس کی انتہا سے ممدوح کی مدح کا آغاز ہوتا ہے۔

۲۔گریز: اس حصے میں ایک دو ایسے شعر ہوتے ہیں جو تشبیب کو مدح سے ملاتے ہیں۔

۳۔مدح: یہ وہ حصّہ ہے جس کی خاطر شاعر قصیدہ لکھتا ہے۔ اس حصّے میں شاعر اپنے ممدوح کی خوب تعریف وتوصیف کرتا ہے اور اپنی فصاحت وبلاغت اور زبان دانی کے دریا بہا دیتا ہے۔

۴۔دعا: یہ قصیدے کا آخری حصّہ ہے، اس میں شاعر اپنے ممدوح کو دعا دیتا ہے اور بعض اوقات حسنِ گفتار کے ذریعے اپنا صِلہ بھی طلب کرتا ہے مثلاً: مرزا غالب کے قصیدے کے یہ دعائیہ اشعار دیکھیے:

ختم کرتا ہوں اب دعا پہ کلام　　شاعری سے نہیں مجھے سروکار
تم سلامت رہو ہزار برس　　ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

اردو قصیدہ گوئی کے حوالے سے مرزا محمد رفیع سودا، شیخ ابراہیم ذوق اور اسد اللہ خاں غالب کے نام خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

غزل

غزل کے لغوی معنی عورتوں سے باتیں کرنا یا عورتوں کے حسن و جمال کی تعریف کرنا کے ہیں۔ ایک روایت یہ بھی ہے جب غزال (ملکِ عرب کا آہو) کو شکاری کتّے دبوچنے کو ہوں تو اس کے مُنھ سے جو دردناک چیخ نکلتی ہے، اسے غزل کہتے ہیں۔ گویا غزل میں عشق ومحبت اور سوز ودرد کا بہت نمایاں ہونا ضروری ہے۔ مرزا غالب کی ایک معروف غزل کے دو شعر ملاحظہ ہوں:

کوئی امید بر نہیں آتی　　کوئی صورت نظر نہیں آتی
موت کا ایک دن معیّن ہے　　نیند کیوں رات بھر نہیں آتی

مرثیہ

مرثیہ عربی زبان کے لفظ رثا سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں غم والم کے انداز میں کسی مرنے والے کا ذکرِ خیر کرنا اور اس کے

اوصاف بیان کرنا۔ اردو ادب میں سب سے زیادہ مرثیہ شہیدانِ کربلا کے حوالے سے لکھا گیا ہے۔ اس حوالے سے شہدائے کربلا کے مناقب اور مصائب بیان کرنے میں خلیق وضمیر اور انیس و دبیر نے بہت شہرت پائی اور لازوال رثائی ادب یادگار چھوڑا۔

پیاسی جو تھی سپاہِ خدا تین رات کی ساحل سے سر پٹکتی تھیں موجیں فرات کی (میر انیس)

مذکورہ شعرا کے علاوہ مرزا غالب، مولانا حالی، علامہ اقبال، جوش ملیح آبادی، حفیظ جالندھری، افتخار عارف، محسن نقوی اور وحید الحسن ہاشمی وغیرہ نے بھی اس صنف میں مقبولیت حاصل کی ہے۔ سانحہ کربلا کے حوالے سے مرثیہ کے درج ذیل اجزائے ترکیبی ہیں:

- چہرہ
- سراپا
- رخصت
- آمد
- رجز
- جنگ
- شہادت
- بین
- دعا

مرثیہ کی اقسام: مرثیے کی عموماً چار اقسام بیان کی جاتی ہیں جن میں 1۔ رسمی مرثیہ 2۔ قومی مرثیہ 3۔ شخصی مرثیہ 4۔ مذہبی مرثیہ شامل ہیں۔
علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے معروف شخصی مرثیے "والدہ مرحومہ کی یاد میں" سے یہ دو شعر ملاحظہ کیجیے:

کس کو ہوگا اب وطن میں آہ! میرا انتظار کون میرا خط نہ آنے سے رہے گا بے قرار
خاکِ مرقد پر تری لے کر یہ فریاد آؤں گا اب دعائے نیم شب میں کس کو میں یاد آؤں گا!

مثنوی

مثنوی اردو کی ایک مقبول صنفِ نظم ہے۔ مثنوی میں ہر شعر کے دونوں مصرعے آپس میں ہم قافیہ اور ہم ردیف ہوتے ہیں اور تمام شعر ایک دوسرے سے جداگانہ قافیہ و ردیف رکھتے ہیں۔ مسلسل قافیے کی عدم پابندی کی وجہ سے اس صنف میں لمبے چوڑے تاریخی واقعات اور طویل قصے کہانیاں سہولت کے ساتھ نظم کیے جا سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ فارسی اور اردو میں بعض مثنویوں کے اشعار کی تعداد سیکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں تک ہے۔ مولانا حالی کے نزدیک مثنوی سب سے کارآمد صنفِ نظم ہے۔ اردو ادب میں دیاشنکر نسیم، میر حسن، میر تقی میر، میر اثر اور مرزا شوق معروف مثنوی نگار ہیں۔ ہمارے قومی شاعر علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس صنف کو برتا ہے۔ ان کی معروف نظم 'ساقی نامہ' مثنوی کی ہیئت میں ہے۔ چند شعر ملاحظہ کیجیے:

شرابِ کہن پھر پلا ساقیا! وہی جام گردش میں لا ساقیا!
مجھے عشق کے پر لگا کر اڑا مری خاک جگنو بنا کر اڑا
خرد کو غلامی سے آزاد کر جوانوں کو پیروں کا استاد کر

رباعی

رباعی عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی چار کے ہیں۔ رباعی سے مراد ایسی صنفِ شاعری ہے جس کے چار مصرعوں میں ایک مکمل مضمون بیان کیا جائے۔ بالعموم رباعی کا پہلا، دوسرا اور چوتھا مصرع ہم قافیہ و ہم ردیف ہوتے ہیں۔ اگر چاروں مصرعے بھی ہم قافیہ و ہم ردیف ہو جائیں تو اس کی بھی ممانعت نہیں ہے۔ رباعی کے چوبیس خاص اوزان ہیں۔ رباعی میں عاشقانہ جذبات اور صوفیانہ خیالات کے ساتھ ساتھ واقعاتِ کربلا اور واقعاتِ کربلا کی مدد سے اہلِ بیت کی مدحت، صبر و استغنا، عزم و استقلال، اخوت و بردباری، وفاداری و جاں سپاری، ایثار و قربانی، حق پرستی و راست بازی، صداقت و امانت، عجز و انکسار اور ظلم و شقاوت کی مذمت کے موضوعات رباعی میں شامل ہیں۔ اس طرح رباعی اصنافِ سخن میں نہ صرف بڑی موقر و ممتاز اور باوقار شمار ہوتی ہے بلکہ اخلاقی شاعری کا سب سے عمدہ نمونہ اور اخلاقی شاعری کی ترجمان سمجھی جاتی ہے۔ یہ دو رباعیاں ملاحظہ کیجیے:

گلشن میں صبا کو جُستجو تیری ہے　　بلبل کی زباں پہ گُفت گُو تیری ہے
ہر رنگ میں جلوہ ہے تیری قدرت کا　　جس پھول کو سونگھتا ہوں، بُو تیری ہے　　(میرانیس)

جوانوں کو مری آہ سحر دے　　پھر ان شاہیں بچوں کو بال و پر دے
خدایا آرزو میری یہی ہے　　مرا نورِ بصیرت عام کر دے　　(علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

قطعہ

قطعہ کے لغوی معنی ٹکڑا یا جزو یا کاٹا ہوا کے ہیں۔ اصطلاحِ شعر میں دو یا دو سے زیادہ شعروں کو جو موضوع کے اعتبار سے ایک دوسرے سے متعلق ہوں، قطعہ کہتے ہیں۔ قطعہ دو شعروں سے کم کا نہیں ہوتا اور زیادہ کی کوئی حد مقرر نہیں مگر قطعہ میں بالعموم مطلع نہیں ہوتا بلکہ قطعہ کے پہلے مصرعے میں قافیہ نہ لانا معیوب نہیں سمجھا جاتا۔ قطعہ کو قطعہ اس واسطے کہتے ہیں کہ وہ مطلع کو چھوڑ کر قصیدے یا غزل کا ٹکڑا بھی ہوسکتا ہے۔ یہ دو قطعے ملاحظہ کیجیے:

کل پاؤں ایک کاسۂ سر پر جو آ گیا　　یکسر وہ استخوان شکستوں سے چور تھا
کہنے لگا کہ دیکھ کے چل راہ بے خبر　　میں بھی کبھو کسو کا سرِ پُر غرور تھا
(میر تقی میر)

پھاوڑا کندھے پہ رکھے آ رہا ہے اک کسان　　رنگ جس کے خون سے لیتے ہیں گلزاروں کے پھول
دل میں جینے کی تمنائیں ، فضا ناساز گار　　آنکھ میں سُرخی ، لبوں پہ پپڑیاں ، نتھنوں میں دُھول
(احسان دانش)

مخمس

مخمس عربی زبان کا لفظ ہے جو ''خُمس'' سے نکلا ہے۔ خمس کے معنی پانچ کے ہیں۔ اصطلاح میں مخمس ایسی نظم کو کہتے ہیں جس کا ہر بند پانچ مصرعوں پر مشتمل ہو۔ مخمس میں چار مصرعے ہم قافیہ اور پانچواں مصرع مختلف ہوتا ہے۔ اس صنف کو بہت سے شعرا نے اپنی شاعری میں برتا ہے۔ نظیر اکبر آبادی کی نظمیں: آدمی نامہ، برسات کی بہاریں، مفلسی اور علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی نظم: روحِ ارضی آدم کا استقبال کرتی ہے وغیرہ مخمس کی عمدہ مثالیں ہیں۔ ''مفلسی'' کا پہلا بند ملاحظہ کیجیے:

جب آدمی کے حال پہ آتی ہے مفلسی　　کس کس طرح سے اس کو ستاتی ہے مفلسی
پیاسا تمام روز بٹھاتی ہے مفلسی　　بھوکا تمام رات سلاتی ہے مفلسی
یہ دکھ وہ جانے جس پہ کہ آتی ہے مفلسی

(نظیر اکبر آبادی)

مسدّس

مسدّس عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی چھے کے ہیں مگر اصطلاح میں مسدس سے مراد ایسی نظم ہے جس کا ہر بند چھے مصرعوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس صنف کے پہلے چار مصرعے ہم قافیہ و ہم ردیف ہوتے ہیں جب کہ پانچواں اور چھٹا مصرع الگ قافیے کے حامل ہوتے ہیں۔ کلاسیکی دورِ شاعری سے لے کر جدید دورِ شاعری تک اردو کے بڑے بڑے شاعروں نے اس صنف کو بہت استعمال کیا ہے اور اس صنف میں تمام طرح کے مضامین بیان کیے ہیں۔ نظیر اکبر آبادی کی بیشتر زبان زدِ خاص و عام نظمیں ''آدمی نامہ''، ''تندرستی''، ''بڑھاپے کی سواری'' اور ''دنیا دارالمکافات ہے'' وغیرہ اسی ہیئت میں لکھی گئی ہیں۔ مولانا حالی کی معرف نظم ''مدّ و جزرِ اسلام'' مسدس کی ہیئت میں ہے۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی شہرہ آفاق نظمیں ''شکوہ'' اور ''جوابِ شکوہ'' بھی مسدس کی ہیئت میں ہیں۔ میر انیس اور مرزا دبیر نے اپنے مرثیوں کے لیے بھی اسی ہیئت کو پسند کیا ہے بلکہ میر انیس کے بعد بھی تمام مرثیہ نگاروں کو مسدس کی ہیئت ہی مرغوب رہی ہے۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی نظم ''شکوہ'' کا یہ بند، جو شاید سب طلبہ کو ازبر ہوگا، ملاحظہ کیجیے:

آ گیا عین لڑائی میں اگر وقتِ نماز　　قبلہ رو ہو کے زمیں بوس ہوئی قومِ حجاز
ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز　　نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز
بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے
تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

آزاد نظم

جیسا کہ نام ہی سے ظاہر ہے، آزاد نظم قافیہ ردیف کی پابندی سے آزاد ہوتی ہے۔ اسے انگریزی میں Free Verse کہتے ہیں۔ انگریزی میں اس کا رواج زمانۂ قدیم ہی سے ہے جب کہ انگریزی زبان کی دیکھا دیکھی دورِ جدید میں اس نے اردو میں بھی اپنے قدم مضبوطی سے جما لیے ہیں۔

آزاد نظم میں ایک ہی بحر ہوتی ہے مگر بحر کے ارکان کی تقسیم شاعر کی مرضی پر منحصر ہے۔ بعض اوقات ایک رکن دو مصرعوں میں تقسیم ہو جاتا ہے، اس طرح کوئی مصرع چھوٹا اور کوئی بڑا ہوتا ہے۔ بعض شعرا صوتی تاثرات کا خیال رکھتے ہوئے اپنی نظم کے کچھ مصرعوں میں قافیے اور ردیف کا بھی اہتمام کر لیتے ہیں۔

آزاد نظم کی سب سے بڑی خوبی رفعتِ تخیّل ہے۔ اگر نظم میں فکر و خیال کی بلندی اور جدّت نہیں تو پھر اس صنف میں طبع آزمائی کرنا بھی بیکار اور لاحاصل ہے۔ مجید امجد کی نظم ''آٹو گراف'' کا آخری حصّہ ملاحظہ کیجیے:

میں اجنبی، میں بے نشاں
میں پا بہ گِل
نہ رفعتِ مقام ہے، نہ شہرتِ دوام ہے
یہ لوحِ دل ، یہ لوحِ دل
نہ اس پہ کوئی نقش ہے، نہ اس پہ کوئی نام ہے

ترکیب بند / ترجیع بند

ایسی نظم جس کے ہر بند میں مسلسل چھے سے آٹھ شعر ہوتے ہیں۔ آخری شعر کے علاوہ ہر بند کے تمام اشعار پہلے شعر کے مطابق ہم قافیہ و ہم ردیف ہوتے ہیں، ترکیب بند کہلاتی ہے۔ ایک ہی شعر یا ایک ہی مصرع اگر ہر بند کے آخری شعر میں تکرار کے ساتھ یعنی بار بار آئے تو ایسی نظم ترجیع بند کہلائے گی۔

معریٰ نظم

ایسی نظم جس میں بحر اور ارکانِ بحر کی تو پابندی ہو لیکن قافیہ و ردیف کی پابندی نہ کی جائے۔

سانیٹ

یہ صنف انگریزی شعری ادب سے اردو میں آئی۔ سانیٹ چودہ اشعار پر مشتمل ہوتی ہے۔ اس میں قوافی کی ترتیب بدلتی رہتی ہے۔ اس نظم میں دو بند ہوتے ہیں۔ عام طور پر پہلا بند آٹھ اور دوسرا چھے اشعار پر مشتمل ہوتا ہے۔ شاعر پہلے بند میں اپنے بنیادی جذبے یا خیال کو پھیلاتا ہے اور دوسرے بند میں مضمون مکمل کرتا ہے۔

ہائیکو

ہائیکو صرف تین مصرعوں پر مشتمل ہوتی ہے اور ایسی جاپانی صنف نظم ہے جو مکمل طور پر فطرت نگاری کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ یہ صنف پنجابی ماہیے کے بہت قریب کی چیز ہے اور اردو میں بھی روز بروز مقبول ہوتی جا رہی ہے۔ ایک مثال ملاحظہ ہو:

رات کے پچھلے پہر چپکے سے
ایک تصویر مجھ سے کہتی ہے
اب تو اختر شمار سو جاؤ　　　　(ڈاکٹر اختر شمار)

(ب) اصنافِ نثر

اصنافِ نثر کی معروف اقسام میں داستان، ناول، افسانہ،، ڈراما، سوانح عمری، خودنوشت، خاکہ، سفرنامہ، مکتوب نگاری اور مضمون نویسی شامل ہیں۔ ذیل میں ان سب کا حال اختصار کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے:

داستان

سنانے اور کہنے کی چیز کو کہانی کہتے ہیں۔ کہانی کا مترادف لفظ قصّہ یا حکایت ہے۔ داستان قصّے کہانی کی قدیم ترین قسم ہے۔ کسی زمانے میں قصّہ خوانی یا داستان گوئی باضابطہ ایک فن ہوا کرتا تھا جو عربی اور فارسی سے اردو میں منتقل ہوا۔ برِعظیم میں اس کا آغاز دکنی دور سے ہوا جو از اں بعد برِعظیم کے طول و عرض میں پھیل گیا۔ بڑے بڑے شہروں اور دیہاتوں میں داستان سننے سنانے کے لیے باقاعدہ جگہیں اور وقت مقرر ہوا کرتے تھے، جہاں لوگ کشاں کشاں آتے اور بڑے انہماک سے داستان سنتے تھے کچھ قدیم شہروں خصوصاً حیدر آباد (دکن)، دلّی، لکھنؤ اور لاہور وغیرہ میں ایسی جگہوں کی نشان دہی آج بھی بآسانی کی جاسکتی ہے۔ انشاءاللہ خاں انشا کے اس شعر میں پنجاب کی دھرتی کی مشہور لوک داستان کا ذکر موجود ہے، وہ لکھتے ہیں:

کہانی ایک سنائی جو ہیر رانجھا کی
تو اہلِ درد کو پنجابیوں نے لُوٹ لیا

پشاور کا قصّہ خوانی بازار آج بھی اسی زمانے کی یادگار ہے۔ اردو میں داستان نویسی کا دور تقریباً ایک صدی تک قائم رہا۔ قدیم داستانیں اپنی گوناگوں خوبیوں کی بدولت نہ صرف انتہائی دل چسپ ہوا کرتی تھیں بلکہ یہ اخلاقی اقدار اور زبان کے اعتبار سے بھی خوب صورت مرقعے تھے مگر وقت گزرنے کے ساتھ اس صنف کا چلن کم ہوتا گیا اور جدید اصناف نے اپنے لیے جگہ بنالی۔ داستان جیسی دل چسپ صنف کے بارے میں ثاقب لکھنوی کا یہ شعر لائقِ توجہ ہے:

زمانہ بڑے شوق سے سُن رہا تھا
ہمیں سو گئے داستاں کہتے کہتے

❁

ناول

ناول (Novel) انگریزی کا لفظ ہے جو اطالوی زبان سے ماخوذ ہے۔ ناول کے معنی ''نیا، انوکھا یا اچھوتا'' کے ہیں مگر ادب کی اصطلاح میں ناول سے مراد وہ قصّہ لیا جاتا ہے جس میں واقعات خلافِ قیاس نہ ہوں۔ داستان کے برعکس ناول کی بنیاد حقیقت اور فطرت پر اٹھائی جاتی ہے اور فرضی، خیالی اور مافوق الفطرت باتوں سے اجتناب کیا جاتا ہے۔ ناول کا موضوع ''انسان'' ہے۔ آج کا انسان طرح طرح کے حالات وواقعات سے دو چار ہوتا اور متنوع مسائل میں گھرا ہوا ہے۔ ناول ان سب موضوعات کا احاطہ کرتا ہے۔ گویا ناول نے انسان کو تخیّل اور تصوّر کی دنیا سے نکال کر حقیقت کی دنیا میں قدم رکھنا سکھایا۔ اس بنا پر ناول کو کئی قسموں میں تقسیم کیا جاتا ہے جن میں سے اہم مندرجہ ذیل ہیں:

اصلاحی ناول، سماجی ناول، سیاسی ناول، تاریخی ناول، مہمّاتی ناول، جاسوسی ناول، نظریاتی ناول۔

مربوط قصّہ ناول کی بنیاد ہے جب کہ سلاست اور روانی ناول کی ضرورت ہوتی ہے۔ قصّے کی مختلف کڑیوں کو کسی خاص ترتیب سے جوڑنے کا نام پلاٹ ہے۔ ناول کی کہانی کو مختلف کرداروں کے ذریعے بڑھایا جاتا ہے۔ یہ تمام کردار جس مرکزی کردار کے گرد گھومتے ہیں اس کو ہیرو (Hero) کا نام دیا جاتا ہے۔ ناول نگاری میں اسلوب کی بھی بہت اہمیت ہے اور کرداروں کے مابین مکالموں اور منظر نگاری سے بھی کام لیا جاتا ہے لیکن بہر کیف ناول کسی مقصد کے تحت لکھا جاتا ہے۔

ڈپٹی نذیر احمد کو اردو کا سب سے پہلا ناول نگار اور ان کے ناول ''مرأۃ العروس'' کو پہلا ناول تسلیم کیا جاتا ہے۔

❁

افسانہ

افسانہ ایک ایسی مختصر تحریر کا نام ہے جس میں کسی واقعے، کردار یا لمحے کی جھلک دکھائی جاتی ہے۔ اردو زبان میں افسانہ انگریزی ادب کے اثر سے آیا۔ مغربی زبانوں میں افسانے سے پہلے طویل قصّے کہانیاں اور ناول لکھنے کا رواج تھا مگر جوں جوں انسان عدیم الفرصت ہوتا گیا تو کسی ایسی صنفِ ادب کی ضرورت محسوس ہوئی جو کم سے کم وقت میں پڑھنے والے کو مسرّت اور تسکین کے لمحات میسّر کر سکے، چناں چہ افسانہ لکھا جانے لگا، جس کے اثرات ہندوستان میں بھی تخلیق کیے جانے والے ادب پر بھی پڑے۔

جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، اختصار افسانے کی سب سے بڑی خصوصیت ہے یعنی افسانے میں بیان ہونے والی کہانی اتنی مختصر ہونی چاہیے کہ اسے ایک ہی نشست میں بخوبی پڑھا جا سکے، اس لیے وحدتِ تاثر اس کا بنیادی عُنصر ہے اور اس میں مرکزی خیال کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔

ناول کی طرح افسانے میں بھی اسلوبِ بیان، کردار نگاری اور مکالمہ نویسی بہت اہم سمجھے جاتے ہیں۔ ناول اور افسانے میں فرق یہ ہے کہ ناول نگار قاری کے لیے کوئی گوشہ تشنہ نہیں چھوڑتا اور اس میں پوری تفصیل بیان ہوتی ہے مگر اب زمانہ اور ہے، پڑھنے والے بھی تیز ہیں، وہ کچھ کڑیاں خود ملا لیتے ہیں، چناں چہ افسانے میں جا بجا ٹکڑے نظر آ سکتے ہیں، جنھیں ایک اچھا قاری خود ملا لیتا ہے۔ افسانہ نگار کا کمال یہ ہے کہ وہ کم از کم الفاظ کا استعمال کرے اور الفاظ سے زیادہ جذبات سے اپنے افسانے کو نمایاں کرے۔ آج اردو افسانے کو عالمی ادب میں ایک باوقار مقام اور اونچا مرتبہ حاصل ہے، یہاں تک کہ ان لکھنے والوں میں سے بعض کے افسانوں کو دنیا کے بہترین افسانوں کے موازنے میں بخوبی رکھا جا سکتا ہے۔

ڈراما

لفظ ''ڈراما'' یونانی لفظ ڈراؤ (Drao) سے مشتق ہے جس کے معنی ''عمل کر کے دکھانا'' کے ہیں لیکن ادب کی اصطلاح میں ڈراما ایسی صنفِ ادب ہے جس میں ایک مکمل کہانی ہوتی ہے جو کرداروں کی حرکات و سکنات اور مکالموں کے ذریعے سٹیج پر پیش کی جاتی ہے، اسی لیے ارسطو نے اسے کسی ایسے عمل کی نقالی سے تعبیر کیا ہے جو مکمل ہو۔ ڈرامے کے اجزا میں نہ صرف کہانی، پلاٹ، کردار اور مکالمے اہمیت کے حامل ہیں بلکہ اس کے لیے سٹیج، پس منظر، موسیقی اور کرداروں کا عمل بھی اتنا ہی اہم ہے کیوں کہ ان باتوں کا تعلق براہِ راست ڈرامے کی پیش کش سے ہے۔ تاثر کے اعتبار سے ڈرامے کو دو حصّوں میں تقسیم کیا جاتا ہے:

۱۔ **المیّہ (Tragedy)** ڈرامے کی اس قسم میں کہانی دردناک واقعات سے تشکیل پاتی ہے اور اندوہ ناک صورتِ حال کی تصویر کشی سے رحم اور دردمندی کے جذبات کو اُبھارا جاتا ہے۔

۲۔ **طربیّہ (Comedy)** یہ انوکھے اور خوش گوار واقعات سے ترتیب دیا گیا ڈراما ہوتا ہے جس کا عمومی مقصد تفننِ طبع اور تفریح

ہوتا ہے۔ کہیں کہیں اس میں ایسا طنزیہ انداز بھی اختیار کیا جاتا ہے، جس سے انسانی زندگی میں اصلاح یا خامی کی نشان دہی مقصود ہوتی ہے۔

ڈرامے کا بنیادی عُنصر کہانی ہے۔ اسی کا تانا بانا ڈرامے کا پلاٹ ہے۔ منطقی طور پر کہانی میں جس قدر باطنی و معنوی ربط ہوگا، اسی قدر کہانی اچھا تاثر دے گی۔ ڈراما کے سلسلے میں اہم ترین نام آغا حشر کاشمیری کا ہے۔ آغا حشر کے بعد جن ڈراما نگاروں نے اس صنف میں نام پیدا کیا، ان میں سید امتیاز علی تاج اپنے ڈرامے ''انارکلی'' اور حکیم احمد شجاع ''باپ کا گناہ'' کی بنا پر بڑے مشہور ہوئے۔ میرزا ادیب نے اردو ڈرامے کے ذخیرے میں اہم اضافہ کیا ہے۔ ان کے علاوہ سعادت حسن منٹو، آغا بابر، رفیع پیرزادہ،، اشفاق احمد، بانو قدسیہ، انتظار حسین، خواجہ معین الدین، کمال احمد رضوی، امجد اسلام امجد، حسینہ معین، یونس جاوید اور اصغر ندیم سید ممتاز ڈراما نگار ہیں۔ ہمارے ہاں سٹیج ڈراموں کی حالت تو شاید اتنی اچھی نہیں مگر ٹی وی ڈراموں کو آج بھی ہر جگہ قدر کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔

خاکہ

خاکہ کے لغوی معنی ابتدائی نقشہ یا ڈھانچا کے ہیں۔ خاکے سے مراد کسی شخص کی لفظی تصویر کشی ہے۔ خاکے کو شخصی مرقّع یا شخصیت نگاری بھی کہتے ہیں۔ خاکہ نگار کو خاکے کا موضوع بننے والی شخصیت کے مزاج سے مکمل آگاہی ہونی چاہیے۔ بنیادی طور پر خاکہ اختصار، جامعیت اور دل آویز زبان و بیان کا حامل ہونا چاہیے۔ اردو کے پہلے خاکہ نگار مرزا فرحت اللہ بیگ ہیں، جنھوں نے اپنے استاد ڈپٹی نذیر احمد کا لاجواب خاکہ لکھا ہے۔ خاکہ نگاری کے ضمن میں مولوی عبدالحق، مولانا عبدالمجید سالک، چراغ حسن حسرت، رشید احمد صدیقی اور اشرف صبوحی کے نام اہم ہیں۔ نئے خاکہ نگاروں میں افضل علوی، ڈاکٹر مظہر محمود شیرانی، ڈاکٹر علی محمد خاں، ڈاکٹر اشفاق احمد ورک، ڈاکٹر یونس بٹ اور گُلِ نوخیز اختر شامل اور مقبول ہیں۔

سفر نامہ

سفر نامہ دراصل روداد کی ایسی قسم ہے جس میں مصنف اپنے سفر و سیاحت کا حال مفصّل بیان کرتا ہے۔ سفر نامے میں اس کے ذاتی مشاہدات اور تجربات شامل ہوتے ہیں۔ سفر نامے لکھتے وقت مصنف کے اسلوب میں جدت اور دل کشی ہونی چاہیے۔ اردو زبان میں یوسف حسین خاں کمبل پوش کا سفر نامہ ''عجائباتِ فرنگ'' پہلا سفر نامہ ہے۔ مولانا شبلی نعمانی، محمود نظامی، بیگم اختر ریاض الدین، ابنِ انشا، عطاالحق قاسمی اور مستنصر حسین تارڑ کے سفر نامے بھی قابلِ تعریف ہیں۔

مضمون

کسی خاص موضوع پر بحث کو احاطۂ تحریر میں لانا مضمون نویسی کہلاتا ہے۔ مضمون ایک ایسی تحریر ہے جس میں زندگی کے کسی بھی شعبے سے متعلق کسی بھی موضوع پر اپنے خیالات و جذبات کا اظہار کیا جاتا ہے۔ مضمون کی بالعموم ایک خاص ترتیب ہوتی ہے۔ سب سے

پہلے زیرِ بحث موضوع کا تعارف کرایا جاتا ہے اور پھر اس کے بارے میں معلومات پیش کرنے کے بعد نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے۔

مضمون قدرے مختصر مگر جامع ہونا چاہیے چوں کہ روز مرہ بول چال کی زبان سب سے عمدہ تحریر ہوتی ہے اس لیے مضمون نگار کو چاہیے کہ وہ روز مرہ سے قریب رہ کر حتی الامکان شگفتہ اور رواں زبان استعمال کرے۔ مضمون نگار کے لیے موضوع کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے کیوں کہ اگر مضمون نگار موضع سے منسلک نہ رہے گا یا خیالات کی ترتیب کو گڈ مڈ کر دے گا تو اس کا مضمون اچھا تاثر پیش نہیں کرے گا۔

اردو ادب میں مضمون نگاری کی روایت میں سر سیّد احمد خاں، ڈپٹی نذیر احمد، محمد حسین آزاد، ذکاء اللہ، الطاف حسین حالی، محسن الملک، وقار الملک، چراغ علی، عبدالحلیم شرر، میر ناصر علی، حافظ محمود شیرانی، مہدی افادی، رشید احمد صدیقی، وحید الدین سلیم وغیرہ کے نام آتے ہیں۔

آپ بیتی

آپ بیتی سے مراد ہے ان حالات، واقعات اور کیفیات کا بیان جن سے کوئی شخص خود گزر را ہو۔ اپنی ذاتی زندگی کے احوال و واقعات کا ایسا بیان آپ بیتی یا خود نوشت کہلاتا ہے جس میں مصنّف کی داخلی کیفیات اور احساسات بھی شامل ہوتے ہیں۔ زندگی کا غیر جانب دارانہ جائزہ اور متاثر کن اسلوب، ایک اچھی آپ بیتی کی خصوصیات ہیں۔ اردو آپ بیتی آغاز علامہ جعفر تھانیسری کی خود نوشت ''کالا پانی'' سے ہوا۔ اردو زبان و ادب کے حوالے سے مولانا حسرت موہانی کی ''قیدِ فرنگ'' ایک بہترین خود نوشت ہے۔ دیوان سنگھ مفتون کی ''نا قابلِ فراموش''، جوش ملیح آبادی کی ''یادوں کی برات''، احسان دانش کی ''جہانِ دانش'' اور قدرت اللہ شہاب کی ''شہاب نامہ'' جیسی تحریریں بھی اردو ادب کا سرمایہ ہیں۔

سوانح عمری

نوعیت کے لحاظ سے سوانح عمری اور آپ بیتی ایک جیسی صنفِ نثر ہے۔ فرق صرف اتنا ہے آپ بیتی اپنی ذاتی زندگی کی ترجمانی اور کہانی ہے جب کہ سوانح عمری کسی دوسرے شخص کی۔ سوانح عمری کے لیے وہی اسلوب درکار ہے جو آپ بیتی کے لیے ہوتا ہے۔ سوانح نگاری کی اضافی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ غیر جانب داری کا مظاہرہ کرے اپنے جذبات سے شخصِ مخصوص کی نہ تو بلا وجہ کی مداحی کرے اور نہ ہی اس کی تذلیل کرے۔ مولانا حالی کی حیاتِ جاوید، یادگارِ غالب، حیاتِ سعدی اور مولانا شبلی نعمانی کی الفاروق رضی اللہ عنہ، المامون، الغزالی رحمۃ اللہ علیہ اور سوانح مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ اردو کی مشہور سوانح عمریاں ہیں۔

تلخیص نگاری

تلخیص عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی خلاصہ، خلاصہ کرنا، خالص بنانا، مختصر کرنا، چناؤ اور پاک صاف کرنا کے ہیں۔ نگاری فارسی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں تحریری رنگ آمیزی، زینت، زیبائش اور کتابت وغیرہ۔ اردو میں یہ لفظ بطور لاحقہ مستعمل ہے، جیسے: مضمون نگاری، تبصرہ نگاری، نامہ نگاری وغیرہ۔ تلخیص نگاری سے مراد ہے کسی اقتباس کو اختصار اور جامعیت سے لکھنا، کسی اقتباس یا عبارت کا خلاصہ یوں بیان کرنا کہ اس کے تمام غیر ضروری الفاظ و تراکیب کی جگہ مختصر اور جامع الفاظ اس کا اصل ظاہر کریں۔ تلخیص نگاری سے عبارت کا اصل جوہر منظرِ عام پر لایا جاتا ہے۔

خلاصہ اگرچہ اصل مضمون، اصل دستاویز یا اصل متن کا نعم البدل نہیں ہوتا تاہم محدود وقت میں معلومات کے حصول کا بہترین ذریعہ ہے۔ یہ خاص مقاصد کے حصول کے لیے تخلیق کیا جاتا ہے۔ مختصر اور جامع الفاظ قاری کو کسی مضمون کی وسعت یا متن کی طوالت سے اکتاہٹ کا شکار نہیں ہونے دیتے اور وہ تحریر کا لبِ لباب بآسانی سمجھ پاتا ہے اور فیصلہ کرتا ہے کہ اصل تحریر کا مطالعہ اس کے لیے ضروری ہے یا نہیں۔ تلخیص نگاری سے تحریر و تقریر میں غیر ضروری طوالت سے احتراز ممکن ہوتا ہے۔ اس سے ایک طرف بیان کے مقصد کی تحصیل آسان ہوتی ہے اور دوسری طرف وقت کی بچت بھی۔ عطش درانی لکھتے ہیں:

> ”تلخیص کسی عبارت کو کم از کم الفاظ میں اس طرح لکھنا کہ اس عبارت کا تأثر برقرار رہے اور کوئی بات محلِ نظر نہ ہو، تلخیص نگاری کہلاتی ہے۔“

تلخیص نگاری کے لیے چند اہم ہدایات:

۱۔ تلخیص اصل عبارت کی ایک تہائی تک محدود رکھیے۔
۲۔ تلخیص میں عبارت کے اصل نکات ضرور درج کریں۔
۳۔ تلخیص ایک جامع پیراگراف میں لکھیے۔
۴۔ مکالمانہ انداز کو بیانیہ میں بدلنا چاہیے۔
۵۔ غیر ضروری تراکیب، مترادفات، تشبیہات وغیرہ سے گریز کریں۔
۶۔ عبارت کا مناسب عنوان تجویز کریں۔

نمونۂ تلخیص

(۱)

درختوں کی بہتات ہوا میں موجود آبی بخارات میں اضافے کا باعث بنتی ہے اور بارش کے ذریعے فضائی آلودگی کو کم کرنے میں اہم کردار انجام دیتی ہے۔ اس کے علاوہ درختوں کی وجہ سے زمینی اور صوتی آلودگی بھی کم ہوتی ہے۔ وہ علاقے جہاں سیم اور تھور زیادہ ہو، وہاں درخت زمین سے پانی جذب کر کے زیرِ زمین پانی کی مقدار کو کم کر دیتے ہیں۔ اس طرح پانی کی سطح نیچے چلی جاتی ہے اور زمین قابلِ کاشت بن جاتی ہے۔ پھل دار درخت اور پھول دار پودے مناظرِ فطرت کو پرکشش بناتے ہیں۔ سبزہ مال مویشیوں کی

خوراک بنتا ہے۔درختوں کی وجہ سے فرنیچر، ریشم اور گتہ سازی جیسی صنعتیں فروغ پاتی ہیں۔درخت نہ صرف ہمارے بہترین دوست ہیں بلکہ ان پر چڑیا اور فاختہ جیسے بے شمار پرندے گھونسلے بناتے، پرورش پاتے اور چہچہاتے ہیں،اس لیے انھیں بلا وجہ ایندھن کی نذر نہیں کرنا چاہیے۔

مجوّزہ عنوان: درخت ایک نعمت

تلخیص: درختوں کی پیدا کردہ نمی بارشوں کا سبب بنتی ہے۔ان کی بہتات زمینی،صوتی اور فضائی آلودگی کو کم کرتی ہے۔درخت زمین کو زرخیز بناتے اور ماحول کو سجاتے ہیں۔ان سے لکڑی کی صنعت فروغ پاتی ہے۔انسانوں اور پرندوں کے یہ دوست ایندھن کی نذر نہیں ہونے چاہییں۔

(۲)

اخلاقی لحاظ سے بلاضرورت کسی کے آگے ہاتھ پھیلانا اور بھیک مانگنا نہایت بُرا فعل ہے۔ ہمارے معاشرے میں آج کل گداگری ایک پیشے کی صورت اختیار کر چکی ہے۔ ہمارے ملک کے چھوٹے بڑے شہر، قصبے اور دیہات بھی اس کا شکار ہو چکے ہیں۔ مختلف قومی اور مذہبی تہواروں کے موقع پر گداگروں کی قطاریں لگی نظر آتی ہیں۔گلی محلوں میں بھیک مانگنے والے گداگروں کے انداز بہت عجیب ہوتے ہیں۔کوئی اونچی آواز میں التجا کرتا ہے تو کوئی دعائیں دیتا ہے اور کوئی مُترنّم صدائیں دیتا نظر آتا ہے۔معذور لوگوں کے ساتھ صحت مند مرد و خواتین جگہ جگہ بھیک مانگتے نظر آتے ہیں۔معروف اور مصروف شاہراہیں ہوں یا چوک چوراہے، بھکاریوں کی طرح طرح کی اداکاری اور انداز ہر کسی کو سوچنے پر مجبور کر دیتا ہے کہ آخر ہمارا معاشرہ کس طرف کو جا رہا ہے؟

مجوّزہ عنوان: گداگری ایک سماجی مسئلہ

تلخیص: گداگری جیسا برا فعل پیشے کی صورت اختیار کر گیا ہے۔ ہمارے ملک میں ہر تہوار پر ہر جگہ گداگروں کی کثرت نظر آتی ہے۔گلیوں اور شاہراہوں پر معذوروں کے ساتھ تندرست لوگ بھیک کے لیے ہمہ اقسام صدائیں دیتے اور فکر انگیز اداکاری کرتے نظر آتے ہیں۔

مشقی عبارات

۱

ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں دو قسم کی قومیں ہیں۔ایک وہ جس نے اپنے باپ دادا کو درجۂ کمال تک پہنچا ہوا نا قابلِ سہو و خطا سمجھ کر ان کے علوم وفنون اور طریقۂ معاشرت کو کامل سمجھا اور اس کی پیروی پر جمی رہی اور اس کی بہتری اور ترقی پر اور نئی چیزوں کے اخذ و ایجاد پر کچھ کوشش نہیں کی۔ دوسری قوم نے کسی کو کامل نہیں سمجھا اور ہمیشہ ترقی میں نئے نئے علوم وفنون اور طریقۂ معاشرت کے ایجاد میں کوشش

کرتی رہی۔اب دیکھ لو کہ ان دونوں قوموں میں کیا فرق ہے۔کون ترقی اور کون تنزل کی حالت میں ہے۔

۲

سرسید نے اپنے خیالات کے ظاہر کرنے میں بناوٹ اور تصنّع کو کبھی دخل نہیں دیا۔جس سادگی اور بے تکلفی کے ساتھ ابتدا میں مطلب نگاری شروع کی تھی، غدر کے زمانے تک جو کہ تقریباً بیس برس کا ہوتا ہے، اپنے سیدھے سادے نیچرل اسٹائل (قدرتی اسلوب) میں ہر قسم کی تحریریں کیا کتابیں، کیا مضامین، کیا مقدمات کے فیصلے اور تحریریں برابر لکھتے رہے۔اس میں بیس سال کی مشق اور مہارت نے جو کہ ایک انداز پر متصل جاری رہی اور پیچیدہ مضمون کے سلجھانے کی ایک غیر معمولی طاقت پیدا کر دی۔

۳

انسان ایک ایسی ہستی بنایا گیا ہے جس کی فطرت میں آزادی اور خود مختاری رکھی گئی ہے۔وہ ذی عقل اور ذی شعور ہے۔اس کو تمام قوائے ظاہری اور باطنی دیے گئے ہیں۔ان کے استعمال پر جس طرح کہ وہ چاہے قادر ہے۔تمام کاموں کے شروع کرنے کی سمجھ اور ان کے انجام کی سوچ اُس کو دی گئی ہے تا کہ ہر کام کا آغاز اور انجام سوچ لے۔اس کی فطرت ایسی ہے کہ اپنے لیے آپ تمام چیزیں مہیا کرنے کے لیے حاجت مند ہے۔وہ ضروریاتِ زندگی فراہم کرسکتا ہے۔وہ قدرت رکھتا ہے۔پس یہ تمام چیزیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اس صانع کی مرضی یہی تھی کہ یہ پُتلا آپ اپنا مالک رہے۔

۴

دنیا میں جب بھی حق پر بُرا وقت آیا، جب بھی جھوٹ اور کِذب کے طوفانوں نے حق کو گھیرا، جب بھی ظلمت کی آندھی چڑھی، حق کے دیوانوں نے بڑھ چڑھ کر اس چیلنج کا مقابلہ کیا۔تعداد کی قلّت کے باوجود باطل کی کثرت کے سامنے ڈٹ گئے، سینہ سپر ہو گئے۔باطل کے ظاہری رعب اور دبدبہ کے باوجود اُن کے پائے استقامت نہیں لڑکھڑائے۔وہ قطعاً نہیں گھبرائے، وہ جان و مال اور اہل و عیال کی قربانی دینے کے لیے ہمیشہ تیار تھے اور رہے۔کرب و بلا کی داستان بھی ان ہی اہلِ ایماں کے خون سے رنگین ہے۔بدر و حنین کا معرکہ بھی ان ہی کے ایمان و ایثار کا منھ بولتا ثبوت ہے۔دنیا میں باطل آج بھی ذلیل و رسوا ہے اور حق آج بھی سربلند ہے۔آج بھی حق فاتح ہے اور اس کا ڈنکا بجتا ہے۔

۵

جو اشخاص شہرت کے آسمان پر آفتاب ہو کر چمکے ہیں، اُن کے سوانح کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لیے دن رات ان تھک محنت کرتے ہیں۔لیکن وہ نوجوان عموماً سست اور کاہل ہوتے ہیں جو اپنے زعم میں یہ خیال کرتے ہیں کہ ان کی ترقی کا سبب اُن کی ذہانت اور ذکاوت تھی، نہ ان کی ذاتی کوشش۔یہ خوب سمجھ لینا چاہیے کہ جتنا کوئی شخص سست اور کاہل ہوگا، اتنا ہی اس بات کا قائل ہوگا کہ بڑے بڑے کام صرف ذہین اشخاص ہی کر سکتے ہیں۔ذہانت کیا ہے؟ انتہا درجے کی کاوش کرنے کی

اہلیت کا دوسرا نام ۔ کاش! ان سُست اور کاہل نوجوانوں کو ان تکالیف، ان مصائب اور ان ناکامیوں کا علم ہوتا جو بڑے کام کرنے والی ہستیوں کے سدِ راہ ہوتے ہیں تو یقیناً اُن کی ڈھارس بندھ جاتی اور وہ بھی کام کرنے کے لیے کمر باندھ لیتے ۔

٦

کسی غیر زبان کو ذریعۂ علم بنانا حماقت کے سوا کچھ نہیں ۔ جاپان میں جاپانی، چین میں چینی، انگلستان میں انگریزی، فرانس میں فرانسیسی، جرمنی میں جرمن غرضیکہ ہر ملک کے اندر وہی زبان ذریعۂ تعلیم ہے جس کو سب بخوبی سمجھتے ہیں سوائے پاکستان کے، جہاں سب لوگ سمجھتے تو اُردو ہیں لیکن یہاں ذریعۂ تعلیم انگریزی ہے اور اسی وجہ سے ہمارا معیارِ تعلیم پست ہے۔ علم اسی زبان میں اچھی طرح دی جاسکتی ہے جس کو طالب علم آسانی سے سمجھ سکیں ۔ ہمارے یہاں تعلیم اس زبان میں دی جاتی ہے جس کو سمجھنے سمجھانے میں دس سال کا عرصہ لگ جاتا ہے اور پھر کہیں جا کر صحیح معنوں میں علم سیکھنے کا آغاز ہوتا ہے ۔ ہمارے زوال، پستی اور نالائقی کا واحد سبب یہی ہے کہ ہم نے اُردو کو ذریعہ تعلیم نہیں بنایا اور ہم اپنا قیمتی وقت علوم سیکھنے کے بجائے انگریزی سیکھنے میں ضائع کردیتے ہیں ۔

٧

تعلیمی پستی اور کم شرحِ تعلیم کے یوں تو بہت سے اسباب ہیں اور اُن کی تفصیل کے لیے دفتر کے دفتر درکار ہیں لیکن میرے خیال میں گرتے ہوئے معیارِ تعلیم کا بنیادی سبب اور اصل وجہ تعلیم کے لیے مثبت منصوبہ بندی کا فقدان ہے۔ سستی شہرت اور نام نہاد نعرۂ ترقی نے رہی سہی کسر بھی پوری کردی ہے ۔ نام نہاد ماہرین نے تعلیم کو عام کرنے کا نعرہ لگایا تو ہر ضلع تحصیل اور قصبے میں تعلیمی ادارے منصۂ شہود پر آئے ۔ ان میں سے بہت سے تعلیمی ادارے اپنی قسمت کو رو رہے ہیں اور نونہالانِ قوم بھی مفت میں اپنی جان کھو رہے ہیں۔ تعلیمی ادارے تو ہر جگہ موجود ہیں مگر طلبہ و طالبات، اساتذہ، والدین اور دیگر متعلقہ افراد کی عدم توجہی اپنا کردار ادا کر رہی ہے ۔ اساتذہ ہیں کہ رہائش کے مسئلہ سے دوچار دربدر مارے مارے پھرتے ہیں ۔ عوام اتنے بے حس ہو چکے ہیں کہ ان کا تعاون نہ ہونے کے برابر ہے ۔ جب تک تعلیمی ادارے مذکورہ بالا مسائل سے دوچار رہیں گے، معیارِ تعلیم گرتا چلا جائے گا۔

٨

انسان کے اردگرد کا ماحول اس کی فطرت کی عکاسی کرتا ہے ۔ صحت مند انسانوں سے صحت مند معاشرے جنم لیتے ہیں ۔ صحت کی قیمت پر کوئی بھی ترقی خوش آیند نہیں ہوا کرتی ۔ انسان دوستی اور پائیدار معاشرے کے شفاف تصور کے لیے ہر شخص کو، جہاں تک اس کی دسترس ہے، اپنا فرض ادا کرنا ہوگا ۔ چنانچہ ہم پر لازم آتا ہے کہ ہم اپنی ضرورتیں اس طرح پوری کریں جن سے وسائل پر کم سے کم بوجھ پڑے ۔ یہ نہ ہو کہ ہمارے آج کے آرام و آسائش کا خمیازہ ہماری آنے والی نسلوں کو بھگتنا پڑے ۔ اس کی ابتدا کا پہلا، آسان اور سب سے مناسب راستہ یہ ہے کہ ہم ماحولیات کے بنیادی اصولوں کی پیروی کرتے ہوئے ، پانی ، توانائی اور باقی چیزوں کو کفایت سے

استعمال کریں۔ اگر ماحول کی تبدیلی موجودہ رفتار سے جاری رہی تو زیادہ امکان یہی ہے کہ آنے والی نسلوں کے لیے تباہ و برباد شدہ ماحولیاتی نظام ہی باقی رہ جائے گا۔

۹

قدرت نے نواب محسن الملک کو بہت سی خوبیاں عطا کی تھیں۔ وجاہت، ذہانت، خوش بیانی اور فیاضی ان کی ایسی عام اور ممتاز صفات تھیں کہ ایک راہ چلتا بھی چند منٹ کی بات چیت میں معلوم کر لیتا تھا۔ خطاب یا نام اٹکل سے رکھ دیے جاتے ہیں۔ مسمّٰی کی خصوصیات کا ان میں مطلق لحاظ نہیں ہوتا۔ نام رکھتے وقت تو ممکن ہی نہیں۔ عطائے خطاب کے وقت بھی اس کا لحاظ نہیں کیا جاتا لیکن محسن الملک کا خطاب ان کے لیے بہت ہی موزوں نکلا۔ ان میں پارس پتھر کی خاصیت تھی۔ کوئی ہو کہیں کا ہو، اُن سے چھوا نہیں اور کندن کا ہوا نہیں۔ اگر کسی نے سلام بھی کر لیا تو ان پر اس کا بار رہتا تھا اور جب تک اس کا معاوضہ نہ کر لیتے انھیں چین نہ آتا۔ یہاں تک کہ وہ اپنے دشمن کو بھی نہ بھولتے تھے اور یہ میں ذاتی علم سے کہتا ہوں کہ وہ بھی ان کے زیرِ بارِ منت تھے۔

۱۰

زبان کا صحیح استعمال اور محاوروں کے برتنے کا سلیقہ ان کا خاندانی وصف ہے جو اپنی پوری رچاوٹ اور ایک نئے توازن کے ساتھ ان کی نثر میں آ گیا ہے۔ شاہد احمد دہلوی کی نثر میں دلی کا وہ سارا بانکپن موجود ہے جو الگ الگ ڈپٹی نذیر احمد اور محمد حسین آزاد کے ہاں ملتا ہے۔ آزاد کی نثر میں استعاروں کا استعمال کثرت سے ہوتا ہے۔ وہ ایک بات کو کئی کئی استعاروں کے ذریعے ادا کرتے ہیں اور ان کی عبارت رنگین اور تخیّل کے زور سے شوخ اور شگفتہ ہو جاتی ہے۔ نذیر احمد محاوروں کو خوب خوب استعمال کرتے ہیں۔ شاہد کے ہاں نہ استعاروں کی کثرت ہے نہ محاوروں کی لیکن اس کے باوجود ان دونوں صاحب طرز ادیبوں کی نثر کے امکانات جس نقطے پر ملتے ہیں وہاں سے شاہد احمد دہلوی کی نثر پیدا ہوتی ہے۔

مکتوب نگاری

نثری تحریروں میں خط ایک اہم صنف ہے۔ خط کو ''آدھی ملاقات'' بھی کہا جاتا ہے کیوں کہ خط کسی کے ساتھ رابطے اور کسی کا حال احوال جاننے کی ایک عمدہ صورت بھی ہے۔ خط مکتوب نگار کے دلی جذبات کا عکاس ہے۔ غالب نے مراسلے کو مکالمہ بنا دیا اور مکتوب نگاری میں کئی جدّتیں پیدا کیں۔ ماضی میں مکتوب نگاری ہماری تہذیب کا خوب صورت اظہاریہ تھا۔ اگرچہ موجودہ دور میں سائنسی ترقی نے انسانوں کے درمیان فاصلے کم کر دیے ہیں اور انٹرنیٹ کی سہولت نے ای میل سمیت پیغام رسانی کے بے شمار جدید طریقے متعارف کرا دیے ہیں تاہم مکتوب نگاری کی ضرورت ختم نہیں ہوئی۔ مکتوب نگاری کے فن میں مہارت حاصل کرنا ہماری عملی اور معاشرتی ضروریات کا تقاضا ہے۔ خط لکھنے والے کو عربی زبان میں مکتوب نگار اور جس شخص کو خط لکھا جائے اسے مکتوب الیہ کہا جاتا ہے۔

خط کو عموماً دو قسموں میں تقسیم کیا جاتا ہے: (الف) رسمی خط (ب) غیر رسمی خط

رسمی خط: رسمی خطوط وہ خط ہیں جو کسی اجنبی یا صاحب اختیار کو لکھے جاتے ہیں۔ ان خطوط میں مدعا نگاری یا مقصدیت کو اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ سرکاری اور کاروباری نوعیت کے خطوط کا شمار بھی رسمی خطوط میں ہوتا ہے۔

غیر رسمی خط: غیر رسمی خطوط اپنے والدین، عزیزوں اور دوستوں کو لکھے جاتے ہیں۔ ایسے خطوط میں جذبات اور خیالات کے بے ساختہ اظہار سے آدھی ملاقات کا سماں بندھ جاتا ہے۔

خطوط لکھنے کے لیے چند ہدایات

- ممکن ہو تو خط کے آغاز میں بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ لکھنے کا اہتمام کریں۔
- مکتوب الیہ کے مقام، مرتبہ اور عمر کو مدنظر رکھ کر خط کی عبارت تحریر کی جائے۔
- خط زیادہ تفصیل کا متحمل نہیں ہو سکتا لہٰذا مختصر اور جامع انداز اختیار کیا جائے۔
- خط لکھنے کا مقام اور تاریخ صفحے کے اوپر انتہائی دائیں جانب درج کی جاتی ہے۔
- القاب و آداب، علامتِ ندائیہ/ فجائیہ کے ساتھ صفحے کے درمیان میں لکھے جاتے ہیں۔
- القاب و آداب کے بعد نفسِ مضمون تحریر میں لایا جاتا ہے۔
- نفسِ مضمون کا اختتام دعا، اظہارِ تشکر یا جذبۂ خیر سگالی سے کیا جاتا ہے۔
- نفسِ مضمون کے بعد صفحے کے بائیں جانب مکتوب نگار کا نام لکھا جاتا ہے۔
- امتحان میں جوابی کاپی پر نام اور پتا لکھنے کی ممانعت کے سبب ان کی جگہ حروفِ ابجد یا رول نمبر لکھے جاتے ہیں۔
- بے تکلّفی، بے ساختگی اور سادگی اچھے خط کی خصوصیات ہیں۔

خط کے اجزا

(۱) مقام روانگی (۲) اندراجِ تاریخ (۳) القاب
(۴) آداب و تسلیمات (۵) نفسِ مضمون (۶) اختتامی کلمات
(۷) مکتوب نگار کا نام اور پتا (۸) مکتوب الیہ کا نام اور پتا

نمونے کے چند خطوط

۱ دوست کے نام

(امتحان میں کامیابی کا ذکر کرنا)

امتحانی مرکز] خط لکھنے والے کا پتا

۱۵/ اگست ___۲۰ء] تاریخ، مہینا اور سنِ عیسوی

نفسِ مضمون

پیارے دوست کاشف!] آداب والقاب

السلامُ علیکم! میں یہاں خیریت سے ہوں اور امید ہے آپ بھی خیریت سے ہوں گے۔ مجھے یہ سن کر بہت خوشی ہوئی کہ آپ کی گیارھویں جماعت کے سالانہ امتحان میں کالج بھر میں اوّل پوزیشن آئی ہے۔ میری طرف سے دلی مبارک باد قبول فرمائیں۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ آپ کی محنت، آپ کے والدین، بہن بھائیوں اور دوستوں کی دعاؤں سے رنگ لے آئی ہے۔ یقین کریں کہ مجھ سمیت تمام دوست احباب اور عزیز و اقارب آپ کی اس عظیم کامیابی سے بہت خوش ہیں۔ مجھے یاد ہے کہ جب ہم میٹرک میں اکٹھے پڑھتے تھے، اس وقت بھی آپ بہت محنتی تھے۔ ہمیں آپ کی شبانہ روز محنت پر رشک آتا تھا۔ تمام اساتذہ آپ کی تعریف کیا کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اُس وقت بھی آپ نے میٹرک کے امتحان میں ضلع کی سطح پر بھر میں اوّل پوزیشن حاصل کی تھی۔

دوست! مجھے نہایت خوشی ہے کہ آپ نے مسلسل محنت کو اپنا شعار بنایا ہوا ہے اور میری دعا ہے کہ اسی طرح محنت کرتے رہیں اور کامیابی کی سیڑھیاں چڑھتے رہیں۔ ہم سب دوست بھی اِن شاءاللہ آپ کی طرح محنت کریں گے اور امتیازی کامیابی حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔

میری طرف سے ایک بار پھر مبارک باد قبول کریں، والسلام!] حرفِ آخر (سلام ودعا)

آپ کا مخلص] اختتام

نام و پتا: الف، ب، ج] خط لکھنے والے کا نام

۲ چھوٹے بھائی کے نام

(ہم نصابی سرگرمیوں میں بھرپور حصّہ لینے کے لیے)

امتحانی مرکز

۲۰/ مئی ___۲۰ء

پیارے بھائی!

السلام علیکم! کل آپ کا خط موصول ہوا۔ خوش خبری پڑھ کر میرا دل خوش ہوا اور سر فخر سے بلند ہوگیا۔ اس خط میں آپ نے اپنی

جماعت میں اپنے اوّل آنے کی نوید سنائی ہے۔ مجھے آپ سے یہی امید تھی اور یقین تھا کہ آپ میری اُمیدوں پر ہمیشہ پورا اتریں گے۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو مزید کامیابیوں سے نوازے!

بھائی! آپ کی نصابی کارکردگی تو ہمیشہ ہی قابلِ ستائش رہی ہے اور تمام اساتذہ آپ سے مطمئن رہے ہیں مگر میرا مشورہ ہے کہ آپ نصابی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ ہم نصابی سرگرمیوں میں بھی دلچسپی لیں۔ آپ کا اس سے جسم تندرست وتوانا اور چاق چوبند رہے گا۔ ایک صحت مند جسم میں ہی صحت مند دماغ پایا جاتا ہے۔ اگر ایک انسان اپنے جسم کو تندرست وتوانا رکھتا ہے تو یقیناً اس کی ذہانت میں اضافہ ہوتا ہے جب کہ جسم کی تندرستی کھیلوں سے ممکن ہے۔ آپ کے کالج میں ہر سال کھیلوں کے مقابلے ہوتے ہیں، ان میں بھر پور شرکت کیا کریں۔ اس کے علاوہ تحریری وتقریری ادبی مقابلہ جات کا بھی اہتمام کیا جاتا ہے۔ آپ کو چاہیے کہ ان تمام سرگرمیوں کے لیے وقت نکالیں اور محض ایک کتابی کیڑا بن کر نہ رہ جائیں۔ میری نصیحت پر عمل کرنے سے آپ چست وتوانا رہیں گے اور شخصیت میں اعتماد پیدا ہوگا۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ اعتماد کسی شخصیت کے اوصاف میں سب سے بڑی صفت ہے۔ ہر وقت پڑھتے لکھتے رہنے سے مزاج خشک ہوکر رہ جاتا ہے۔ میں جانتی ہوں کہ آپ کا وقت بہت قیمتی ہے اور آپ اپنی شبانہ روز محنت سے بڑا آدمی بننا چاہتے ہیں مگر بڑا آدمی ہمہ اوصاف کا حامل ہوتا ہے، اس لیے ضروری ہے کہ آپ نصابی اور ہم نصابی دونوں طرح کی سرگرمیاں اپنائیں۔ ایک مخصوص وقت مقرر کرنے کی صورت میں ہم نصابی سرگرمیوں میں بھی حصّہ لیا جاسکتا ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ آپ ان ہدایات پر عمل کرکے دونوں میدانوں میں اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوائیں گے۔ اپنا خیال رکھیں، والسلام!

آپ کی باجی
الف، ب، ج

۳ دوست کے نام
(زندگی کے نصب العین کے متعلق)

امتحانی مرکز
۱۸/مارچ ــــ ۲۰ء

پیارے دوست ماجد!

السلام علیکم! کل آپ کا خط موصول ہوا بہت خوشی ہوئی کہ آپ نے میڈیکل کالج میں داخلے کے بعد بھی مجھے یاد رکھا۔ آپ نے مجھ سے میرے نصب العین کے بارے میں دریافت کیا ہے۔ میں چاہوں گا کہ آپ کے سوال کا جواب تفصیلاً دوں۔ ماجد! جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ مجھے بچپن ہی سے معلّم بننے کا بہت شوق تھا اور میں ہمیشہ سے آرزو رکھتا تھا کہ ایک معلّم کی حیثیت سے ملک وقوم کی خدمت کروں۔ یہ بات سچ ہے کہ انسان کی دلچسپی جس پیشے میں زیادہ ہو وہ اسی پیشے سے انصاف کرسکتا ہے۔ میری اس پیشے میں بڑی دلچسپی کی وجہ یہ ہے کہ اللہ کے رسول خَاتَمُ النَّبِیّٖن صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّم نے زندگی کے تمام شعبوں پر فضیلت رکھنے کے باوجود معلّم ہونے پر فخر کیا۔ میں سوچتا ہوں

کہ معلّم بن کر جب میری طرف سے میرے کسی دوسرے مسلمان بھائی کے علم میں اضافہ ہوگا تو مجھے بے پناہ ثواب ہوگا اور یوں سنّت پر عمل پیرا ہونا میری خوش نصیبی ہوگی۔

پیارے دوست! میرے اس مقصدِ حیات کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ میرے والدین کا تعلُق بھی درس و تدریس سے ہے۔ میں نے بچپن سے لے کر اب تک گھر میں ایک ادبی، تعلیمی اور تدریسی ماحول دیکھا ہے۔ آپ سے گزارش ہے کہ آپ جب بھی دُعا کے لیے ہاتھ اٹھائیں تو میرے حق میں لازمی دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ تمام نیک خواہشات کو پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور میں اپنے نصب العین کے مطابق زندگی بسر کرسکوں۔ آپ کے تمام اہلِ خانہ کو میری طرف سے سلام!

آپ کا دوست

الف، ب، ج

۳ چچا کے نام

(تحفہ ملنے پر شکریہ ادا کرنے کے لیے)

امتحانی مرکز

۲۵/دسمبر ــــ ۲۰ء

پیارے چچا جان!

السلام علیکم! کل آپ کا پیار بھرا خط اور میرا تحفہ موصول ہوا۔ مجھے اس بات کا اندازہ تھا کہ آپ ہمیشہ کی طرح اس بار بھی میری سالگرہ کا تحفہ خریدنا نہیں بھولیں گے۔ میرے اس یقین کے پیچھے آپ کی مجھ سے بے پناہ محبت ہے۔ مجھے اس بات کا ہرگز اندازہ نہ تھا کہ میرا تحفہ میری خواہش کے عین مطابق ہوگا، اس قدر بیش قیمت ہوگا اور اتنا خوب صورت ہوگا۔

چچا جان! آپ نے مجھے گھڑی کا تحفہ دے کر تو جیسے مجھے خرید ہی لیا ہے۔ سچ پوچھیے تو میں نے ایک ہفتہ پہلے ایسی ہی گھڑی ایک بڑی دکان پر دیکھی تھی مگر اتنی مہنگی تھی کہ میں ضرورت کے باوجود اسے خرید نہ سکی اور حسرت سے دیکھتی رہ گئی۔ میرے امتحان میں ابھی چند روز باقی ہیں۔ میں روزانہ اس گھڑی کو کلائی پر سجا کر امتحان دینے جایا کروں گی۔ ان شاء اللہ اس کی بدولت پورے وقت کے حساب سے پرچہ حل کیا کروں گی اور اپنے تمام کاموں کو وقت پر بخوبی انجام دیا کروں گی۔ یہ گھڑی محض ایک تحفہ ہی نہیں ہے بلکہ وقت کی پابندی کا ایک درس بھی ہے۔ یہ اس قدر جاذبِ نظر ہے کہ میرے تمام ملبوسات کے ساتھ جچے گی۔ میں نے جب یہ گھڑی اپنی سہیلیوں کو دکھائی تو انھوں نے بھی اس کی بہت تعریف کی اور آپ کا تہِ دل سے شکریہ ادا کرنے کو کہا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا اجر دے گا کہ آپ میری مسکراہٹوں کا باعث بنے۔ میں آپ کے دیے گئے تمام تحائف کی طرح اسے بھی سنبھال کر رکھوں گی اور اسے دیکھ دیکھ کر آپ کو دل سے دعائیں دیتی رہوں گی۔ چچی جان کو میرا سلام!

آپ کی بھتیجی

الف، ب، ج

۵ والد صاحب کے نام
(تفریحی مقام کی سیر کا حال بیان کرنے کے لیے)

امتحانی مرکز
۰۹رنومبر ___۲۰ء

پیارے ابّو جان!

السلام علیکم! اُمید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے اور گھر میں بھی سب لوگ اللہ کے فضل سے حفظ و امان میں ہوں گے۔ مجھے سیر سے واپس آئے دو دن ہو چکے ہیں۔ میں صحت کی خرابی اور تھکن کی وجہ سے خط لکھنے سے قاصر تھا، جس کے لیے معذرت خواہ ہوں۔ مری کے پہاڑی علاقوں کی آب و ہوا ہمارے علاقوں سے مختلف ہوتی ہے۔ میرا جسم اس آب و ہوا کو برداشت نہ کر سکا جس کی وجہ سے مجھے زکام اور بخار نے آ گھیرا۔ بہر حال میں نے واپس آتے ہیں دوا لے لی اور کچھ دیر آرام کے بعد تندرست ہو گیا اور آپ کو خط لکھنا شروع کیا۔

میں نے آپ کو بتایا تھا کہ ہمارے کالج کی طرف سے ایک تفریحی مقام کی سیر کا انعقاد کیا گیا تھا۔ اس تفریحی سیر کا مرکز مری کی وادی اور اس کا قرب و جوار طے پایا۔ ہمارے تمام اساتذہ نے مل کر سارا نظام الاوقات بنایا، بسوں کا انتظام کیا اور ۱۸ مئی کو صبح ۰۹ : ۳۰ بجے روانگی کا وقت مقرر کیا۔ مقررہ تاریخ کو صبح ۹ بجے تک تمام طلبہ کے کالج میں جمع ہو گئے اور صبح ۰۹ : ۳۰ بجے ہم سب سفر کے لیے روانہ ہو گئے۔ سفر چار گھنٹے کا تھا۔ میں نے اور میرے تمام دوستوں نے خوب مزے کیے۔ راستے میں ایک مسجد کے سامنے نمازِ ظہر ادا کرنے کے لیے بس روکی گئی۔ ہم سب نے باوضو ہو کر نماز ادا کی۔ مسجد کے قریب ہی ایک ڈھابا تھا۔ طلبہ نے وہاں سے گرما گرم پکوڑے، سموسے اور کھانے پینے کی دوسری چیزیں خریدیں اور ان سے لطف اندوز ہوئے۔ کچھ دیر رکنے کے بعد بس دوبارہ منزلِ مقصود کی طرف روانہ ہوئی اور دو اڑھائی گھنٹے کی مسافت کے بعد ہم مری پہنچ گئے۔ سب سے پہلے ہمیں مری کی مال روڈ کی سیر کا موقع میسّر آیا۔ مال روڈ کی دکانوں سے میں نے آپ کے اور امّی جان کے لیے خشک میوہ جات کے ساتھ ساتھ اور بہت سی چیزیں خریدیں جو میں گھر آتے ہوئے ساتھ لاؤں گا۔ مال روڈ کے بعد ہم نے مری کی معروف سڑکوں کی سیر کی۔ اس کے علاوہ ہم گھوڑا گلی، چھانگلہ گلی اور نتھیا گلی بھی گئے۔ یہاں کا دل کش ٹھنڈا موسم مجھے ہمیشہ یاد رہے گا۔ مری میں ہمارا قیام مال روڈ کے کنارے ایک خوب صورت ہوٹل میں تھا۔ رات دیر تک سیاحوں کی وجہ سے چہل پہل کا سماں رہا۔ جب ہم سیر سپاٹے سے تھک گئے تو ہوٹل کا رخ کیا۔ ایک رات آرام کے لیے ہوٹل کے چند کمرے کرایے پر لیے گئے تھے۔ باقی دوستوں کی طرح میں بھی تھکاوٹ سے چُور اپنے کمرے میں جاتے ہی لیٹ گیا اور صبح کہیں جا کے میری آنکھ کھلی۔ تمام طلبہ نے اپنے ساتھ آئے ہوئے اساتذہ کے ہمراہ ناشتا کیا۔ گیارہ بجے تک مزید سیر کا وقت مختص تھا۔ وقتِ مقررہ پر تمام لوگ ہوٹل میں اکٹھے ہوئے اور اپنا اپنا سامان باندھ کر واپسی کے لیے دوبارہ بس سوار ہو گئے۔ اس سفر میں ہمیں اپنے اساتذہ کی قربت بھی نصیب رہی اور تفریح کا موقع بھی میسر آیا۔ مجھے یہ تفریحی دورہ ہمیشہ یاد رہے گا۔

آپ اپنا خیال رکھیے گا۔ میری طرف سے چھوٹے بھائی کو پیار اور امّی جان کو سلام!

آپ کا بیٹا
الف، ب، ج

٦ دوست کے نام

(دوست کی والدہ کی وفات پر اظہارِ تعزیت کے لیے)

امتحانی مرکز

۱۱رفروری ___۲۰ء

پیارے علی احمد!

السلام علیکم!

کل آپ کا خط موصول ہوا جسے پڑھ کر آپ کی والدہ کی وفات کی افسوس ناک خبر کا پتا چلا، اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ؕ عزیز دوست! اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''ہر نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔'' یہ دنیا فانی ہے۔ جو یہاں آیا، اُس کا اپنے رب کے پاس جانا اٹل ہے۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

موت سے کس کو رستگاری ہے	آج وہ ، کل ہماری باری ہے

لیکن کچھ رشتے ایسے ہوتے ہیں کہ جن سے ہماری پوری زندگی وابستہ ہوتی ہے۔ ہمیں یوں محسوس ہوتا ہے کہ ہم ان کے بغیر جی نہیں سکتے۔ ماں ایک ایسا ہی سچا اور کھرا رشتہ ہے جس کی دعائیں ہماری کامیابیوں کی ضمانت ہوتی ہیں:

کامیابی اس لیے بچھتی ہے میرے پاؤں میں	کامیابی کی دعائیں مانگتی رہتی ہے ماں

مگر ہم اللہ تعالیٰ کی قدرت کے نظام کو بھی کسی صورت جھٹلا نہیں سکتے۔ ہر مخلوق کو ایک نہ ایک دن اپنے خالقِ حقیقی کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔ مائیں بھی ایک دن داغِ مفارقت دے جاتی ہیں۔ آپ کی امّی ایک نیک اور پارسا خاتون تھیں۔ انھوں نے ہم تمام دوستوں پر ہمیشہ شفقت فرمائی اور ہمیں ہماری ماؤں جیسا ہی پیار دیا۔ وہ نہایت پرہیزگار اور سادگی پسند خاتون تھیں۔ ایک دنیا ان کے حسنِ اخلاق کی مثال دیتی ہے۔ ایسی نیک ہستیوں کا ٹھکانا ہمیشہ جنّت میں ہوتا ہے۔ جانے والے اپنے آپ کو اللہ کی رضا پر ہمیں چھوڑ کے چلے جاتے ہیں لیکن ہمیں صبر سے کام لینا چاہیے، کبھی بھی شکوہ کناں نہیں ہونا چاہیے اور اللہ تعالیٰ کے فیصلوں پر رضا مند ہونا چاہیے۔ ان کے لیے دعائے مغفرت کیا کریں اور اپنے بہن بھائیوں کو کبھی ان کی کمی محسوس مت ہونے دیں۔ یاد رکھیں! اللہ تعالیٰ ہمیشہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ میں جلد از جلد آپ کے پاس حاضر ہوں گا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی والدہ ماجدہ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام اور آپ کو صبرِ جمیل عطا فرمائے، آمین!

شریکِ غم

الف، ب، ج

۴ والد کے نام
(ہاسٹل کی زندگی کے بارے میں)

امتحانی مرکز

یکم جنوری ___۲۰ء

پیارے ابّا جان!

السلام علیکم!

اُمید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔ کچھ روز قبل میں نے آپ کو مطلع کیا تھا کہ میں خیریت سے ہاسٹل پہنچ گیا ہوں۔ اس کے جوابی خط میں آپ نے مجھے ہدایت دی تھی کہ میں آپ کو ہاسٹل کی زندگی کے معمولات کے متعلق خط کے ذریعے ذرا تفصیل سے بتاؤں۔

ابّا جان! آپ بالکل بے فکر رہیں، میں یہاں بہت محفوظ ہوں۔ ہاسٹل میرے کالج سے پانچ منٹ کی دوری پر ہے۔ ہاسٹل میں تین انچارج مخصوص کیے گئے ہیں۔ مجھے جو کمرہ دیا گیا ہے، اس میں میرے ساتھ دو اور ساتھی طلبہ بھی رہتے ہیں۔ ہاسٹل کی فیس میں کھانے پینے کے اخراجات بھی شامل ہیں۔ کھانا معیاری ہے اور ہمیشہ وقت پر دیا جاتا ہے۔ رات کے وقت ہاسٹل سے باہر جانے پر سخت پابندی ہے۔ باہر جانے کے لیے اجازت نامہ جمع کروایا جاتا ہے اور صرف ایمرجنسی کی صورت میں ہی منظور کیا جاتا ہے۔ ہمارے آنے جانے پر کڑی نظر رکھی جاتی ہے۔ ہاسٹل کی انتظامیہ نے جو قواعد وضوابط کی ایک کاپی ہم سب کو داخلے کے دوران میں دی تھی، ان قواعد و ضوابط کے مطابق ہر طالب علم کو اپنا ٹائم ٹیبل بنانا پڑتا ہے۔ ہاسٹل میں ابتدائی طبی امداد کی سہولیات بھی میسّر ہیں۔ اگر چہ یہاں ہمیں کچھ پابندیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے لیکن یہ سب ہماری بھلائی کے لیے ہے۔ ہم تمام دوست چوں کہ سارا دن اکٹھے رہتے ہیں اس لیے باہمی تعلقات مضبوط اور دوستی گہری ہوتی چلی جاتی ہے۔ یہ سچ ہے کہ ہاسٹل گھر کی جگہ نہیں لے سکتا مگر ہمارے ہاسٹل میں گھر جیسا ہی ماحول ہے۔ بس آپ کی اور امّی جان کی کمی محسوس ہوتی ہے۔ اس مہینے کے آخر میں موسمِ بہار کی چھٹیاں ہو رہی ہیں، ان شاء اللہ میں گھر کا چکر لگاؤں گا اور آپ کو ہاسٹل اور تعلیمی زندگی کے بارے میں مزید عرض کروں گا۔ اب اجازت چاہتا ہوں، گھر میں سب کو سلام!

آپ کا بیٹا

الف، ب، ج

۸ دوست کے نام
(امتحان میں ناکامی پر تسلّی دینے کے لیے)

امتحانی مرکز

۳۰/جون ___۲۰ء

پیاری سہیلی!

السلام علیکم!

پچھلے ہفتے ثانوی و اعلیٰ ثانوی تعلیمی بورڈ کے گزٹ میں سالِ اوّل کا رزلٹ دیکھنے کا موقع ملا۔ میں تمھارا نتیجہ دیکھ کر بہت پریشان ہوئی کہ تم فیل ہوگئی ہو۔ اردو اور انگریزی کے مضامین میں تمھاری اتنی ناقص کارکردگی ہوگی، یہ میرے تصوّر میں بھی نہیں تھا۔ مجھے بہت دکھ ہوا کہ میری سہیلی جو اس قدر قابل اور ذہین تھی، آخر کیا ہوا کہ ناکامی سے دوچار ہوگئی۔ میں بچپن سے تمھیں جانتی ہوں کہ تم نے ہمیشہ محنت کی ہے اور ہر چیلنج قبول کیا ہے اور ہر طرح کی مشکل کا سامنا کیا ہے۔ یقین کرو اتنا دکھ شاید تمھیں بھی نہیں ہوا ہوگا جتنا اس صورتِ حال نے مجھے دکھی کیا ہے لیکن کوئی بات نہیں، شاعر نے ایسی ہی صورتِ حال کے پیشِ نظر کہا تھا:

شہ زور اپنے زور میں گرتا ہے مثلِ برق وہ طفل کیا گرے گا جو گھٹنوں کے بل چلے

میں نے اپنے طور پر اس ناکامی کے اسباب کو جاننے کی کوشش کی ہے اور اس نتیجے پر پہنچی ہوں یہ سب کرونا وبا کا کیا دھرا ہے۔ ساری دنیا اس مہلک وبا کی لپیٹ میں آئی ہوئی تھی۔ پاکستان میں بھی سکول اور کالج مکمل طور پر بند کر دیے گئے تھے اور جب تعلیمی عمل شروع ہوا تو طلبہ کے سامنے سمارٹ سلیبس تھا۔ ان حالات کا سب سے زیادہ اثر تمھارے جیسی ذہین اور حسّاس طالب علم پر پڑا۔ صرف تمھارا ہی رزلٹ خراب نہیں تھا بلکہ پنجاب بھر کے تعلیمی بورڈز کے نتائج مایوس کن رہے۔

پیاری دوست! انسان ناکامیوں ہی سے سیکھتا ہے اور کامیابیوں کی سیڑھیاں چڑھتا ہے۔ یہ زندگی کی چھوٹی سی ناکامی ہے، بڑی کامیابیاں تمھارا انتظار کر رہی ہیں۔ مجھے یقین کہ تم نئے عزم سے امتحان کی تیاری شروع کرو گی اور ہمیشہ کی طرح اِس دفعہ کے امتحان میں بھی ہم سب کی اُمیدوں پر پورا اترو گی۔

تم ذہین اور قابل ہو، اپنے جذبے کو ہمیشہ ایسے ہی قائم رکھنا تاکہ تم اپنی منزل پا سکو۔ میری دعائیں ہمیشہ تمھارے ساتھ ہیں، والسلام!

تمھاری مخلص دوست

الف، ب، ج

۹ اخبار کے مدیر کے نام
(ٹریفک کے بڑھتے ہوئے حادثات اور دیگر مسائل پر اظہارِ خیال)

لاہور

۳۰/جون ____ ۲۰ء

محترم افضل علوی صاحب، مدیر روزنامہ ''جنگ''، لاہور

السلام علیکم!

آپ کے ادارے سے شائع ہونے والے اخبار کے توسط سے میں اپنے ہم وطنوں کو روزمرہ زندگی میں پیش آنے والے اہم مسائل اور ان کے حل سے آگاہ کرنا چاہتا ہوں۔ قارئین جانتے ہیں کہ آج کل ٹریفک حادثات عروج پر ہیں۔ روزانہ سیکڑوں افراد ٹریفک حادثات کا شکار ہوتے ہیں۔ ڈرائیورز اور عوام کی چھوٹی چھوٹی غلطیوں کی وجہ سے بڑے بڑے نقصانات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ تیز رفتاری، بسوں اور ویگنوں پر حد سے زیادہ سواریاں، زائد المیعاد اور غیر معیاری موٹر گاڑیاں، ٹوٹی پھوٹی سڑکیں اور غیر تربیت یافتہ ڈرائیوروں کے سڑک پر آنے کی وجہ سے ہولناک حادثے جنم لیتے ہیں۔ آج کل کچھ نوجوان ون وہیلنگ کرتے نظر آتے ہیں جس کے خطرناک نتائج روزانہ سننے اور دیکھنے کو ملتے ہیں۔ ٹریفک حادثات کی ایک اور بڑی وجہ سڑکوں پر جا بجا بنے ہوئے غیر معیاری خود ساختہ سپیڈ بریکر اور راستوں میں رکھی ہوئی بلا جواز رکاوٹیں بھی ہیں۔ ٹریفک کے اشاروں سے ناواقفیت اور لاپروائی بھی حادثوں کا سبب بنتی ہے۔

حادثات کی روک تھام کے لیے ضروری ہے کہ پرنٹ اور سوشل میڈیا کے ذریعے سے عوام میں ٹریفک قوانین کا شعور بیدار کیا جائے۔ پولیس اور انتظامیہ ان قوانین پر سختی سے عمل درآمد کرائے۔ والدین کو چاہیے کہ اپنے کم عمر بچوں کو موٹر سائیکل یا گاڑی چلانے کی اجازت نہ دیں۔ ون وہیلنگ کرنے والوں اور تیز رفتار گاڑیاں چلانے والوں کو سختی سے روکنا ہوگا۔ حکومتی سطح پر سڑکوں کی حالت کو بہتر بنانے، رکاوٹوں کو دور کرنے، غیر ضروری اور غیر قانونی بنائے گئے سپیڈ بریکر ختم کرنے اور بے ہنگم ٹریفک سے بچنے کے لیے متبادل راستوں کی ضرورت ہے۔ غیر تربیت یافتہ ڈرائیوروں کے لیے ڈرائیونگ اسکول کا انتظام کرنا چاہیے اور لوگوں کی قیمتی زندگیوں کو بچانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھنی چاہیے۔ بہتر ہوگا کہ زیبرا کراسنگ اور ٹریفک کے اشاروں کا نظام مؤثر بنایا جائے۔

میں آپ کا نہایت شکر گزار رہوں گا کہ آپ میری گزارشات اپنے مؤقر قومی اخبار میں شائع کر دیں تاکہ بہتری کی صورت سامنے آئے۔ والسلام مع الاکرام!

خیر اندیش

نام و پتا: الف، ب، ج

۱۰ اخبار کے مدیر کے نام
(ہم نصابی سرگرمیوں کی اہمیت کے متعلق)

لاہور

۱۲/اکتوبر___۲۰ء

محترم نظامی صاحب! مدیر روزنامہ ''نوائے وقت''، لاہور

السلام علیکم!

جناب! میں سالِ دوم کی طالب علم ہوں۔ آپ کے اخبار کے توسط سے میں ہم نصابی سرگرمیوں کی اہمیت اجاگر کرنا چاہتی ہوں۔

ہم نصابی سرگرمیاں طلبہ کو ذہنی اور جسمانی لحاظ سے پُراعتماد بناتی ہیں۔ ادبی سرگرمیاں ہوں یا دیگر علاقائی اور بین الاقوامی کھیلوں کے مقابلے، ان سے طلبہ کی ذہنی، جسمانی، اخلاقی اور اصلاحی تربیت ضرور ہوتی ہے۔ فنونِ لطیفہ کے مقابلے طلبہ کی جمالیاتی صلاحیتوں کو پروان چڑھانے میں مدد دیتے ہیں۔ کھیلوں کے مقابلے طلبہ کی ذہنی اور جسمانی صلاحیتوں کو نکھارنے کے ساتھ ساتھ انھیں نظم وضبط کا پابند بناتے اور ان میں احساسِ مروّت بھی پیدا کرتے ہیں۔ ان تمام حقائق کے پیشِ نظر تمام تعلیمی اداروں میں ہم نصابی سرگرمیوں کا باقاعدہ اہتمام ہونا چاہیے تاکہ طلبہ کی شخصیت ہر لحاظ سے پروقار، بااعتماد اور پرکشش نظر آئے۔ امید ہے کہ آپ میری تجاویز کو اپنے اخبار کے صفحات میں جگہ دیں گے۔ والسلام!

مخلص

الف، ب، ج

مشقی خطوط کے موضوعات

۱۔ اپنے دوست کو کھیلوں کی اہمیت کے بارے میں

۲۔ بڑے بھائی کو حادثہ دیکھنے کے حال کے بارے میں

۳۔ اپنے استاد کو تعلیم وتربیت کے لیے شکرگزاری کرنے کے لیے

۴۔ دوست کو شعر و ادب کی اہمیت کے بارے میں

۵۔ اخبار کے مدیر کے نام، مہنگائی کے بارے میں

۶۔ اخبار کے مدیر کو بجلی کی بچت کے متعلق

۷۔ چھوٹی بہن کو کمپیوٹر کی افادیت کے بارے میں

۸۔ اخبار کے مدیر کو بڑھتے ہوئے سماجی مسائل کے بارے میں

۹۔ دوست کو اردو زبان کے پسندیدہ استاد کے بارے میں

۱۰۔ دوست کے بھائی کی شادی میں شرکت نہ کرنے پر معذرت

۱۱۔ والدہ صاحبہ کو ان کی بیمار پرسی کے لیے

۱۲۔ دوست کے نام موسمِ بہار کی چھٹیاں کسی تفریحی مقام پر گزارنے کے لیے

درخواست نویسی

درخواست فارسی زبان کا لفظ ہے جس کے لغوی معنی التماس، گزارش، عرض، التجا، خواہش اور آرزو کے ہیں۔ جب کہ اصطلاحاً درخواست سے مراد وہ تحریر ہے جو کسی ماتحت یا عام آدمی کی طرف سے کسی افسر یا صاحبِ اختیار و اقتدار شخصیت کو انفرادی یا اجتماعی ضرورت، مسئلہ یا شکایت کے حل کے لیے لکھی جائے۔ مثال کے طور پر طالبِ علم کو کالج سے رخصت لینے کے لیے پرنسپل کے نام درخواست لکھنی پڑتی ہے۔ اسی طرح ماتحت عملہ اور عام لوگ بھی مختلف ضروریات کے لیے اپنے افسران کو درخواستیں لکھتے ہیں۔ درخواست ایک باضابطہ تحریر ہوتی ہے۔ اسے لکھتے وقت جملہ اجزا و عناصر، طرزِ تخاطب اور القاب و آداب کو مدِنظر رکھنا پڑتا ہے۔ درخواست کا مضمون سادہ اور عام فہم ہونا چاہیے۔ درخواست لکھنے کے لیے چھوٹے چھوٹے جملے تحریر کرنے چاہییں اور ایسی توجیہات پیش کرنی چاہییں جن کی درخواست کے عنوان کے ساتھ مکمل مناسبت ہو تاکہ متعلقہ افسر اس کی روشنی میں قانونی کارروائی کرنے لیے قائل ہو جائے۔

درخواست کے حصے:

(۱) آغاز/سرنامہ (۲) موضوع (۳) آداب (۴) نفسِ مضمون (۵) اختتامیہ اور تاریخ

درخواست نویسی کے لیے ہدایات

- جس افسر کو درخواست لکھنی ہو سب سے پہلی سطر میں اس کا عہدہ، ادارے کا نام اور پتا مؤدبانہ انداز میں لکھنا چاہیے، مثلاً:
  بخدمت جنابِ پرنسپل، گورنمنٹ اسلامیہ کالج، ریلوے روڈ، لاہور
  (مخاطب کو جناب یا صاحب لکھیں، دونوں ہم معنی ہیں اس لیے جناب پرنسپل صاحب لکھنا غلط اور غیر فصیح ہوگا۔)
- دوسری سطر میں ''موضوع'' لکھا جاتا ہے۔
- تیسری سطر میں ''جنابِ عالی'' لکھا جاتا ہے۔
- چوتھی سطر میں ''گزارش ہے'' یا ''التماس ہے'' کے الفاظ لکھ کر نفسِ مضمون کا آغاز کیا جاتا ہے۔
- درخواست کا مقصد بہت واضح اور صاف انداز میں لکھیں۔
- دعائیہ یا اختتامی الفاظ لکھ کر درخواست ختم کریں۔ مثلاً: شکر گزار رہوں گا، مہربانی ہوگی، عین نوازش ہوگی وغیرہ۔
- آخر میں ایک سطر چھوڑ کر بائیں جانب ''العارض'' یا درخواست گزار لکھیں اور اس کے نیچے اپنا نام اور پتا مع تاریخ درج کریں۔

نمونے کی درخواستیں

۱ جماعت کے کمرے میں روشنی کے انتظام کے لیے پرنسپل کے نام درخواست

بخدمت جناب پرنسپل، گورنمنٹ ہائر سیکنڈری سکول، فیروز وٹواں، ضلع شیخوپورہ

موضوع: کمرہ جماعت میں روشنی کا انتظام کرنے کی درخواست

جنابِ عالی!

گزارش ہے کہ ہماری جماعت کے کمرے کی ٹیوب لائٹس ایک عرصہ سے خراب ہیں۔ طلبہ باہر سے کمرے میں آتے ہیں تو اندھیرے کی وجہ سے کئی دفعہ ٹھوکر لگ جاتی ہے۔ درس و تدریس کے دوران میں بھی کمرے میں تاریکی محسوس ہوتی ہے جو ایک طرف تعلیمی نقصان کا باعث ہے اور دوسری طرف آنکھوں پر منفی اثرات پڑ رہے ہیں۔ ان مسائل کی بنا پر ہماری جماعت کے طلبہ مشکلات کا شکار ہیں۔ آپ سے التماس ہے کہ ہمارے کمرے کی ٹیوب لائٹس فوری طور پر مرمت کرنے کی ہدایات جاری کریں تاکہ ہم آسانی سے تعلیمی عمل جاری رکھ سکیں۔ آپ کی عین نوازش ہوگی۔

درخواست گزار

جملہ طلبہ جماعت سال دوم، ادارہ ہٰذا

۲۶ ستمبر ____۲۰ء

۲ پرنسپل کے نام شادی میں شمولیت کے لیے رخصت کی درخواست

بخدمت جناب پرنسپل، گورنمنٹ کالج، گلبرگ، لاہور

موضوع: شادی میں شرکت کے لیے رخصت کی درخواست

جنابِ عالی!

مؤدبانہ گزارش ہے کہ میرے بڑے بھائی کی شادی ۲۸/ مارچ بروز جمعرات ہونا قرار پائی ہے۔ دُلھا کے بعد میں گھر میں بہن بھائیوں میں سب سے بڑا ہوں۔ والد صاحب بوڑھے اور بیمار ہیں۔ شادی کے جملہ امور کی ادائیگی میری ذمہ داری ہے۔ شادی کے لیے برات ملتان جائے گی اور جمعہ کو دعوت ولیمہ ہے۔ انتہائی مصروفیت کی وجہ سے میں برات سے دو دن پہلے اور دعوتِ ولیمہ کے ایک دن بعد تک کالج حاضر نہیں ہو سکتا۔ مہربانی فرما کر مجھے ۲۶/ مارچ تا یکم/ اپریل ____۲۰ء چھے یوم کی رخصت عنایت فرمائیں۔ آپ کی عین نوازش ہوگی۔

العارض

نام: الف، ب، ج

جماعت گیارھویں، فریق اقبال، رول نمبر ۱۸

۲۶/ مارچ ____۲۰ء

۳ فیس معافی کے لیے پرنسپل کے نام درخواست

بخدمت جناب پرنسپل، گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج، بہاول پور

موضوع: فیس معافی کی درخواست

جنابِ عالی!

مؤدبانہ گزارش ہے کہ میں آپ کے زیرِ سایہ کالج میں فرسٹ ائیر کا طالب علم ہوں۔ میرے والد صاحب ایک سرکاری ادارے میں درجہ چہارم کے ملازم ہیں۔ ان کی آمدن بہت قلیل ہے جس سے گھر کے اخراجات بمشکل پورے ہوتے ہیں۔ مہنگائی کے اس دور میں میری کاپیوں، کتابوں اور آمد و رفت کا خرچ اٹھانا ان کے لیے کچھ آسان نہیں۔ ان حالات میں وہ میری فیس ادا نہیں کر سکتے۔ میں نے میٹرک کے امتحان میں بہت اچھے نمبر حاصل کیے ہیں اور مجھے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کا بہت شوق ہے۔

براہِ کرم! میری کالج کی مکمل فیس معاف فرما دیں تاکہ میں اپنا تعلیمی سلسلہ جاری رکھ سکوں۔ آپ کی عین نوازش ہوگی۔

العارض

نام: الف، ب، ج

جماعت گیارھویں، فریق سرسیّد، رول نمبر ۳۱

۱۲ ستمبر ____ ۲۰ء

❁

۴ ہیلتھ آفیسر کے نام محلے کی صفائی کے لیے درخواست

بخدمت جناب ہیلتھ آفیسر، تحصیل میونسپل کمیٹی، جام پور

موضوع: محلے کی صفائی کے لیے درخواست

جنابِ عالی!

گزارش ہے کہ ہمارے علاقہ محمدیہ کالونی، جام پور میں صفائی کے انتظامات انتہائی ناقص ہیں۔ اکثر اوقات خاکروب صفائی کے لیے نہیں آتے جس کی وجہ سے جگہ جگہ کوڑے کے ڈھیر لگے رہتے ہیں۔ کوڑے کی کثرت کی وجہ سے مکھیاں، مچھر اور خطرناک جراثیم پیدا ہو رہے ہیں۔ کرونا اور پولیو کی وبا کے پہلے ہی خدشات موجود ہیں۔ موسم برسات کی وجہ سے دیگر وبائی امراض بھی تیزی سے پھیل رہے ہیں۔

آپ سے التماس ہے کہ مذکور بالا کالونی میں جلد از جلد صفائی کا انتظام بہتر کروائیں تاکہ وبائی امراض کی روک تھام ہو سکے اور اہلِ علاقہ بیماریوں اور پریشانیوں سے بچ سکیں، شکریہ۔

درخواست گزار

اہلِ محلہ، محمدیہ کالونی، جام پور شہر

۲۰/دسمبر ____ ۲۰ء

❁

۵ مضمون کی تبدیلی کے لیے پرنسپل کے نام درخواست

بخدمت پرنسپل صاحبہ، گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ گرلز کالج، ماڈل ٹاؤن، ڈیرہ غازی خان

موضوع: مضمون کی تبدیلی کے لیے درخواست

جنابِ عالیہ!

مؤدبانہ گزارش ہے کہ میں نے اس کالج میں حال ہی میں فرسٹ ائیر کے شعبہ آرٹس میں داخلہ لیا ہے۔ میں نے اپنے والد صاحب کے کہنے پر داخلہ فارم میں دوسرے مضامین کے انتخاب کے ساتھ اکنامکس کا مضمون بھی لکھ دیا تھا۔ اس مضمون کا پیریڈ میں گزشتہ دو ہفتے سے مسلسل پڑھ رہی ہوں لیکن ابھی تک پہلے باب ہی کو سمجھ نہیں پائی۔

میڈم! یہ مضمون میری ذہنی سطح اور طبعی رجحان سے مطابقت نہیں رکھتا۔ مجھے شروع ہی سے اردو زبان و ادب سے دلچسپی ہے اور اس مضمون میں میرے ہمیشہ اچھے نمبر آئے ہیں۔

براہِ کرم! مجھے اکنامکس کے مضمون کے بجائے اردو اعلیٰ پڑھنے کی اجازت مرحمت فرمائی جائے تا کہ میں اپنے ذوق و شوق کے مطابق اپنی تعلیم جاری رکھ سکوں۔ آپ کی عین نوازش ہوگی۔

العارض

ثوبیہ نوشین

یکم/اپریل ـــــ ۲۰ء

جماعت سالِ اوّل، فریق فاطمہ جناح، رول نمبر ۱۸

۶ مچھر مار سپرے کے چھڑکاؤ کے لیے ایڈمنسٹریٹر کے نام درخواست

بخدمت جناب ایڈمنسٹریٹر، میونسپل کارپوریشن، فیصل آباد

موضوع: مچھر مار سپرے کے چھڑکاؤ کی درخواست

جنابِ عالی!

گزارش ہے اس سال ہمارے علاقے میں بارشیں بہت زیادہ ہوئی ہیں۔ ہماری کالونی کے گلی محلوں میں نکاسیِ آب کا مناسب بندوبست نہ ہونے کی وجہ سے ابھی تک پانی خشک نہیں ہُوا۔ مختلف مقامات پر جمع ہونے والا پانی مچھر اور جراثیم کی آماجگاہ بن چکا ہے۔ لوگ ڈینگی وائرس اور ملیریا کے ساتھ ساتھ دیگر بیماریوں کا بری طرح شکار ہو رہے ہیں۔

آپ سے گزارش ہے کہ شہر بھر میں اور بالخصوص ہماری کالونی میں جراثیم کش سپرے کا فوری بندوبست کیا جائے تا کہ ان موذی بیماریوں سے محفوظ رہا جا سکے۔

درخواست گزار

۰۵/ستمبر ـــــ ۲۰ء

جملہ ساکنان دھوبی گھاٹ (فیصل آباد)

۷ حصولِ ملازمت کے لیے ایجوکیشن بورڈ کے چیئرمین کے نام درخواست

بخدمت جناب چیئرمین، بورڈ آف انٹرمیڈیٹ اینڈ سیکنڈری ایجوکیشن، ڈیرہ غازی خان

موضوع: درخواست برائے تقرر بطور سٹینوگرافر

جنابِ عالی!

گزارش ہے کہ ۲۱ردسمبر ــــــ۲۰ء کے روزنامہ جنگ میں شائع ہونے والے اشتہار سے معلوم ہوا کہ آپ کے دفتر میں سٹینوگرافر کی تین اسامیاں خالی ہیں۔ان میں سے ایک اسامی کے لیے بطور امیدوار میری خدمات حاضر ہیں۔ میری تعلیمی قابلیت اور دیگر کوائف درج ذیل ہیں:

تعلیمی قابلیت:

۱۔ میں نے میٹرک سائنس کا امتحان ۲۰۱۷ء میں بطور ریگولر امیدوار ۶۸۰ نمبر حاصل کر کے "B" گریڈ میں پاس کیا۔

۲۔ انٹرمیڈیٹ کا امتحان ۲۰۱۹ء میں بطور ریگولر طالب علم گورنمنٹ کامرس کالج، فیصل آباد میں ۱۰۰۰ نمبروں کے ساتھ "A" گریڈ میں پاس کیا جس میں انگریزی شارٹ ہینڈ اور انگریزی ٹائپ میں آنرز بھی حاصل کی۔

تجربہ:

میں عرصہ دو سال تک ایک پرائیویٹ سیکٹر کی کمپنی میں بطور سٹینوگرافر کام کرنے کا تجربہ رکھتا ہوں۔ میں کمپیوٹر پر ۵۰ الفاظ فی منٹ اور شارٹ ہینڈ میں ۱۲۰ الفاظ فی منٹ کی رفتار سے لکھ سکتا ہوں۔

ذاتی کوائف:

میں ۲۳ سال کا صحت مند نوجوان ہوں اور شعبہ میں دفتری امور کی انجام دہی کا مطلوبہ تجربہ رکھتا ہوں۔

مجھے اُمید ہے کہ آپ میری تعلیمی قابلیت اور تجربہ کے پیشِ نظر ٹیسٹ اور انٹرویو کا موقع فراہم کریں گے۔ میں یقین دلاتا ہوں کہ منتخب ہونے کے صورت میں اپنے فرائض نہایت تن دہی اور دیانت داری سے انجام دوں گا۔

درخواست گزار

۲۸ رفروری ــــ۲۰ء　　　　نام و پتا:　الف، ب، ج

(نوٹ: مطلوبہ کاغذات کی مصدقہ نقول درخواست کے ساتھ لف ہیں۔)

۸ ناقص دودھ کی فروخت کے خلاف ایڈمنسٹریٹر فوڈ اتھارٹی کے نام درخواست

بخدمت جناب ایڈمنسٹریٹر، فوڈ اتھارٹی، لاہور

موضوع: ناقص دودھ فروخت کرنے کے خلاف کارروائی

جنابِ عالی!

ملتمس ہوں کہ میں لاہور کا رہائشی ہوں۔ ایک باشعور شہری اور محبِ وطن پاکستانی ہونے کے ناتے میرا یہ فرض ہے کہ میں آپ کی توجہ شہر کے ایک نہایت اہم مسئلے کی طرف مبذول کراؤں۔

جنابِ عالی! آپ کو معلوم ہے کہ اشیائے خورونوش میں دودھ کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ یہ ہر عمر کے افراد بالخصوص بچوں کی اہم غذا ہے، اس لیے دودھ کا خالص ہونا اور ہر قسم کے مضرِ صحت اجزا سے پاک ہونا بہت ضروری ہے۔ بدقسمتی سے ہمارے شہر کے کچھ عاقبت نا اندیش اور بے حس لوگ دودھ میں نہ صرف ملاوٹ کے مرتکب ہو رہے ہیں بلکہ اسے گاڑھا کرنے کے لیے اس میں خطرناک کیمیکل بھی ملا رہے ہیں۔ مزید یہ کہ دودھ کو جراثیم سے محفوظ رکھنے کے لیے محکمہ فوڈ اتھارٹی کی ہدایات پر بھی عمل کرنے سے بھی گریزاں ہیں۔

جنابِ عالی! آپ سے گزارش ہے کہ ایسے مجرمانہ افعال کے مرتکب افراد کے خلاف فی الفور کارروائی عمل میں لائی جائے تاکہ عوام الناس کو خالص دودھ فراہم ہو سکے۔ آپ کے اقدامات کے لیے شکر گزار رہوں گا۔

درخواست گزار

نام و پتا: الف، ب، ج

۱۰ / مارچ ــــ۲۰ء

مشق کے لیے مجوزہ عنوانات

- گھروں میں پینے کا صاف پانی مہیا کرنے کے لیے ڈائریکٹر واسا کے نام درخواست
- محلے کی سڑکوں پر مناسب روشنی کے بندوبست کے لیے ایس ڈی او کے نام درخواست
- تاریخی عمارات کی سیر پر جانے کی اجازت کے لیے کالج کے پرنسپل کے نام درخواست
- ہاسٹل کے گندے واش رومز کی شکایت کے لیے کالج پرنسپل کے نام درخواست
- سرکاری لائبریری میں بچوں کی شاعری پر مزید کتب رکھنے کے لیے اس کے انچارج کے نام درخواست
- سٹیڈیم میں کرکٹ میچ کھیلنے کی اجازت لینے کے لیے ڈائریکٹر سپورٹس کے نام درخواست
- تعلیمی ادارے میں ابتدائی طبی امداد کے سامان کی فراہمی کے لیے سربراہِ ادارہ کے نام درخواست
- ایڈمنسٹریٹر فوڈ اتھارٹی کے نام درخواست میں ہسپتال کی کینٹین میں مضرِ صحت اشیا کے متعلق شکایت کریں
- کالج کی لائبریری میں قائدِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی نئی تصاویر آویزاں کرنے کے لیے پرنسپل کے نام درخواست
- بجلی کا خراب میٹر بدلنے کے لیے ایس ڈی او واپڈا کے نام درخواست

رسیدات

رسید فارسی کے مصدر رسیدن کا اسمِ حاصل مصدر ہے جس کے معنی وصول کرنا، پہنچنا، رسائی وغیرہ کے ہیں۔ اصطلاحی معنوں میں وہ تحریر جس میں کسی شے کے پہنچنے یا وصول ہونے کا مضمون ہو۔ قانونی لحاظ سے رقم یا سامان وصول کرنے کی باقاعدہ تحریر جس میں وصول کرنے والے اور گواہوں کے دستخط موجود ہوں۔ رسید دراصل دو اشخاص یا فریقین کے درمیان کسی چیز کے لین دین کی وہ تکمیل ہے جس میں ایک شخص معاہدہ کر کے یا مقررہ قیمت وصول کر کے اپنی چیز دوسرے شخص کو دیتا ہے اور اس کے بدلے میں ایک قانونی دستاویز تحریر کر دیتا ہے۔

رسیدی اصطلاحات

رسید لکھنے کے لیے کچھ اصطلاحات بھی مخصوص ہیں، مثلاً: رقم کے لیے مبلغ؛ زمین کے لیے موازی؛ بڑے جانور کے لیے راس؛ چھوٹے جانور کے لیے شاخ؛ گھوڑے یا گدھے کے لیے لگام اور اونٹ کے لیے نکیل کی اصطلاحات مروّج ہیں۔

رسید نویسی کے لیے چند ہدایات:

۱۔ سب سے اوپر رسید کا عنوان تحریر کریں۔

۲۔ تحریر کا سبب لکھیں، اس کے لیے فارسی کی ترکیب ''باعثِ تحریر آنکہ'' مقبول ہے۔

۳۔ العبد کے دونوں طرف گواہوں کے نام اور پتے لکھیں۔

۴۔ العبد کے نیچے وہ تاریخ لکھیں جب رسید قلم بند کی گئی ہو۔

۵۔ تحریر کے اختتام پر صفحے کے درمیان میں ''العبد'' یعنی وصول کنندہ کا نام، ولدیت، قومی شناختی کارڈ نمبر اور مستقل رہائش کا پتا لکھیں۔

۶۔ نفسِ مضمون میں اشیا کی تفصیل اور رقم کا بیان مفصّل لکھیں۔

۱ رسید بابت وصولی رقم: فروخت گندم

باعث تحریر آنکہ

مبلغ چھے ہزار روپے (۶،۰۰۰) نصف جن کے مبلغ تین ہزار روپے (۳،۰۰۰) ہوتے ہیں، بابت قیمت گندم ایک توڑا ازاں محمد خالد ولد محمد سعید ذات کھوکھر، ساکن رحمت ٹاؤن، فیصل آباد نقد وصول پا کر رسید لکھ دی ہے تاکہ سند رہے اور وقتِ ضرورت کام آئے۔

گواہ شد	العبد	گواہ شد
محمد فیاض ولد محمد بشیر	محمد مسعود ولد محمد سعید	رضوان ولد محمد بخش
ساکن ________	ساکن ________	ساکن ________
تحصیل و ضلع ________	تحصیل و ضلع ________	تحصیل و ضلع ________
قومی شناختی کارڈ نمبر ________	قومی شناختی کارڈ نمبر ________	قومی شناختی کارڈ نمبر ________

دستخط________	دستخط________	دستخط________

تاریخ: ۱۵/ جنوری ____۲۰ء

❷ رسید بابت وصولی رقم: فروخت موٹر سائیکل

باعث تحریر آنکہ

مبلغ پچاس ہزار روپے (۵۰۰۰۰)نصف جن کے مبلغ پچیس ہزار روپے (۲۵۰۰۰) ہوتے ہیں، بابت فروخت موٹر سائیکل، رجسٹریشن نمبر ایل ای ۶۵ ۷، ماڈل ۲۰۰۰ء، رنگ سرخ، کمپنی ۔۔۔۔، انجن نمبر پی ایس ۱۹۱۸۸۷، چیسیز نمبر ۲۲۵۵۴۳۶ ازاں محمد قاسم ولد محمد سلیم، ذات بھٹی، ساکن مومن آباد، ضلع سرگودھا نقد وصول پائے اور رسید لکھ دی تا کہ سند رہے اور وقتِ ضرورت کام آئے۔

گواہ شد	العبد	گواہ شد
اعجاز احمد ولد محمد منیر	محمد دین ولد حمد اللہ	کوثر علی ولد رحمت
ساکن________	ساکن________	ساکن________
تحصیل و ضلع________	تحصیل و ضلع________	تحصیل و ضلع________
قومی شناختی کارڈ نمبر________	قومی شناختی کارڈ نمبر________	قومی شناختی کارڈ نمبر________
دستخط________	دستخط________	دستخط________

تاریخ: ۲۰/ فروری ____۲۰ء

❸ رسید بابت وصولی رقم: کرایہ مکان

باعث تحریر آنکہ

مبلغ تیس ہزار روپے (۳۰۰۰۰) نصف جن کے مبلغ پندرہ ہزار روپے (۱۵۰۰۰) ہوتے ہیں، بابت کرایہ مکان نمبر ۴۲ سی بلاک، کنڈر گارٹن کالونی، گوجرانوالہ ازاں۔ محمد عمیر ولد صغیر احمد، ذات چیمہ، ساکن جھنگ نقد وصول پا کر رسید لکھ دی ہے تا کہ سند رہے اور وقتِ ضرورت کام آئے۔

گواہ شد	العبد	گواہ شد
محمد اشرف ولد محمد اکبر	عبد المنان ولد محمد اکبر	اللہ بخش ولد محمد بخش
ساکن________	ساکن________	ساکن________

تحصیل وضلع________ تحصیل وضلع________ تحصیل وضلع________

قومی شناختی کارڈنمبر________ قومی شناختی کارڈنمبر________ قومی شناختی کارڈنمبر________

دستخط________ دستخط________ دستخط________

تاریخ: ۳۰/مارچ __۲۰ء

۴ رسید بابت وصولی رقم: گائے

باعث تحریر آنکہ

مبلغ اسی ہزار روپے (۸۰۰۰۰) نصف جن کے مبلغ چالیس ہزار روپے (۴۰۰۰۰) ہوتے ہیں، بابت قیمت ایک راس گائے، رنگ بھورا، دائیں آنکھ سیاہ، عمر چھے سال ازاں مسمی میاں عبدالرشید ولد میاں عبدالقدیر، ذات ارائیں، سکنہ ۳۲ شمالی، تحصیل کمالیہ ضلع ٹوبہ ٹیک سنگھ، نقد وصول پا کر رسید لکھ دی ہے تا کہ سند رہے اور وقتِ ضرورت کام آئے۔

گواہ شد	العبد	گواہ شد
محمد طارق ولد محمد شفقت	طلحہٰ خان دو ولد اسد خان	افتخار احمد ولد شجاع
ساکن________	ساکن________	ساکن________
تحصیل وضلع________	تحصیل وضلع________	تحصیل وضلع________
قومی شناختی کارڈنمبر________	قومی شناختی کارڈنمبر________	قومی شناختی کارڈنمبر________
دستخط________	دستخط________	دستخط________

تاریخ: ۱۰/ اپریل __۲۰ء

۵ رسید بابت وصولی رقم: لگان

باعث تحریر آنکہ

مبلغ دس ہزار روپے (۱۰۰۰۰) نصف جن کے مبلغ پانچ ہزار روپے (۵۰۰۰) ہوتے ہیں، بابت زر لگان، فصل ربیع، سال ــ۲۰ء ازاں مسمی منیر حسین ولد امیر حسین، قوم قریشی ساکن تحصیل وضلع شیخوپورہ وصول پا کر رسید لکھ دی ہے تا کہ سند رہے اور وقتِ ضرورت کام آئے۔

گواہ شد	العبد	گواہ شد
ضیاالدین ولد غلام محمد	عبداللہ ولد مشتاق احمد	نعمان احمد ولد محمد اعظم

ساکن________	ساکن________	ساکن________
تحصیل وضلع________	تحصیل وضلع________	تحصیل وضلع________
قومی شناختی کارڈنمبر________	قومی شناختی کارڈنمبر________	قومی شناختی کارڈنمبر________
دستخط________	دستخط________	دستخط________

تاریخ: ۲۰رمئی ___۲۰ء

❻ رسید بابت وصولی رقم: وظیفہ

باعث تحریر آنکہ

مبلغ پانچ ہزار روپے (۵۰۰۰) نصف جن کے مبلغ پچیس سو روپے (۲۵۰۰) ہوتے ہیں، بابت وظیفہ ماہ دسمبر ۲۰۲۲ء از اں پرنسپل، گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ گرلز کالج، جام پور وصول پا کر رسید لکھ دی ہے تا کہ سند رہے اور وقتِ ضرورت کام آئے۔

گواہ شد	العبد	گواہ شد
رخسانہ جمیل ولد محمد نذر	راحیلہ روحی ولد محمد اکبر	ریحانہ اکبر ولد محمد اکبر مزمل
جونیئر کلرک	طالب علم سالِ اوّل	طالب علم سالِ اوّل
گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ	گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ	گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ
گرلز کالج، جام پور	گرلز کالج، جام پور	گرلز کالج، جام پور
ضلع: راجن پور	ضلع: راجن پور	ضلع: راجن پور
قومی شناختی کارڈنمبر________	قومی شناختی کارڈنمبر________	قومی شناختی کارڈنمبر________
دستخط________	دستخط________	دستخط________

تاریخ: ۳۰رنومبر___۲۰ء

مُکالمہ نگاری

مکالمہ کے لغوی معنی ہیں کلام یا گفت گو کرنا۔ اصطلاح میں دو یا دو سے زیادہ افراد کے مابین کسی موضوع سے متعلق گفت گو کرنے کو 'مکالمہ' کہتے ہیں۔ اچھا مکالمہ وہ ہے جس میں روز مرّہ بات چیت کا انداز اور بے تکلّف لب ولہجہ اختیار کیا گیا ہو اور جو حقیقی زندگی کے قریب تر ہو۔ تحریر و تقریر میں مکالمے کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ بات چیت ہی سے کسی فرد کی شخصیت اور صلاحیتوں کا اندازہ ہوتا ہے۔ اچھے مکالمے کے لیے درج ذیل امور کا خیال رکھیں:

- مکالمے کے آغاز میں سیاق وسباق اور موقع ومحل بیان کیا جائے۔
- مکالمہ چاہے جس موضوع پر بھی کیوں نہ ہو، گفت گو کرتے وقت مخاطب کے مقام ومرتبہ کا خیال رکھا جائے۔
- زبان وبیان پر عبور، عمدہ اسلوبِ گُفت گُو اور مکالماتی کرداروں کی سیرت اور فطری ماحول کی واضح تصویر کشی مکالمہ نگاری میں بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔
- مکالمہ لکھتے وقت زمانی اور مکانی ترتیب وتنظیم کا خیال رکھنا نہایت ضروری ہے۔
- مکالمے کا اختتام فطری انداز میں ہونا چاہیے۔
- مکالمے اتنے طویل نہ ہوں کہ قاری اکتا جائے اور نہ ہی اتنے مختصر ہوں کہ تشنگی باقی رہ جائے۔
- مکالمہ نگاری میں رموزِ اوقاف کو خصوصی اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ مناسب علامات مکالمہ میں اثر آفرینی کا باعث ہوتی ہیں۔
- مکالمہ میں تصنع اور بناوٹ کے بجائے فطری بے ساختگی سے کام لیا جائے۔
- گفت گو کے ساتھ ساتھ جسمانی حرکات وسکنات اور اشارات کا بھی خیال رکھا جائے۔

۱ دو دوستوں کے مابین امتحان کی تیاری سے متعلق مکالمہ

(چھٹی والے دن ایک باغیچے میں صہیب کی ملاقات اپنے دوست وقار کے ساتھ ہوتی ہے۔ دونوں ایک بینچ پر بیٹھ جاتے ہیں اور امتحان کی تیاری کے سلسلے میں گفت گو کرتے ہیں۔)

صہیب: السلامُ علیکم!

وقار: وعلیکم السلام، واہ جی واہ! سیر ہو رہی ہے، امتحان کی کوئی فکر نہیں ہے کیا!

صہیب: دوست! کیوں نہیں، تمھیں تو معلوم ہے کہ اگلے ہفتے سے گیارھویں جماعت کے سالانہ امتحان شروع ہو رہے ہیں۔ اتفاقاً ملاقات ہو ہی گئی ہے تو چلیں امتحان کی تیاری کے متعلق کچھ مشورہ ہی کر لیا جائے۔

وقار: کیوں نہیں! میں تو خود اسی بارے میں سوچ رہا تھا، اچھا ہوا کہ ملاقات ہوگئی۔

صہیب: (ڈیٹ شیٹ جیب سے نکالتے ہوئے) یار! بتاؤ امتحان کی تیاری کیسے کرنی ہے؟

وقار: یار! سارا سال کالج اور گھر میں پڑھتے تو رہے ہیں، اب فکر کس بات کی؟

صہیب: ہاں! کہ تو تم ٹھیک ہی رہے ہو مگر یہ بتاؤ کہ امتحان میں زیادہ سے زیادہ نمبر کیسے لیتے ہیں؟

وقار: دوست! پریشان کیوں ہوتے ہو! نمبر بھی آ جائیں گے۔ ایسا کرتے ہیں کہ امتحان سے پہلے تمام مضامین کی ایک دفعہ دہرائی کر لیں اور اگر کسی مضمون میں کوئی مشکل پیش آئے تو آپس میں مشورہ کر لیا کریں۔ کیا خیال ہے؟

صہیب: (خوشی کے ساتھ) بالکل ٹھیک! ایسا کرتے ہیں کہ امتحان کے دنوں میں ہم اکٹھے تیاری کریں گے۔ مجھے فزکس کا مضمون تھوڑا سا مشکل لگتا ہے، وقتِ ضرورت اس مضمون میں میری مدد کر دیا کرنا۔

وقار: کیوں نہیں! مجھے بھی ریاضی کے مضمون میں تمھاری مدد کی ضرورت ہوگی۔ ہم دونوں مل کر پڑھیں گے، ایک دوسرے سے تعاون کریں گے اور امتحان میں اچھے نمبر لیں گے۔

صہیب: (تھوڑا توقف کرتے ہوئے) ایک اور مسئلہ ہے کہ ہم اکٹھے بیٹھ کر کہاں تیاری کریں گے؟

وقار: (فوری جواب دیتے ہوئے) یہ کون سا مسئلہ ہے! میرا ڈرائنگ روم حاضر ہے۔

صہیب: یار بات تو تمھاری ٹھیک ہے لیکن مجھے تمھارے گھر ہر روز آنا جانا اچھا نہیں لگے گا۔

وقار: اچھا کیوں نہیں لگے گا؟ پڑھنے کے لیے آنا ہے، میرا خیال ہے میرے گھر والے بھی اس بات سے خوش ہوں گے۔

صہیب: یار خوش تو ہوں گے لیکن ڈرائنگ روم میں اور بھی تو مہمان آتے جاتے ہوں گے، وہ بھی ڈسٹرب ہوں گے اور ہم بھی۔

وقار: (اثبات میں سر ہلاتے ہوئے) یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں، واقعی مہمانوں کا تو آنا جانا لگا ہی رہتا ہے۔ پھر کیا کرنا چاہیے؟ امتحان کی تیاری کے لے ہمارا اکٹھے بیٹھنا بھی ضروری ہے لیکن معقول جگہ بھی نہیں ہے۔

صہیب: (ذرا سا پریشان ہو کر) میں اپنے گھر ہی میں انتظام تو کر لیتا مگر تم تو جانتے ہو کہ میرا گھر چھوٹا ہے اور افرادِ خانہ زیادہ ہیں۔ سونے پہ سہاگہ یہ کہ ڈرائنگ روم کا نام و نشان ہی نہیں۔

وقار: اچھا اچھا! منھ نہ بناؤ، میں امّی سے بات کروں گا، وہ یقیناً کوئی نہ کوئی حل نکال لیں گی۔ شاید ہمارے لیے وہ کسی اور کمرے میں انتظام کر دیں۔

صہیب: (خوش ہوتے ہوئے) یہ ٹھیک ہے، مجھے یقین ہے کہ خالہ کوئی نہ کوئی حل ضرور نکالیں گی۔

وقار: ان شاءاللہ۔۔۔ اچھا تو پھر میں چلتا ہوں اور آج ہی بات کر کے تمھیں بتاتا ہوں۔ اللہ حافظ!

صہیب: اللہ حافظ! (دونوں دوست اٹھتے ہیں اور اپنے اپنے گھر روانہ ہو جاتے ہیں۔)

۲ ماں اور بیٹی کے مابین کھانے پینے کے آداب پر مکالمہ

(ایک ماں گھر میں اپنی بیٹی کی کالج سے واپسی کا انتظار کر رہی ہے، بیٹی گھر آتی ہے۔)

بیٹی: السلامُ علیکم!

ماں: وعلیکم السّلام، آ گئی ہو بیٹی!

بیٹی: جی ماں جی! آ تو گئی ہوں پر آج بھوک بہت لگی ہے، مجھے جلدی سے کھانا دے دیں۔

ماں: ہیں! وہ کیوں بھلا! آج اتنی بھوک کیوں لگ گئی میری بیٹی کو؟

بیٹی: ماں جی! آپ کو تو پتا ہے کہ صبح کالج سے دیر ہو رہی تھی اس لیے تیزی میں ناشتا تھوڑا سا کیا تھا اور چائے بھی بھاگم بھاگ میں پی تھی۔

ماں: (گھر کے کھلے باورچی خانے میں کھانا تیار کرنے لگتی ہے اور ساتھ ساتھ بیٹی سے باتیں کرتی ہے) بیٹی! اس کا مطلب ہے کہ تم نے کھانے پینے کے آداب کو نظر انداز کیا۔ مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی۔ تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ ہر وہ کام جو آداب سے عاری ہو، اللہ اور اس کے رسول خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم کو سخت ناپسند ہے۔

بیٹی: (تھوڑی سی شرمندگی کے ساتھ) ماں جی! کیا عجلت میں کھانا پینا اتنا ہی غلط کام ہے؟

ماں: ہاں بیٹی! ہمیں کھانے پینے میں کبھی جلد بازی نہیں کرنی چاہیے۔ ناشتہ ہو یا کھانا، ہمیں ہاتھ دھو کر بڑے ادب کے ساتھ صاف ستھری جگہ پر بیٹھ کر تسلّی کے ساتھ کھانا پینا چاہیے اور جتنی بھوک ہو اتنا ہی کھانا چاہیے۔

بیٹی: ٹھیک ہے ماں جی! مگر اتنا تو کر لیا کریں کہ میری پسند کے کھانے تیار کیا کریں، آپ کبھی گوبھی، کبھی کدو اور دال بنا لیتی ہیں۔ بندے کا برگر، پیزا اور بریانی وغیرہ کھانے کو بھی جی چاہتا ہے آخر!

ماں: ہاں ہاں بیٹی! تمھاری پسند کا بھی خیال ہوتا ہے مجھے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم سبزی اور دال سے منھ موڑ لو۔ یاد رکھو یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتیں ہیں اور ہمیں کفرانِ نعمت ہرگز نہیں کرنا چاہیے۔ تمھیں یہ بھی پتا ہونا چاہیے کہ کدو رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم کی پسندیدہ غذا تھی۔ (بحوالہ صحیح بخاری: ۵۳۷۹)

بیٹی: جی ماں جی! آپ کی باتیں سن کر مجھے احساس ہو رہا ہے کہ واقعی سب چیزیں اللہ کی نعمتیں ہیں۔

ماں: (خوش ہوتے ہوئے) شاباش! میری پیاری بیٹی، مجھے تم سے یہی امید تھی۔ چند باتیں اور یاد رکھو، تم اتنی بڑی ہو، تمھیں پتا بھی ہے کہ کھانا ہاتھوں کو اچھی طرح دھو کے کھاتے ہیں، کھانے سے پہلے ہاتھ دھوئیں تو تولیے سے صاف نہیں کرتے لیکن کھانے کے بعد ہاتھ دھو کر تولیہ برتنے میں حرج نہیں۔ کھانا دائیں ہاتھ سے کھاتے ہیں، اکیلے ہوں یا زیادہ لوگ ہمیشہ پلیٹ میں اپنی طرف سے کھاتے ہیں۔ کھانا بیٹھ کر کھاتے ہیں اور کھانے کے دوران میں زیادہ بولتے نہیں ہیں۔ سب سے اہم بات یہ کہ

اپنی بھوک کے مطابق کھاتے ہیں۔

بیٹی: ماں جی! کھانے کے اتنے زیادہ آداب ہیں کیا؟

ماں: اور کیا بیٹی، کون سا ایک ہی بار کھانا ہوتا ہے، یہ ہماری زندگی کا حصہ ہے۔ ایک اور بات یاد رکھو کہ کھانا ہرگز ضائع نہیں کرنا چاہیے ورنہ یہ کھانے کی بے ادبی اور ناشکری ہوگی۔ اگر ہم اپنی بھوک کے ساتھ ساتھ دوسروں کی بھوک کا بھی احساس کریں تو یہ ضائع نہیں ہوتا بلکہ کسی اور کی بھوک مٹاتا ہے۔

بیٹی: ماں جی! یہ تو بہت اچھی باتیں ہیں۔ یہ بھی بتادیں کہ پانی اور چائے وغیرہ پینے کے کیا آداب ہیں؟

ماں: پانی صاف ستھرے برتن میں بیٹھ کر پینا چاہیے، پیتے ہوئے کم از کم تین بار وقفہ کرنا چاہیے، پانی یا چائے وغیرہ تیزی سے پئیں تو ہچکی بھی لگ سکتی ہے اور کپڑے بھی خراب ہو سکتے ہیں۔ پانی پینے کے بعد اونچی آواز میں ڈکار نہیں لینی چاہیے۔

بیٹی: (بڑے ادب کے ساتھ) ماں جی! میں وعدہ کرتی ہوں کہ آیندہ کھانے پینے کے تمام آداب کا خیال رکھوں گی۔

ماں: شاباش بیٹی! مجھے تم سے یہی امید تھی۔ چلو! اب یونیفارم بدلو اور کھانا کھاؤ۔ تیار ہو گیا ہے تمھاری پسند کا کھانا۔

(بیٹی کپڑے بدلنے جاتی ہے اور ماں اتنی دیر میں دسترخوان بچھا دیتی ہے۔)

۳ استاد کے ساتھ دو شاگردوں کا متوازن غذا سے متعلق مکالمہ

(تفریح کے پیریڈ کے دوران میں صائمہ اور عاتکہ کی ملاقات ان کی ٹیچر سے اسٹاف روم میں ہوتی ہے جو اس وقت کمرے میں اکیلی بیٹھی ہوئی ہیں۔)

صائمہ اور عاتکہ: (اسٹاف روم میں جھانکتے ہوئے) ٹیچر السلامُ علیکم! کیا ہم اندر آسکتی ہیں؟

ٹیچر: وعلیکم السلام، آجاؤ بچو، کیا کوئی کام ہے مجھ سے؟

صائمہ اور عاتکہ: جی ٹیچر۔

ٹیچر: بھئی! کیا کام پڑ گیا میری شاگردوں کو مجھ سے، آؤ بیٹھو!

صائمہ اور عاتکہ: (جھجکتے ہوئے ٹیچر کے قریب صوفے پر بیٹھ جاتی ہیں اور صائمہ بات کرتی ہے) ٹیچر آج جو آپ نے سبق پڑھایا بہت اہم تھا لیکن کچھ باتیں سمجھنے والی ہیں آپ سے!

ٹیچر: کون سی باتیں؟ پوچھو جو کچھ پوچھنا ہے۔

عاتکہ: ٹیچر! آپ نے متوازن غذا کا لفظ بولا تھا، غذا کے بارے میں تو ہم جانتے ہیں، متوازن غذا سے کیا مراد ہے؟

ٹیچر: بچو! متوازن غذا سے مراد ہماری کھانے پینے والی ایسی خوراک ہے جس میں اعلیٰ درجے کی غذائی صلاحیت موجود ہو۔

صائمہ اور عاتکہ: (یک زبان ہوکر) اعلیٰ درجے کی غذائی صلاحیت!!

ٹیچر: جی ہاں! اعلیٰ درجے کی غذائی صلاحیت سے مراد وہ غذا ہے جو اضافی کیلوریز سے پاک ہو اور ایسے طریقے سے تیار کی گئی ہو یا پکائی گئی ہو جس سے اس کے غذائی اجزا محفوظ رہیں، وہ نظامِ ہضم کو یا جسم کے کسی دوسرے نظام کو خراب نہ کرے۔

صائمہ: براہِ کرم! کچھ اور وضاحت کر دیں۔

ٹیچر: بچو! غذا میں اگر یہ خوبیاں، جن کا میں نے ابھی ذکر کیا ہے، نہ ہوں تو وہ نامکمل یا غیر متوازن غذا یا خوراک کہلائے گی۔ ایسی خوراک سے جسم میں درد کی شکایت، ہڈیوں کی کمزوری، منہ میں چھالے، بدہضمی، تیزابیت، نظر کی کمزوری اور جلد پر داغ دھبے ابھرنا جیسے امراض لاحق ہو سکتے ہیں۔

صائمہ: ٹیچر یہ تو ہم نے کبھی سوچا ہی نہیں، ہم تو بغیر سوچے سمجھے جو سامنے آئے کھا جاتے ہیں۔

ٹیچر: بچو! ہم کون سا جانور ہیں۔ ہمیں اللہ نے عقل و شعور دیا ہے۔ ہمیں اپنی صحت بہتر رکھنے کے لیے کھانے پینے والی اشیا کے بارے میں ہمیشہ غور کرنا چاہیے۔ جس طرح کسی گاڑی کو اچھے پیٹرول کی ضرورت ہوتی ہے۔ چولھا جلانے کے لیے اچھے ایندھن کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی طرح جسم کو تندرست و توانا رکھنے کے لیے اچھی اور متوازن غذا نہایت ضروری ہے۔

عاتکہ: ٹیچر آج آپ نے غذائی اجزا کے بارے میں بھی کچھ بتایا تھا، براہِ کرم! اس کی بھی وضاحت کر دیں۔

ٹیچر: متوازن غذا میں بنیادی طور پر چھے اجزا کا شامل ہونا ضروری ہے۔ یعنی کاربوہائیڈریٹس، وٹامنز، پروٹین، نمکیات، چربی اور پانی۔ زندگی اور صحت کو برقرار رکھنے کے لیے ان چیزوں کی جسم کو فراہمی نہایت ضروری ہے۔

صائمہ: ٹیچر! یہ اجزا کس طرح کی غذاؤں میں پائے جاتے ہیں؟

ٹیچر: یہ اجزا پھل، تازہ سبزیوں، گوشت، انڈے اور دودھ وغیرہ میں بدرجہ اتم پائے جاتے ہیں۔

صائمہ: ٹیچر آپ نے قدرتی غذا کے بارے میں بھی بتایا تھا، یہ کون سی غذا ہوتی ہے بھلا؟

ٹیچر: قدرتی غذا سے مراد ہے وہ چیزیں جو ہم پکا کر نہ کھائیں مثلاً کچی سبزیاں، تازہ پھل اور دودھ دہی وغیرہ قدرتی غذا میں شامل ہیں۔

عاتکہ: ٹیچر! ہمیں کھانے پینے کے متعلق کس چیز کی بہت زیادہ احتیاط کرنی چاہیے؟

ٹیچر: عاتکہ بیٹا! یہ تم نے بہت اچھا سوال کیا۔ یاد رکھیں صفائی ستھرائی متوازن غذا کا خاص حصّہ ہے۔ اگر پھل، سبزی، گوشت وغیرہ اچھی طرح صاف کر کے نہ استعمال کیے جائیں تو بیماریاں لاحق ہو سکتی ہیں۔ بہت کم یا بہت زیادہ کھانا بھی صحّت کے لیے نقصان دہ ہے۔

صائمہ: ٹیچر! کھانے کے بارے میں تو بہت سی معلومات مل گئیں، کچھ پینے کے بارے میں بھی بتا دیں۔

ٹیچر: یہ بات بھی بہت اہم ہے۔ پانی ہماری غذا اور جسم کا اہم جزو ہے۔ زیادہ ٹھنڈا اور زیادہ گرم پانی دونوں صورتوں میں نقصان دہ ہے۔ ہمیں پانی صاف شفّاف اور زیادہ پینا چاہیے۔ بازاری مشروبات سے حتی الامکان پرہیز کرنا چاہیے۔

عاتکہ: ٹیچر اگر اجازت دیں تو ایک سوال آپ کی ذات کے متعلق پوچھ لوں کہ آپ نے اپنے آپ کو اتنا چاق چوبند کیسے رکھا ہوا ہے؟

ٹیچر: (مسکراتے ہوئے) میں بازار کے کھانوں سے پرہیز کرتی ہوں۔ اس کے علاوہ گھی یا تیل کا غیر مناسب استعمال، مرچ مسالوں کی بہتات اور بے وقت کے کھانے نہیں کھاتی کیوں کہ یہ سب مختلف بیماریوں کا سبب بنتے ہیں۔ اور ہاں اس کے بعد چہل قدمی ضرور کرتی ہوں۔

عاتکہ: ٹیچر آپ کا بہت بہت شکریہ، تفریح کا وقت ختم ہو رہا ہے، ہم اپنی جماعت میں جائیں؟

ٹیچر: ٹھیک ہے جاؤ اور ہاں مجھے آپ جیسے بچے اچھے لگتے ہیں۔

صائمہ اور عاتکہ: (ایک ساتھ) شکریہ ٹیچر اللہ حافظ!

۳ ایک کسان کا صنعت کار سے مکالمہ

(ایک کسان کی چینی بنانے والے کارخانے میں صنعت کار سے ملاقات ہوتی ہے۔)

کسان: (جھجکتے ہوئے صنعت کار کے کمرے میں داخل ہوتا ہے) السلامُ علیکم!

صنعت کار: (کارخانے کا مالک) وعلیکم السّلام، آؤ بیٹھو! بتاؤ کیسے آنا ہوا؟

کسان: جناب گنے کا ٹرک لایا ہوں۔

صنعت کار: کتنے ٹرک لائے ہو؟

کسان: جناب! ایک ٹرک ہے۔

صنعت کار: صرف ایک ہی ٹرک؟

کسان: جناب آپ تو مذاق کر رہے ہیں، جب کہ آپ تو اچھی طرح جانتے ہیں کہ میں چھوٹا کاشت کار ہوں۔ تھوڑی سی زمین سے اتنی ہی فصل اگائی جا سکتی ہے۔

صنعت کار: اچھا! کتنی زیرِ کاشت زمین ہے تمھارے پاس؟

کسان: جناب صرف چار ایکڑ ہیں۔

صنعت کار: پھر تو کم از کم چار ٹرک آنے چاہییں تھے۔

کسان: چار ٹرک! جناب کیا بات کرتے ہیں، آپ نے ٹرک کا سائز دیکھا ہے کیا؟

صنعت کار: (مسکراتے ہوئے) چلو دو ٹرک تو بھر لیتے۔

کسان: آپ اس کرسی پر بیٹھ کر کہہ سکتے ہیں۔ آپ کو کیا خبر ہمارے مسائل کیا ہیں۔ ہماری زمینیں اس قابل کہاں کہ اتنی پیداوار دیں۔ نہر ہے نہیں، بارشیں وقت پر ہوتی نہیں اور کھاد میسّر نہیں۔ ہم غریب آخر کر کیا سکتے ہیں؟

صنعت کار: اتنی غریبی اور مجبوری بھی نہ دکھاؤ، حقیقت یہ ہے کہ تم لوگوں نے محنت کرنا چھوڑ دی ہے۔

کسان: (تھوڑا سا غصّہ کھاتے ہوئے) جناب! جتنی محنت ہم کرتے ہیں آپ تو سوچ بھی نہیں سکتے۔ باتیں کرنے میں اور محنت کرنے میں بہت فرق ہے۔ آپ تو وہ ہیں جو صرف ہم جیسوں کا مذاق ہی اڑا سکتے ہیں، تعاون نہیں کر سکتے۔

صنعت کار: تعاون کرنے سے تمھارا کیا مطلب ہے؟

کسان جناب آپ کے کارخانے کے باہر چار چار دن قطاروں میں کھڑے ہونا پڑتا ہے، پھر کہیں جا کر ہماری باری آتی ہے اور یہ کبھی سوچا ہے آپ نے کہ گنے کا بھاؤ کیا ہونا چاہیے؟ ہمیں دیتے کیا ہیں آپ؟ فصل کاشت کرنے کی محنت، اس کی لمحہ لمحہ حفاظت، اس کی کٹائی اور سب سے بڑھ کر اسے ٹرک پر لادنا، کارخانے تک لانا، اپنی باری کا انتظار کرنا۔ کیا یہ باتیں کبھی آپ کے ذہن میں آتی ہیں؟

صنعت کار: اوہو! تم تو غصہ ہی کر گئے۔ تم نے تو مجھے ظالم ہی سمجھ لیا۔ میرا مطلب تمھارا دل دکھانا یا تنگ کرنا نہیں تھا۔ میں تو چاہتا ہوں کہ تم لوگ زیادہ سے زیادہ اناج پیدا کرو تا کہ تمھارے گھروں میں خوش حالی آئے۔ جہاں تک گنے کی قیمت کی بات ہے تو وہ حکومت طے کرتی ہے۔ میں نے تو آپ لوگوں سے ہمیشہ تعاون کیا ہے۔ کبھی گنّا تولنے کی شکایت نہیں ہونے دی اور نہ ہی رقم ادا کرنے میں دیر کی۔ لوگ تو کئی کئی مہینوں بعد رقم کی ادائیگی کرتے ہیں جب کہ میں نے اسے تمھارے لیے نقد آور فصل بنا دیا ہے۔

کسان: (دھیمے لہجے سے) جی جی معاف کیجیے گا صاحب، میں بلا وجہ جذباتی ہو گیا تھا۔ آپ نے تو واقعی ہم غریب کسانوں کا خیال رکھا ہے۔

صنعت کار: (صوفے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) کوئی بات نہیں، بیٹھ جاؤ! کوئی ٹھنڈا یا گرم پینے کی طلب ہے تو بلا جھجک بتاؤ، منگوا دیتا ہوں۔

کسان: (خوش ہو کر صوفے پر بیٹھتے ہوئے) شکریہ سرکار! اللہ آپ کا بھلا کرے۔

صنعت کار: (ایک ملازم شریف حسین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ چودھری صاحب کے ساتھ جا کر گنا اتروا ؤ اور کیشیئر سے کہو کہ ان کا حساب کر دے) جائیں شریف حسین کے ساتھ، یہ آپ کے ساتھ جا کر گنا اترواتا ہے اور آپ کی رقم دلواتا ہے۔

کسان: (صوفے سے اٹھتے ہوئے) شکریہ جناب!

صنعت کار: اور ہاں کوئی اور بھی مسئلہ ہے تو بتا دو۔

(کسان تشکّر آمیز نظروں سے صنعت کار کی طرف پیچھے مڑ کر دیکھتا ہے، سینے پہ ہاتھ رکھ کے تھوڑا سا جھکتا ہے اور مسکراتے ہوئے ملازم کے ساتھ کمرے سے باہر چلا جاتا ہے۔)

۵ باپ کا بیٹے کے داخلے کے لیے پرنسپل سے مکالمہ

(بیٹے کے سالِ اوّل میں داخلے کے لیے ایک والد پرنسپل کے دفتر میں آتا ہے۔)

باپ: (دروازے سے اندر داخل ہوتے ہوئے) السلام علیکم! کیا میں اندر آ سکتا ہوں جناب؟

پرنسپل: وعلیکم السلام! آیئے تشریف لایئے! فرمائیں کیسے آنا ہوا؟

باپ: جناب میں اپنے بیٹے کے سالِ اوّل میں داخلے کے لیے آیا ہوں۔

پرنسپل: کس شعبے میں داخلہ لینا ہے آپ کے بیٹے نے؟

باپ: جناب! ہم اسے ڈاکٹر بنانا چاہتے ہیں۔

پرنسپل: بہت خوب! کتنے نمبر لیے ہیں صاحب زادے نے؟

باپ: (توقّف سے) میرا خیال ہے سات سو کے قریب قریب ہیں۔

پرنسپل: خیال ہے کا کیا مطلب؟ پورے نمبر بتائیں۔

باپ: جناب! میں اتنا پڑھا لکھا نہیں ہوں۔ (رزلٹ کارڈ پیش کرتے ہوئے) مہربانی کر کے یہ سرٹیفکیٹ خود ہی دیکھ لیجیے۔

پرنسپل: (رزلٹ کارڈ دیکھتے ہوئے) آپ کے بیٹے کے سات سو پندرہ نمبر ہیں۔ ہمارے کالج کے میرٹ سے کم ہیں، مشکل ہی ہے کہ اسے پری میڈیکل میں داخلہ مل سکے۔

باپ: مزدور کا بچہ ہے عالی جناب! پڑھتا بھی رہا ہے اور کام پہ میرا ہاتھ بھی بٹاتا رہا ہے۔ گھر میں اسے پڑھانے والا بھی کوئی نہیں تھا۔ خود ہی محنت کی ہے اس نے۔ آپ داخلہ دے دیں گے تو بہتر ہو جائے گا۔

پرنسپل: وہ تو آپ کی بات ٹھیک ہے لیکن ہمارے کالج میں داخلے میرٹ پر ہوتے ہیں۔

باپ: عالی جاہ! کرونا کے دنوں میں سکول بند رہے ہیں۔ یہ بھی وجہ بنی ہے اس کے نمبر کم آنے کی۔ اب یہ موذی وبا کم ہوئی ہے تو روزانہ پڑھنے آئے گا اور اچھے نمبر لے کر دکھائے گا آپ کو!

پرنسپل: آپ اسے ڈاکٹر ہی کیوں بنانا چاہتے ہیں؟ اسے کامرس یا آرٹس کے شعبے میں داخل کروا دیں کسی بینک میں اچھی نوکری مل جائے گی، وکیل بن جائے گا، جج بنے گا یا اور بیسیوں نوکریاں مل سکیں گی اس کو۔

باپ: (چہرے پر پریشانی کے آثار) بات تو ٹھیک ہے صاحب جی آپ کی لیکن میری اور اس کی ماں کی ساری عمر خواہش رہی ہے کہ وہ ڈاکٹر بنے۔ میں نے بہت محنت کر کے اسے پڑھایا ہے، حالاں کہ ہمارے حالات اچھے نہیں تھے۔ میں نے تنگیاں کاٹ لیں لیکن اسے سکول سے نہ اٹھایا۔ میرے بیٹے کا بھی دل ٹوٹ جائے گا اگر وہ ڈاکٹر نہ بنا تو۔

پرنسپل: آپ کا اتنا ہی اصرار ہے تو دیکھ لیتے ہیں۔ آپ دوسری یا تیسری میرٹ لسٹ کا انتظار کریں، ہوسکتا ہے کہ اس کا نام کسی لسٹ میں آجائے۔

باپ: اللہ آپ کا بھلا کرے!

پرنسپل: کیا کالج کے اخراجات برداشت کر پائیں گے آپ؟ میرا کہنے کا مطلب ہے اس کی فیس، یونیفارم، جیب خرچ، سٹیشنری کا خرچ، کتابوں، کاپیوں کا خرچ اور اس کے یہاں آنے جانے کا خرچ، کیسے اٹھا پائیں گے اتنا سارا بوجھ؟

باپ: (روہانسا ہو کر) داخلہ تو مل جائے، اللہ تعالیٰ کوئی نہ کوئی سبب بنا دے گا خرچے کا۔ اس کی ماں کی بالیاں ہیں، بیچ ڈالوں گا۔

پرنسپل: (سنجیدہ ہو کر) نہیں نہیں، اس کی نوبت نہیں آئے گی۔ آپ کے بیٹے کا داخلہ ہو گیا تو میرے پاس آیئے گا۔ اس کی فیس بھی معاف ہو جائے گی اور کالج کے بہبود فنڈ سے آپ کی مالی مدد بھی ہو جائے گی۔

باپ: (چہرہ خوشی سے کھل اٹھتا ہے) اللہ آپ کا اقبال بلند کرے، آپ کے بچے جییں۔

پرنسپل: شکریہ، اب آپ جائیں۔ بیٹے کا داخلہ ہو گیا تو اسے میرے پاس بھیج دینا، میں اسے سمجھا دوں گا کہ کیا کرنا ہے۔

(بچے کا والد خوشی خوشی دفتر سے باہر چلا جاتا ہے۔)

۶ الیکشن کے امیدوار اور ووٹر کے درمیان مکالمہ

(الیکشن میں حصہ لینے والا ایک سابق ممبر صوبائی اسمبلی نئے الیکشن کے لیے ووٹ مانگنے کسی کے گھر جاتا ہے جہاں اس کی ملاقات ایک ووٹر سے ہوتی ہے۔)

امیدوار: (ووٹر کے دروازے سے ظاہر ہونے پر پُرجوش ہوتے ہوئے) السّلام علیکم جناب!

ووٹر: وعلیکم السّلام، جی فرمایئے کیا خدمت کر سکتا ہوں آپ کی؟

امیدوار: شاید آپ نے پہچانا نہیں مجھے۔ میں آپ کے حلقے کا سابق ایم پی اے ہوں۔

ووٹر: اچھا اچھا! یاد آ گئی ہماری!

امیدوار: یاد کی کیا بات ہے، آپ تو ہمارے دل میں بستے ہیں جناب!

ووٹر: (طنزیہ لہجہ اختیار کرتے ہوئے) محلے میں بستے ہوئے تو کبھی پوچھا نہیں، یہ ہم دل میں کب سے بسنے لگے؟

امیدوار: (کھسیانی ہنسی کے ساتھ) ہم تو ہمیشہ سے جناب کے خدمت گار ہیں۔

ووٹر: لگے ہاتھوں کسی ایک خدمت کا بھی بتا دیجیے جو آپ نے ہمارے لیے کی ہو۔

امیدوار: (پریشان ہو کر) آپ کا مطلب ہے کہ میں نے پچھلے پانچ سالوں میں اس محلے کا کوئی کام نہیں کیا؟

ووٹر: کیا ہو گا لیکن میرے علم میں تو کبھی نہیں آیا۔

امیدوار: (جیب سے ایک فہرست نکالتے ہوئے) یہ دیکھیے ثبوت، ایک لمبی فہرست ہے خدمات کی جو میں نے اپنے حلقے کی فلاح و بہبود کے لیے انجام دیں۔

ووٹر: (قدرے حیرت سے) ذرا مجھے بھی دکھایئے۔

امیدوار: دیکھنا کیا ہے؟ میں پڑھ دیتا ہوں۔ پچاس سٹریٹ لائٹس، چھے سڑکوں کی مرمت، پارکوں کی صفائی، صاف پانی کی فراہمی، نکاسیِ آب کا انتظام، کیا کچھ نہیں کروایا میں نے؟

ووٹر: جناب! ہماری گلی میں تو آج تک کوئی کام نہیں ہوا۔ جگہ جگہ گڑھے نظر آتے ہیں، کہاں ہے نکاسیِ آب کا انتظام؟ ذرا ہم بھی تو دیکھیں۔

امیدوار: فنڈز آلینے دیں، یہ گلی بھی ٹھیک ہو جائے گی۔

ووٹر: فنڈز تو آپ کو تب ہی ملیں گے جب آپ آیندہ الیکشن جیتیں گے۔

امیدوار: کیا مطلب! آپ مجھے ووٹ نہیں دینا چاہتے؟

ووٹر: (مسکراتے ہوئے) نہیں جناب! کھری بات کرنے کا مطلب یہ نہیں کہ میں آپ کا مخالف ہوں۔ حق سچ کی بات سامنے کر دینی چاہیے۔ اجتماعی مفادات کی بات کرنا ہم سب کا فرض بنتا ہے۔

امیدوار: حق سچ کی بات تو یہ بھی ہے کہ میرا مخالف امیدوار اہلیت ہی نہیں رکھتا کہ اسے میرے حلقے سے ایک بھی ووٹ دیا جائے۔ نہ وہ یہاں کا مستقل رہائشی اور نہ ہی اس کا شان دار ماضی۔

ووٹر: (بحث کو آگے بڑھاتے ہوئے) آپ کہہ سکتے ہیں۔ وہ آپ کا سیاسی مخالف جو ہوا لیکن میرے خیال میں سیاسی مخالف ہونا اتنا بھی برا نہیں ہے۔ جو سیاست دان اپنے حلقے سے لے کر قومی سطح تک بہتر کارکردگی دکھائے گا، عزّت پائے گا۔ ویسے میں اعتماد سے کہہ سکتا ہوں کہ میرا ووٹ نظریاتی ہے۔

امیدوار: (ذرا سا چونک کر) نظریاتی سے آپ کی کیا مراد ہے؟

ووٹر: میں صرف شخصیت کو نہیں دیکھتا بلکہ غور کرتا ہوں کہ امیدوار کا تعلق کس پارٹی سے ہے اور اس کا منشور کیا ہے۔ کیا پارٹی نے جو امیدوار الیکشن کے لیے متعارف کرایا ہے، وہ اس قابل ہے کہ پارٹی کے منشور کے مطابق کام کر سکے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ منتخب ہونے کے بعد نہ تو وہ اپنے حلقے پر توجہ دے اور نہ ہی پارٹی کے منشور پر۔

امیدوار: پھر تو یقیناً آپ ہماری پارٹی کے منشور سے آگاہ ہوں گے۔ ہم نے ماضی میں بھی ملک و قوم کی خدمت کی ہے اور آیندہ بھی

کریں گے۔ جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے میری اپنی پارٹی کے ساتھ وابستگی آج کی نہیں ہے بلکہ تیس برسوں سے ہے۔ میں پارٹی کے ساتھ نہیں پارٹی کے نظریے کے ساتھ کھڑا ہوں۔

ووٹر: ہاں میں آپ کی پارٹی سے آگاہ ہوں اور اس کی کارکردگی بھی جانتا ہوں۔ کسی حد تک قوم سے کیے گئے وعدے نبھائے گئے ہیں۔

امیدوار: چلیں اسی بات کے بہانے آپ سے درخواست ہے کہ ووٹ ہماری پارٹی کو ہی دیجیے گا۔ ہم سے ماضی میں جو کمی یا کوتاہی ہوئی ہے ان شاء اللہ ہم آیندہ اس کا ازالہ کریں گے۔

ووٹر: (اثبات میں سر ہلاتے ہوئے) ان شاء اللہ ووٹ تو آپ ہی کی پارٹی کا ہوگا لیکن مخلصانہ مشورہ ہے کہ منتخب ہونے کے بعد حلقے کے عوام سے رابطہ ضرور رکھا کریں تا کہ جب بھی الیکشن آئے، میرے جیسے لوگوں سے ووٹ مانگتے ہوئے کسی قسم کی دشواری پیش نہ آئے۔

امیدوار: (الوداعی مصافحہ کرتے ہوئے) شکریہ جناب! ہمیں ایسے قیمتی ووٹوں کی ضرورت ہے، پورے خلوص سے کوشش ہوگی کہ آیندہ آپ کو کسی قسم کا شکوہ شکایت نہ ہو۔

ووٹر: امید ہے ایسا ہی ہوگا۔

امیدوار: اللہ حافظ!

ووٹر: اللہ حافظ!

(امیدوار کے کار میں روانہ ہونے تک ووٹر مسکراتے ہوئے چہرے کے ساتھ دروازے پہ کھڑا رہتا ہے۔)

۷ دو سہیلیوں کے درمیان کمپیوٹر، انٹرنیٹ کے مثبت اور منفی استعمال پر مکالمہ

(سال دوم کی طالبہ رضیہ کمپیوٹر سائنس کے ایک سبق کی رہنمائی لینے کے لیے اپنی سہیلی حلیمہ کے گھر آئی جسے کمپیوٹر کے متعلق بہت سی معلومات حاصل ہیں۔)

رضیہ: السلام علیکم!

حلیمہ: وعلیکم السلام، رضیہ کیسی ہو؟

رضیہ: میں ٹھیک ہوں۔ حلیمہ! مجھے کمپیوٹر سائنس کے موضوع کے بارے میں کچھ مدد چاہیے تھی۔

حلیمہ: (مسکراتے ہوئے) بیٹھ جاؤ! وہ بھی دیکھ لیتے ہیں، چائے وائے کا کیا موڈ ہے؟

رضیہ: نیکی اور پوچھ پوچھ۔

حلیمہ: (اٹھ کر کچن میں جاتی ہے پانچ چھے منٹ بعد چائے لے کر آتی ہے) لو چائے لو اور یہ بتاؤ کس موضوع نے تمھیں اتنا

پریشان کر دیا ہے؟

رضیہ: (ہنستے ہوئے) میری پریشانی تو تمھاری چائے نے دور کر دی ہے۔ رہی بات سبق کی، تم مل گئی ہو تو یہ مسئلہ بھی حل ہو جائے گا۔

حلیمہ: مسئلہ تو بتاؤ؟

رضیہ: ٹیچر نے آج ہمیں پاور پوائنٹ کے بارے بتایا، سر کے اوپر ہی سے گزر گئیں ان کی ساری باتیں۔

حلیمہ: بس! اتنی سی بات نے تمھیں پریشان کر دیا۔ تم دیکھنا میں تمھیں کمپیوٹر پر پاور پوائنٹ کا طریقِ کار بھی سکھاتی ہوں اور ایک Presentation بھی تیار کر کے دکھاتی ہوں۔

رضیہ: Presentation رہنے دو۔ مجھے صرف پاور پوائنٹ کی خاص خاص باتیں بتا دو۔

حلیمہ: (کتاب کو سامنے رکھتے ہوئے متعلقہ سبق پڑھتی جاتی ہے اور کمپیوٹر پر ساتھ ساتھ سمجھاتی جاتی ہے۔ رضیہ سیکھنے میں گہری دل چسپی ظاہر کر رہی ہے) بتاؤ جی! اب پاور پوائنٹ کی سمجھ آئی یا نہیں؟

رضیہ: واقعی تم تو کمپیوٹر کی استاد بن چکی ہو۔ اب تو میں بڑی آسانی سے اس کا عملی مظاہرہ بھی کر سکتی ہوں لیکن اس کا فائدہ کیا ہے؟

حلیمہ: دیکھو رضیہ! یہ موجودہ سائنسی دور کی بہترین ایجاد ہے۔ پڑھنے لکھنے میں اور عملی زندگی میں اس کے بہت سے فائدے ہیں۔ اِن پیج، ورڈ، ایکسل یا پاور پوائنٹ ہوں، ضرورت کے مطابق ان کا استعمال انتہائی مفید ہے۔

رضیہ: کیا انٹرنیٹ بھی ہمارے لیے سودمند ہے؟

حلیمہ: کیوں نہیں! انٹرنیٹ نے تو دنیا کو گلوبل ویلیج میں تبدیل کر دیا ہے۔

رضیہ: یہ تو ٹھیک ہے لیکن اس کا درس و تدریس میں کیا فائدہ ہے؟

حلیمہ: یہ جو تم اتنا سفر کر کے ایک سبق کی راہ نمائی لینے کے لیے میرے پاس آئی ہو، انٹرنیٹ کے ذریعے سے گھر بیٹھ کر بھی سمجھ سکتی ہو۔ یہ ایک سبق کیا، کسی بھی موضوع پر راہ نمائی درکار ہو تو اس سے بہتر ذریعہ کوئی نہیں ہے۔ کمپیوٹر اور انٹرنیٹ نے ہماری زندگی کو انتہائی آسان بنا دیا ہے۔

رضیہ: لیکن اس کے نقصانات بھی تو ہیں۔

حلیمہ: نقصانات کے ذمے دار ہم خود ہیں، اس کی ایجاد میں کوئی قصور نہیں ہے۔ انگریزی کا ایک مشہور مقولہ ہے ناں:

"Excess of everything is bad." یعنی ہر چیز کی زیادتی نقصان دہ ہے۔

ہم اندھا دھند کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کا استعمال کریں گے تو یقیناً اس سے بھی نقصان ہوگا اس لیے ہمیں اعتدال سے کام لینا چاہیے۔

رضیہ: آج تو تم مجھے دوست کم اور استاد زیادہ نظر آتی ہو۔ سچ کہہ رہی ہوں ناں؟

حلیمہ: (ہنستے ہوئے) ایسی بھی کوئی بات نہیں، ہم بے تکلّف دوست ہیں اس لیے میں نے تمھارے ساتھ کھل کر گفت گو کی ہے۔

رضیہ: میں تمھاری شکر گزار ہوں۔اب میں اجازت چاہتی ہوں، دیر ہورہی ہے، باہر میرا رکشا بھی آ گیا ہے۔اللہ حافظ!

حلیمہ: اللہ حافظ!

(حلیمہ اپنی دوست کو رخصت کرتی ہے اور وہ رکشے میں بیٹھ کر روانہ ہوجاتی ہے۔)

۸ دو دوستوں کے درمیان سگریٹ نوشی کے مضر اثرات پر مکالمہ

(دانیال اور دانش چھٹی کے بعد کالج سے ملحق پارک میں بیٹھے ہیں اور کسی موضوع پر گفت گو کر رہے ہیں، ان کا ہم جماعت یاسر سگریٹ کی ڈبیا سے سگریٹ نکالتا ہوا ان کے پاس آ تا ہے۔)

دانیال: (بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے) یاسر بھائی! ادب سے گزارش ہے کہ سگریٹ مت سلگائیں، مجھے اس کے دھوئیں سے سخت الجھن ہوتی ہے۔

یاسر: (لاپروائی سے) میں جانتا ہوں کہ آپ بہت نازک مزاج ہیں۔واقعی آپ جیسے لوگوں کو دھوئیں سے سانس لینے میں دشواری ہوتی ہے مگر میں مجبور ہوں، میں اس کافر کے بغیر رہ نہیں سکتا۔

دانیال: بھائی! آپ اس بات کو کب سمجھو گے کہ یہ آپ کی صحت کے لیے کس قدر نقصان دہ ہے۔(یاسر بغیر جواب دیے سگریٹ نوشی کے لیے پارک کی دوسری جانب چلا جاتا ہے۔)

دانش: چھوڑو دانیال! یہ بات اس کی سمجھ میں نہیں آئے گی۔

دانیال: ہاں! لیکن سگریٹ نوشی انسان کی صحت کو بری طرح متاثر کرتی ہے۔

دانش: بالکل ایسے ہی ہے۔سگریٹ میں موجود نیکوٹین وقتی طور پر تو دماغ کو سکون بخشتی ہے لیکن جسم کو بھرپور نقصان پہنچاتی ہے اور نیکوٹین ہی ہے جو سگریٹ کے نشے اور عادت کا باعث بنتی ہے۔

دانیال: سگریٹ کی لت بہت سی بیماریوں کو جنم دیتی ہے۔

دانش: یہ بھی تم نے ٹھیک کہا، سگریٹ نوشی جسم میں سب سے زیادہ پھیپھڑوں کو نقصان پہنچاتی ہے اور کینسر کا باعث بنتی ہے۔

دانیال: بالکل! اس کے علاوہ آنکھوں کا پیلا پڑنے اور رنگت میں فرق آنے کا بھی باعث ہے۔

دانش: (کچھ سوچ کر) دانیال! تم نے غور کیا کہ سگریٹ نوشی کا رجحان آج کل کے نوجوانوں میں تیزی سے بڑھ رہا ہے۔

دانیال: (اثبات میں سر ہلاتے ہوئے) افسوس! کہ یاسر جیسے کئی نوجوان سگریٹ نوشی کی زد میں آ جاتے ہیں اور نہ چاہتے ہوئے بھی اپنی صحّت کی بربادی کا سبب خود بنتے ہیں۔

دانش: بالکل بھائی! یہ کہاں کی دانائی ہے کہ رقم بھی ضائع کرو اور صحّت و تندرستی بھی۔

دانیال: (کچھ توقّف سے) مجھے یاد ہے کہ ہمارے کالج کی ایک تقریب میں پرنسپل صاحب نے کہا تھا کہ جلتے ہوئے سگریٹ کے ایک سرے پر آگ کا دھواں اور دوسرے سرے پر ایک احمق کش پہ کش لگا رہا ہوتا ہے۔ عقل منداور مہذب شخص اپنی صحت وتندرستی کا خیال خود ہی رکھتا ہے۔ اگر ہم سگریٹ اور اس جیسے تمام نشوں سے دور رہیں گے، تبھی ہم ایک صحت مند معاشرے کی بنیاد رکھ سکیں گے۔

دانش: ہماری حکومت کو چاہیے کہ سگریٹ نوشی کی روک تھام کے لیے موثر اقدامات کرے تا کہ ہمارا معاشرہ اس بیہودہ لت سے عوام النّاس بالخصوص نوجوانوں کومحفوظ رکھ سکے۔

دانیال: میرے خیال میں تو حکومت کو سگریٹ کی قیمت اتنی بڑھا دینی چاہیے کہ یہ عام لوگوں کی دسترس میں نہ ہو۔ اس سے سگریٹ نوشی کے رجحان کو کم کیا جا سکتا ہے۔

دانش: جی ہاں! حکومتی پالیسی سخت سے سخت تر ہونی چاہیے مگر پھر بھی اپنی صحت اور زندگی کا احساس جب تک ہمیں خود نہیں ہوتا، اس وقت تک کوئی بھی کچھ نہیں کر سکتا۔

دانیال: ایسے لوگوں کو اللہ ہی ہدایت دے جو اپنا ہی جسم سگریٹ اور منشیات سے تباہ کرتے ہیں۔

دانش: میں اصل بات تو بتانا ہی بھول گیا۔ کل لالہ کلب کے ساتھ کرکٹ کا میچ ہوگا۔ تم نے ضرور آنا ہے تا کہ یہ میچ بھی ہم اپنے نام کر سکیں۔

دانیال: ضرور، ضرور۔ ان شاء اللہ کھیلیں گے۔

دانش: اللہ حافظ!

دانیال: اللہ حافظ!

چند مجوزہ مکالمہ جات

- دو دوستوں کے درمیان ڈینگی بخار سے حفاظت کے موضوع پر مکالمہ تحریر کریں۔
- دو دوستوں کے درمیان موبائل فون کے فوائد اور نقصانات پر مکالمہ لکھیں۔
- دو دوستوں کے درمیان برداشت اور صبر و تحمل کے موضوع پر مکالمہ تحریر کریں۔
- استاد اور شاگرد کے درمیان وقت کی پابندی کے موضوع پر مفصّل مکالمہ تحریر کریں۔
- ڈاکٹر اور مریض کے درمیان کرونا وبا سے بچاؤ کے حوالے سے قدرے مفصّل مکالمہ تحریر کریں۔
- دو دوستوں کے درمیان اردو زبان کی اہمیت کے موضوع پر مکالمہ تحریر کریں۔
- استاد اور شاگرد کے درمیان ''ٹی۔وی کے فوائد'' پر مکالمہ تحریر کریں۔
- طالب علم اور سٹیشنری فروش کے درمیان سٹیشنری کی بڑھتی ہوئی قیمتوں کے بارے میں مکالمہ لکھیں۔
- وقت کی پابندی کے موضوع پر بہن اور بھائی کے درمیان مکالمہ تحریر کریں۔

- دو دوستوں کے درمیان ابتدائی طبی امداد کے بارے میں مکالمہ تحریر کریں۔
- ''تعلیم ہر بچے کا بنیادی حق ہے'' کے موضوع پر دو دوستوں کے درمیان مکالمہ تحریر کریں۔
- دو ہم جماعتوں کے درمیان کھیلوں کے فائدے اور نقصانات پر ایک مکالمہ تحریر کریں
- دو دوستوں کے درمیان لوڈ شیڈنگ کے موضوع پر مکالمہ لکھیں۔
- گاہک اور درزی کے درمیان ایک مفروضہ مکالمہ لکھیں۔

آپ بیتی یا خودنوشت

آپ بیتی اور خودنوشت ہم معنی الفاظ ہیں۔آپ بیتی سے مراد ہے ان حالات، واقعات اور کیفیات کا بیان سے جن سے کوئی شخص خود گزرا ہو۔خود کے معنی بھی اپنے آپ کے ہیں جب کہ نوشت فارسی کے مصدر نوشتن سے نکلا ہے جس کے معنی لکھنا، تحریر کرنا وغیرہ کے ہیں۔گویا اپنی ذاتی زندگی کے احوال و واقعات کا ایسا بیان آپ بیتی یا خودنوشت کہلاتا ہے جس میں مصنّف کی داخلی کیفیات اور احساسات بھی شامل ہوتے ہیں۔ایک اچھی آپ بیتی زندگی کے بارے میں مصنّف کے نقطۂ نظر کی ترجمان ہوتی ہے جو مندرجہ ذیل دو خصوصیات کی حامل ہوتی ہے:

(الف) زندگی کا غیر جانب دارانہ جائزہ (ب) متاثر کُن اسلوبِ نگارش

اردو زبان میں آپ بیتی کا آغاز مولانا جعفر تھانیسری کی خودنوشت ''کالا پانی'' سے ہوا۔اردو زبان و ادب کے حوالے سے مولانا حسرت موہانی کی ''قیدِ فرنگ'' ایک بہترین خودنوشت ہے۔، دیوان سنگھ مفتون کی ''ناقابلِ فراموش''، جوش ملیح آبادی کی ''یادوں کی برات''، احسان دانش کی ''جہانِ دانش'' اور قدرت اللہ شہاب کی ''شہاب نامہ'' جیسی تحریریں بھی اردو ادب کا سرمایہ ہیں۔

ہمارے نصاب میں عام طور پر شخصیات کی آپ بیتی موضوعِ بحث نہیں ہوتی بلکہ غیر حقیقی اشیا، جمادات اور نباتات آپ بیتی کا موضوعِ سخن ہوتے ہیں۔ان چھوٹے چھوٹے موضوعات پر آپ بیتی لکھنا دراصل ادیبانہ اسلوب کا تقاضا کرتا ہے۔جس طرح انشائیہ کا موضوع کوئی چھوٹی سے چھوٹی چیز مچھر، کیڑا، اور عینک وغیرہ ہو سکتے ہیں جن کے متعلق لکھتے ہوئے انشائیہ نگار ایسا نیم مزاحیہ اندازِ تحریر اختیار کرتا ہے کہ قاری زیرِ لب مسکراتے ہوئے ایک نشست میں اسے پڑھ لیتا ہے، ایسا ہی اندازِ تحریر آپ بیتی کے لیے بھی اختیار کرنا چاہیے۔کرسی، میز، مکان، پھول اور درخت جیسے موضوعات چنیے اور ان مجرّد اور بے زبان اشیا کو متشخّص کرتے ہوئے انھیں گویائی دیجیے اور قلم کی جولانیاں دکھایئے اور ایک اچھے شاعر اور ادیب کی طرح اپنے مشاہدے، تجربے اور قوّتِ متخیّلہ کو بروئے کار لاتے ہوئے حقیقت اور مبالغہ آرائی کے خوب صورت امتزاج سے بامقصد تحریر صفحۂ قرطاس پر منتقل کر دیجیے۔

چند اہم ہدایات

- ادبی شان کی حامل آپ بیتی تخلیق کریں۔
- موضوع کے مطابق صیغہ واحد متکلّم یا جمع متکلّم اختیار کریں۔مقبولِ عام کردار کو'میں' یا 'ہم' کے طرزِ تخاطب سے شروع کریں۔
- زیبِ داستاں کے لیے رنگ آمیزی، جدّت اور دلچسپی پیدا کریں۔
- واقعات کی ترتیب و تنظیم زمانی اور مکانی حقائق کے مطابق منطقی اور فطری ہونی چاہیے۔
- معاشرتی مسائل کی نشان دہی کی جائے۔
- معاشرے کی بے راہ روی اور خرابی کی اصلاح کے لیے طنز و مزاح کا انداز اپنایا جاسکتا ہے۔
- موقع محل کے مطابق محاورے اور ضرب الامثال استعمال کریں لیکن ان کی بھرمار نہ ہو۔
- اچھے موضوع اور موقع کی مناسبت سے معیاری اشعار سے مدد لی جاسکتی ہے۔
- زبان میں سلاست، تازگی اور شگفتگی قائم رہے۔
- غیر اخلاقی اور متعصّبانہ باتوں سے بہر صورت گریز کریں۔

۞

① ایک پھول کی آپ بیتی

ایک خزاں زدہ پھول اپنی آپ بیتی کا آغاز ان اشعار سے کرتا ہے:

ہوتے ہیں پائمال تو کہتے ہیں زرد پھول　　کل رحمتِ عمیم کا ہم پر بھی تھا نزول
یارانِ بوستاں میں ہمارا بھی تھا شمول　　اے راہ رو نہ ڈال ہمارے سروں پہ دھول
ہر چند انجمن کے نکالے ہوئے ہیں ہم
لیکن صبا کی گود کے پالے ہوئے ہیں ہم

جناب میرا یہ بکھرا ہوا وجود، یہ حالتِ زار، یہ اُڑی اُڑی سی رنگت، یہ پژمردگی اور یہ بے قدری جو اس وقت آپ کے پیشِ نظر ہے، کبھی میرے تصوّر میں بھی نہیں تھی۔ میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ عروج یوں بھی زوال پذیر ہوتا ہے، بلندیاں یوں بھی پستیوں کا شکار ہوتی ہیں اور لطف و عنایات یوں بھی نظر اندازی کی زد میں آسکتی ہیں۔استغفار، استغفر اللہ، استغفر اللہ۔آج سے صرف ایک سال پہلے کی بات ہے کہ باغِ جناح میں شجر کاری مہم کی ایک خوب صورت تقریب کا اہتمام کیا گیا۔اس تقریب کی صدارت کمشنر صاحب نے کی۔تقریب کے اختتام پر باغ کے عین وسط میں رنگ برنگے پھولوں کے درمیان کمشنر صاحب کے دستِ مبارک سے گلاب کا ایک پودا لگایا گیا۔باغ کے ملازمین نے اس پودے پر بالخصوص بہت توجہ دی۔وہ ہر ہفتے اس کے ارد گرد گوڈی کرتے، کھاد ڈالتے اور وقتِ

ضرورت اس کی آبیاری کرتے۔

موسمِ بہار آتے ہی اس پودے پر سرسبز کونپلیں پھوٹنے لگیں۔ چند ہی دنوں میں وہ سبز پتّوں سے بھر گیا اور ساتھ ہی اس کی شاخوں پر بے شمار غنچے نمودار ہونے لگے۔ گلاب کے اس پودے کے عین سرے پر نسبتاً ایک بڑا غنچہ نمودار ہوا جو میری پیدائش کی خوش خبری کا اعلان تھا۔ مجھے باغ میں ارد گرد رنگ آمیزی کرتے، خوشبوئیں بکھیرتے، چراغِ لالہ بنتے اور لہلہاتے پھول نظر آتے تو میں ان کی دل کشی پر رشک کرتا اور دل ہی دل میں ان جیسا وجود پانے کی دعائیں مانگتا۔ ایک دن سورج کی روشن کرنیں میرے لیے نویدِ صبحِ بہار لائیں اور میں بھی کھلتے ہوئے ایک پھول کی صورت اختیار کر گیا:

اُف یہ دستورِ چمن ، آہ یہ آئینِ حیات
پھول کہلاتا ہے غنچے کا پریشاں ہونا

میرا پُر کشش اور دل کش وجود، میری تازگی اور شگفتگی، میری چٹک اور چمک دمک اور باغ میں میرا مقام و مرتبہ، میں اپنے آپ کو دیکھ دیکھ کے پھولے نہ سماتا تھا۔ میری رنگ آمیزی، نزاکت اور خوب صورتی نے مجھے وہ فخر و ناز عطا کیا کہ شاید و باید۔ باغ میں جو بھی داخل ہوتا فوراً میری طرف کھنچا چلا آتا۔ طلبہ، لڑکے، لڑکیاں، چھوٹے، بڑے سب میرے ساتھ کھڑے ہو کر تصویریں بنواتے۔ رات کی تنہائی، گہرے سنّاٹے اور اندھیرے میں بھی میری سرخ رنگت چراغ کی طرح روشن نظر آتی۔ آنے والا ہر لمحہ میری قدر و قیمت میں اضافے کا سبب بنتا۔ مگر دل ہی دل میں مجھے دو طرح کے خدشات لاحق تھے۔ ایک یہ کہ کہیں مجھے کسی کی نظر نہ لگ جائے اور دوسرا یہ کہ کہیں کوئی مجھے کوئی توڑ کر پودے سے الگ نہ کر دے۔ باغ میں جگہ جگہ ''پھول توڑنا منع ہے'' کے بورڈ آویزاں تھے جنھیں پڑھ کر مجھے تسلّی ہو جاتی تھی لیکن:

پھول کھلے ہیں لکھا ہوا ہے توڑو مت
اور مچل کر جی کہتا ہے چھوڑو مت

وہی ہوا جس کا مجھے خوف اور ڈر تھا۔ ایک لڑکی نے للچائی ہوئی نظروں سے مجھے دیکھا، ادھر اُدھر پھرتے ملازمین سے آنکھ چرائی، اس کا ظالم ہاتھ میری طرف بڑھا اور اس نے نہایت بے دردی سے مجھے پودے سے جدا کر دیا اور جھٹ سے مجھے اپنے جُوڑے میں سجا لیا:

نہیں یہ شانِ خودداری ، چمن سے توڑ کر تجھ کو
کوئی دستار میں رکھ لے ، کوئی زیبِ گلو کر لے

پودے سے جدا ہوا تو جیسے میری گردن ہی کٹ گئی۔ مجھے یوں لگا جیسے میرے وجود سے سارے کا سارا خون نچڑ گیا ہو، جیسے دل کی دھڑکن بند ہو گئی ہو یا جیسے میری سانسیں رک گئی ہوں یا جیسے میری زندگی کا اخیر دن آ گیا ہو۔ میں ابھی اپنے آپ کو نزع کے عالم میں محسوس کر رہا تھا کہ میرے کان میں ایک اور نویدِ زیست سنائی دی۔ اُس لڑکی کی ایک سہیلی مجھے اس کے جُوڑے میں سجا دیکھ کر کہہ رہی تھی: ''یہ پھول تو تمھارے جُوڑے میں پودے سے بھی زیادہ تازہ اور شگفتہ محسوس ہو رہا ہے۔''

لڑکی کی سہیلی کے روح افزا اور جاں بخش الفاظ میرے کان میں کیا پڑے، میں تو پھر سے جی اٹھا۔ وہی گھمنڈ، وہی فخر و ناز میرے دل و دماغ میں دوبارہ سرایت کر گیا۔ لیکن دنیا فانی ہے، ہر ایک نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ میں اپنے کبر و غرور اور نادانی میں اس حقیقت کو فراموش کر بیٹھا تھا۔ گھر پہنچتے ہی اس لڑکی کا ظالم ہاتھ ایک مرتبہ پھر میری طرف بڑھا اور اس نے جھٹ سے مجھے اپنے بالوں سے کھینچا اور بڑی بے مروّتی سے ڈریسنگ ٹیبل پر رکھ دیا۔ وہاں شیشے میں مجھے اپنی شکل نہیں بلکہ اپنی اوقات نظر آ رہی تھی:

کچھ ایسے پھول بھی گزرے ہیں میری نظروں سے
جو کھل کے بھی نہ سمجھ پائے زندگی کیا ہے

مجھے زندگی کے عروج و زوال کی سمجھ آ گئی۔ مجھ پر ''ہر کمال را زوال'' کی حقیقت واضح ہو گئی۔ میری رنگت وہاں پڑے پڑے رات بھر میں پیلی پڑ گئی۔ مجھے یقین ہو گیا کہ صبح ہوتے ہی کوڑے دان میں پھینک دیا جاؤں گا۔ صبح ہوئی تو وہی ظالم ہاتھ ایک مرتبہ پھر میری طرف بڑھا، لیکن میری توقع کے خلاف، کُوڑے کی ٹوکری میں پھینکنے سے بھی بڑا ظلم کرتے ہوئے اس لڑکی نے مجھے ایک موٹی سی کتاب میں رکھ لیا اور میری بچی کھچی سانسیں بھی مجھ سے چھین لیں۔ کالج جاتے ہی اس کے دل میں جانے کیا سوجھی، مجھے کتاب سے نکالا اور باریک سوئی میرے سینے سے آر پار کرتے ہوئے عبرت کے طور مجھے نوٹس بورڈ پر چپکا دیا۔ میں اس وقت نوٹس بورڈ ہی پر چسپاں ہوں اور اپنی لہلہاتی زندگی یاد کر کے خون کے آنسو رو رہا ہوں۔

۞

② ایک قلم کی آپ بیتی

ایک قلم اپنی آپ بیتی سناتے ہوئے کہتا ہے کہ مجھے عَرَبی میں قلم، فارسی میں خامہ یا کلک اور انگریزی میں Pen کہتے ہیں۔ میری بہت سی صورتیں ہیں۔ پرانے دور میں مجھے پرندے کے پر سے بنایا جاتا تھا، خاص طور پر بادشاہ، وزیر اور نواب مور کے پر کی تراش خراش کر کے اسے بطور قلم استعمال کرتے اور پروانے جاری کرتے تھے۔ عرصۂ دراز تک مختلف اقسام کی لکڑی سے مجھے تخلیق کیا گیا۔ پھر زمانے نے کروٹ اور سائنسی ترقی نے میری شکل بدلی اور مجھے لوہے، ربڑ اور پلاسٹک وغیرہ سے تخلیق کیا جانے لگا۔ ہولڈر، پینسل، بال پوائنٹ اور پوائنٹر وغیرہ میری ہی ترقی یافتہ شکلیں ہیں۔ میری اشکال میں وسعت کی طرح میرے مفاہیم بھی متنوّع ہیں۔ عربی زبان میں قلم کے لغوی معنی کاٹنے یا تراشنے کے ہیں۔ غیر مادی مفہوم میں مجھے اُس قابلِ فہم تجزیاتی صلاحیت کا نام دیا جاتا ہے جس سے انسان زندگی کے حسّیاتی اور غیر حسّیاتی مثبت یا منفی پہلوؤں سے آگاہی حاصل کرتا ہے۔ مادی لحاظ سے بھی میرے مفاہیم مختلف النوع ہیں جو لسانی، فنی، اور تکنیکی حصوں میں تقسیم کیے جا سکتے ہیں۔ لسانی تناظر میں جانچیے تو میں وہ ہوں جس سے کسی بھی زبان کے حروف، الفاظ اور جملے لکھے جاتے ہیں۔ فنی لحاظ سے کاتب یا مصوّر کا وہ آلہ ہوں جس سے وہ اپنے شاہ کار تخلیق کرتا ہے اور تکنیکی لحاظ سے وہ کی بورڈ (Key Board) ہوں جو ٹائپ رائیٹر، کمپیوٹر یا موبائل فون وغیرہ پر نصب ہوتا ہے، مختصر یہ ہے کہ میرے

معنی و مفہوم کچھ بھی ہوں، میری ضرورت واہمیت مسلّم ہے۔ میں سقراط کے ہاتھ میں سچائی کا اعلان ہوں، افلاطون کے ہاتھ میں مثالیت کا نظریۂ حیات ہوں، ارسطو کے ہاتھ میں وجودیت کے مظاہر پیش کرتا ہوں۔ کتنا خوش قسمت ہوں کہ قرآن پاک اور احادیث میں مرقوم ہوں۔ فنکار کے ہاتھ میں ہوں تو کہیں تصویریں بناتا ہوں، کہیں کیلی گرافی کے جوہر دکھاتا ہوں، کہیں کتابت اور کہیں رسم الخط کی مثالیں قائم کرتا ہوں۔ سائنس دان کے ہاتھ میں ہوں تو کتنے فارمولے، نظریے اور تجربے میرے مرہونِ احسان ہیں۔ ادیب کے ہاتھ میں ہوں تو داستان، ناول، افسانہ، مضمون اور انشائیہ تخلیق کرتا ہوں اور شاعر کے ہاتھ میں ہوں تو رباعی، مثنوی، مرثیہ، قصیدہ، غزل اور سب سے بڑھ کر حمد و نعت رقم کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں۔

آپ کو ایک بات بتانا تو بھول ہی گیا۔ میرا اصل منصب یہ ہے کہ میں پڑھنے اور پڑھانے کے عمل میں بنیادی کردار ادا کرتا ہوں۔ کمرۂ جماعت میں تختۂ سیاہ ہو تو معلمین عام طور پر سفید چاک کی صورت میں مجھے استعمال کرتے ہیں اور اگر تختۂ سفید (White Board) ہو تو سیاہ یا رنگین مارکر سے علم کے رنگ بکھیرتے ہیں۔ میں طلبہ کے ہر جگہ کام آتا ہوں۔ کمرۂ جماعت میں ان کی نوٹ بکس اور امتحان گاہ میں ان کی جوابی کاپیاں میری مرہونِ منّت ہیں۔ وہ جیسے چاہیں صفحۂ قرطاس پر علم کے موتی بکھیریں، میں بہر حال ہمہ وقت ان کی معاونت میں پیش پیش رہتا ہوں۔

حضرات! کسی بھی معاشرے میں عدل و انصاف کی اقدار ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے۔ میں جس وقت منصف کے ہاتھ میں ہوتا ہوں تو دراصل انسانیت کے تحفّظ پر مامور ہوتا ہوں۔ انصاف پر مبنی فیصلے قوموں کی تقدیر لکھتے ہیں۔ تاریخ اسلام میں رسول اللہ خَاتَمُ النَّبِيِّنَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کے کیے گئے فیصلے سنہری الفاظ میں رقم ہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عدالت کسے یاد نہیں کہ انصاف کا علم بلند رکھنے کے لیے خود بھی ملزموں کے کٹہرے میں کھڑے ہو گئے۔ محترمین! خدانخواستہ اگر ناانصافی پر مبنی فیصلہ رقم ہو رہا ہو تو میں کانپ کانپ جاتا ہوں، میرا سر شرم سے جھک جاتا ہے اور میں سر جھکائے اللہ تعالیٰ سے ایسے غلط منصف کے لیے ہدایت اور قوم کے لیے رحم کی دعا مانگتا ہوں۔

رسول اللہ خَاتَمُ النَّبِيِّنَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کا ارشاد ہے: ''روزِ قیامت علما کے قلم کی سیاہی اور شہدا کے خون کو تولا جائے گا تو علما کے قلم کی سیاہی شہدا کے خون سے زیادہ وزنی ہو جائے گی۔'' (بحوالہ کنز العمال ۱۰/۱۴۱) آپ خَاتَمُ النَّبِيِّنَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کا یہ ارشاد ایسا کھرا اور شفّاف آئینہ ہے کہ جس میں ہر دور کی تاریخ کو دیکھا جا سکتا ہے۔ تلوار اور قلم ہر دور میں موجود رہے ہیں اور عوام و خواص کو ہمیشہ اس کی ضرورت رہی ہے۔ فرق یہ ہے کہ تلوار وقتی ضرورت کو پورا کرتی ہے جب کہ قلم دائمی ضروریات کی تسکین کا باعث ہے۔ سوائے اللہ تعالیٰ کی راہ میں تلوار اٹھانے والے کے، کون ایسا شخص ہے جس کا نام زندہ رہا، جب کہ اہلِ قلم کبھی فنا نہیں ہوتے:

تاریخ کے اوراق الٹ کر ذرا دیکھو   ہر دور میں تلوار ہی ہاری ہے قلم سے

میں اپنی بحث ان الفاظ میں سمیٹتا ہوں کہ میں وہ آلہ ہوں جس سے تعمیر بھی کی جا سکتی ہے اور تخریب بھی۔ اب یہ قلم کار پر منحصر ہے کہ وہ کس ظرف کا مظاہرہ کرتا ہے:

عشق کی چوٹ تو پڑتی ہے دلوں پر یکسر   ظرف کے فرق سے آواز بدل جاتی ہے

۳ ایک درخت کی آپ بیتی

میں آم کا ایک درخت ہوں۔ کئی سال پہلے میرے مالک نے مجھے ایک گملے سے نکال کر اپنے باغیچے میں لگا دیا۔ باغیچے کا ماحول میرے لیے یک سر اجنبی تھا۔ میری اس اجنبیت کو کم کرنے کے لیے باغیچے کا مالی روزانہ میری ننھی سرخ کونپلوں پر بڑے پیار سے ہاتھ پھیرتا، مجھے پیار کرتا اور خصوصی توجہ دیتا۔ وقت گزرتا گیا، مجھے اس ماحول سے شناسائی ہونے لگی۔ زرخیز مٹی میں نمکیات اور پانی کی فراہمی میری خوراک کا لازمی جز و تھے۔ مجھے میری خوراک اور موسموں کے تغیّر و تبدّل کی سختی سے بچانے کے مناسب انتظامات باغیچے کے مالی کی اوّلین ترجیحات میں شامل تھے۔ سردیوں سے مجھے سخت نفرت تھی کیونکہ موسم سرما کے زمانے کا گردوغبار میری ننھی کونپلوں پر جم جاتا تھا اور رات کو پڑنے والا کہرا میرے روشنی جذب کرنے والے مسامات کو متاثر کرتا تھا۔ موسم سرما کی شدت مجھے اکثر بیمار کر دیتی تھی۔ مالی مجھے سردی سے بچانے کی بھرپور کوشش کرتا لیکن موسم کی شدت کے آگے وہ بھی بے بس ہو جاتا۔

فروری کے مہینے میں موسمِ سرما کی شدت کم ہوتی تو مجھے بھی سکھ کا سانس آتا۔ بارانِ رحمت میری ننّھی کونپلوں کے چہرے کو دھوڈالتا اور پورا جسم کھل اٹھتا۔ میرے رخ پر ہریالی مسکرانے لگتی، جسے دیکھ کر مالی کا چہرہ بھی کھل اٹھتا۔ موسمِ گرما میرا پسندیدہ موسم ہے۔ جون اور جولائی کی گرمی برداشت کرنا اگرچہ مشکل کام ہوتا ہے لیکن میں جوانی کے ایام میں قدم رکھ چکا تھا، اس لیے گرمی کی شدّت مجھ پر اثر انداز نہیں ہوتی تھی۔ مارچ اور اپریل میں پھوٹنے والی میری ننھی کونپلیں مئی میں مکمل پتّوں کی صورت میں ڈھل جاتی تھیں۔ یہی پتّے ماحول میں آلودگی کم کرنے اور آکسیجن کی فراہمی میں میرے مددگار بن جاتے اور میری قوتِ برداشت بڑھ جاتی۔ موسمِ برسات کی آمد سے پہلے میری ٹہنیوں پر بُور آنے اور ننھے پھل لگنے کا مرحلہ مکمل ہو جاتا۔ اپریل میں میری شاخوں پر آنے والا بُور ننھے آم کے پھل کی شکل اختیار کر لیتا تو چھوٹے چھوٹے آموں کو بچے بڑی حسرت سے دیکھتے۔ آخرکار جولائی اگست میں ساون کی جھڑی لگ جاتی اور میرے پھل پکنے کے لیے تیار ہو جاتے۔ لوگ میرے پھل مزے لے لے کر کھاتے اور مجھے پھلوں کے بادشاہ کے لفظ سے نوازتے، میرے سائے میں بیٹھ کر پھلوں کا مزہ لیتے اور اکثر میرے کانوں میں یہ آواز بھی پڑتی کہ مشہورِ زمانہ شاعروں مرزا غالب اور علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی بے حد مرغوب غذا رہا ہوں۔

ہر سال وقت اپنے آپ کو دہراتا چلا جاتا اور میں گزشتہ سالوں کے مقابلے میں ہر اگلے سال اپنی زیادہ توانائی صرف کرنے کی کوشش کرتا تھا کہ مجھ پر اور زیادہ پھل لگیں اور میں خدمتِ خلق کا پہلے سے بھی بہتر فریضہ انجام دیتا رہوں۔ تیس چالیس سال کا عرصہ پلک جھپکتے گزر گیا۔ مجھے ایسا لگتا ہے کہ جیسے یہ کل ہی کی بات ہو۔ اب باغیچے میں میرے بعد لگائے گئے پودے جو میری آنکھوں کے سامنے نشوونما پا کر پلے بڑھے تھے، ان پر زیادہ پھل پھول لگنے شروع ہو گئے۔ میرا مالی اب ان کی دیکھ بھال میں زیادہ مصروف رہتا۔

مجھ پر اب کم پھل لگتے ہیں۔ شاید اب میں بڑھاپے کی طرف گامزن ہونے لگا ہوں۔ مجھ پر بور آنا بھی بند ہو گیا ہے۔ اب میری

شاخوں میں کونپلیں پھوٹنے کی صلاحیت بھی کم ہوگئی ہے۔موسم کی سختیاں برداشت سے باہر ہیں۔مالی کی عدم دلچسپی کی وجہ سے میرے جسم کے کچھ حصّے خشک ہونے لگے ہیں۔وہی لوگ جوکل تک میرے سائے میں میرے پھلوں کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملاتے دکھائی دیتے تھے، اب میرے پاس بیٹھنا بھی پسند نہیں کرتے۔ناقدری کا یہ عالم ہے کہ کچھ دنوں سے مجھے لوگوں کے ہاتھوں فروخت کرنے کی کوششیں ہو رہی ہیں۔مجھے معلوم ہے کہ میرے بِک چکنے کے بعد میرے خریدار انتہائی بے دردی سے میری جڑوں کو کاٹ کر مجھے فنا کر دیں گے۔میرے جسم کے کچھ حصوں کو کاٹ کر ایندھن کی نذر کیا جائے گا اور کچھ حصوں کو چیر پھاڑ کر فرنیچر کے کام میں لایا جائے گا**...**مگر مجھے خوشی اس بات کی ہے کہ سوکھنے اور کٹ جانے کے بعد بھی میں خدمتِ خلق کا فریضہ انجام دیتا رہوں گا، بقول شاعر:

مجھے گلہ نہیں ناقدریِ زمانہ کا
میں ابتدا سے نگاہِ گہرشناس میں تھا

❁

۴ اُردو زبان کی آپ بیتی

میں اردو زبان ہوں اور مجھ پر اللہ تعالیٰ کا خاص احسان ہے کہ میں اس وقت اسلامی جمہوریہ پاکستان کی قومی زبان ہوں۔ میرا خمیر برِصغیر کی سرزمین سے صدیوں پہلے تیار ہوا۔ابتدا میں مجھے بے شمار ناموں سے پکارا گیا۔گیارھویں سے چودھویں صدی عیسوی تک مجھے ہندی اور ہندوی کہا گیا۔پندرھویں اور سولھویں صدی میں مجھے دہلوی کے نام سے پکارا گیا۔اس کے بعد مجھے گوجری کہا گیا۔ کچھ شعرا نے مجھے دکنی کہا اور کچھ ماہرین نے مجھے ریختہ کا نام دیا۔انگریزوں نے مجھے ہندوستانی کہہ کر پکارا لیکن بحیثیتِ زبان میری شناخت ۱۷۸۰ء کے لگ بھگ ہوئی اور مجھے بطورِ زبان اُردو کہہ کر پکارا گیا۔

میں نے ارتقا کا ایک طویل سفر طے کیا ہے۔میں نے اپنی شناخت برِصغیر میں اس وقت قائم کی جب آریائی زبانوں کا شہرہ تھا تو دوسری طرف سندھی، پنجابی اور دیگر مقامی زبانوں کا راج تھا۔یہاں دینِ اسلام کی کرنیں پھوٹیں تو عربی زبان کا اثر بھی مجھ پر پڑا، فارسی بولنے والے حکمران آئے تو انھوں نے فارسی زبان کو سرکاری زبان کی حیثیت دی۔انگریز حکمران آئے تو ان کی زبان بھی مجھ پر اثر انداز ہوئی۔ان سب حقائق کے باوجود خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ میں نے اپنا تشخّص برقرار رکھا اور اپنی حیثیت منوائی۔یہی وجہ ہے کہ حضرت امیر خسرو کی تحریروں میں میری موجودگی نمایاں رہی۔ملا وجہی نے اُردو زبان کی ابتدائی شکل میں ''سب رس''، لکھی۔حیدر آباد دکن کے بادشاہوں اور شعرا نے اُردو زبان میں شاعری کی۔یوں محمد قلی قطب شاہ اردو زبان کا پہلا صاحبِ دیوان شاعر بنا۔ایہام گوئی کی تحریک سے وابستہ بے شمار شعرا نے اس وقت اُردو زبان کو اپنایا کہ جب سرکار کے ہاں فارسی کا طوطی بولتا تھا۔پھر زمانے نے میری صورت میں ولی دکنی کی جمال دوستی کو دیکھا۔میر و سودا کے اُردو شاعری کے عہدِ زرّیں کو دیکھا۔دبستانِ دہلی اور دبستانِ لکھنؤ سے متعلق شعرا نے اُردو زبان میں اپنے جوہر دکھائے۔مرزا غالب اور مومن خان مومن کے دور میں اُردو کے عروج کو کون فراموش کر سکتا ہے۔استاد داغ اور لسان العصر

اکبرالہ آبادی کی اُردو شاعری کے ساتھ ساتھ مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی اُردو نعت گوئی جس نے انھیں حسّان الہند کے نام سے مشہور کیا، میری معراج نہیں تھی تو اور کیا تھا، پھر جس انداز سے علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے بامِ عروج تک پہنچایا، تاریخ میں ایسی مثال کم ہی ملے گی:

اُردو لسانیات کی دنیا میں فرد ہے
اُردو ولؔی ہے، میرؔ ہے، سوداؔ ہے، دردؔ ہے

سامعین! میں ہی وہ دل نشین پیکر ہوں کہ جسے بنیاد بنا کر سر سید احمد خاں نے سب سے پہلے دوقومی نظریے کے نقوش ثبت کیے۔ علی گڑھ کی علمی ادبی تحریک سے لے کر ترقی پسند تحریک کے شعری اور نثری ادب تک جو خدمات میں نے انجام دی ہیں، ان سے کون انکار کر سکتا ہے۔ میں تو وہ ہوں کہ جس نے انگریزوں کو ہندوستان میں مجبور کر دیا تھا کہ وہ انگریزی چھوڑ کر ہندوستانیوں سے گفت و شنید کے لیے اُردو زبان سیکھیں۔ اسی لیے انگریزوں نے ۱۸۰۰ء میں کلکتہ میں فورٹ ولیم کالج کی بنیاد رکھی اور اور میر امّن دہلوی، شیر علی افسوس، بہادر علی حسینی، حیدر بخش حیدری اور کاظم علی جوان جیسے ادیبوں نے اُردو کی بہترین تخلیقات پیش کیں۔ تحریکِ پاکستان کے بڑے بڑے قائدین ہی کو دیکھ لیجیے۔ قائدِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ سمیت تقریباً تمام قائدین نے مجھے وسیلۂ اظہار بناتے ہوئے عوام النّاس تک تحریکِ پاکستان کا پیغام پہنچایا، اسے کامیاب بنایا اور نتیجے میں ۱۹۴۷ء میں پاکستان معرضِ وجود میں آ گیا۔

دین کے مبلّغ ہوں، علما ہوں، معلّمین ہوں، مفکّرین ہوں، ادیب ہوں، شاعر ہوں، سیاستدان ہوں یا ماہرینِ معیشت ہوں غرض زندگی کے ہر شعبے سے وابستہ افراد کے باہمی رابطے کی بنیاد میں اردو ہی ہوں۔ مجھے فخر ہے کہ پاکستان کے تمام صوبوں میں مجھے قبولِ عام کا درجہ حاصل ہے۔ سندھی، پنجابی، بلوچی اور پشتو سمیت متعدد علاقائی بولیاں بولنے والوں کے درمیان میرا تشخّص برقرار ہے اور میں پاکستان کی قومی یک جہتی کی بنیاد کا ایک اہم ستون ہوں اور احسن طریقے سے اپنا یہ فریضہ انجام دے رہی ہوں۔ سائنس اور کمپیوٹر کے اس دور میں بھی سنجیدہ شعری اور نثری ادب مجھے زندہ رکھے ہوئے ہے اور میں اس ادب کو زندگی فراہم کر رہی ہوں۔

اگرچہ انگریزی زبان کے پرستاروں نے میری وقعت کم کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی لیکن میں عوامی حلقوں میں بہت مقبول ہوں۔ پاکستان کے طول و عرض میں اجنبیت دور کرنے اور لوگوں کو محبت و موافقت کے رشتے میں پرونے کے لیے میں ہی آگے بڑھتی ہوں۔ میں علاقائی اور مقامی زبانوں کے علاوہ بین الاقوامی زبان انگریزی کی موجودگی میں اپنا تہذیبی نشان ہمیشہ قائم رکھوں گی۔ زمانۂ حال کے ایک معلّم ڈاکٹر اشفاق احمد ورک نے میرے بارے میں کیا خوب کہا ہے:

کہیں ریشم، کہیں اطلس، کہیں خوشبو رکھ دوں
یہ تمنّا ہے تری یاد کو ہر سُو رکھ دوں
یہ تبسّم، یہ تکلّم، یہ نفاست، یہ ادا
جی میں آتا ہے، ترا نام میں اردو رکھ دوں

۵ سو روپے کے نوٹ کی آپ بیتی

جناب! آپ مجھے میری اِس حالت میں دیکھ کر پریشان نہ ہوں۔ میں کل تھا، میں آج ہوں اور میں آنے والے کل میں بھی رہوں گا۔ میری اہمیت کبھی ختم نہ ہونے والی ہے۔ رہی یہ بات کہ میری شکل وصورت کیسے بدل گئی، یہ ایک لمبی داستان ہے۔ میرے پاس اپنی تخلیق کے بارے میں بہت زیادہ معلومات نہیں ہیں۔ بس اتنا جانتا ہوں کہ پہلے پہل میرا وجود ایک قدآور تنومند درخت کی شکل میں تھا۔ میں ایک جنگل میں پرسکون زندگی بسر کر رہا تھا۔ ایک دن ایک کاغذ بنانے والے کارخانے کے مالک نے مجھے خریدا۔ میرے حصّے بخرے کیے، طرح طرح کی مشینوں کے جبڑوں سے گزارا، میرے وجودِ اصل کو باریک سے باریک تر کیا اور مختلف مایہ جات استعمال کرتے ہوئے ایک کاغذ کی شکل میں ڈھال دیا۔ یہ مراحل بہت کٹھن اور پیچیدہ تھے جنھیں میرے وجود نے خندہ پیشانی اور تحمّل وبردباری سے برداشت کیا کیوں کہ میں جانتا تھا کہ کچھ پانے کے لیے بقول شاعر بہت کچھ کھونا بھی پڑتا ہے، روشنی کے لیے موم بتی کی صورت آگ میں جلنا پڑتا ہے اور کچھ بننے کے لیے پیوندِ خاک ہونا پڑتا ہے:

مٹا دے اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہے
کہ دانہ خاک میں مل کر گل و گلزار ہوتا ہے

میں بڑے کاغذ کی صورت میں ڈھل چکا تھا لیکن میری ٹوٹ پھوٹ اور تراش خراش کا عمل ابھی ختم نہیں ہوا تھا۔ مجھے ایک بار پھر مختلف مشینوں سے گزارا گیا جس سے میرے وجود پر طرح طرح کے نقوش واضح ہوتے چلے گئے۔ اس کے بعد مجھے ایک اور مشین سے گزارا گیا جس سے میرا وجود کئی ٹکڑوں میں تقسیم ہو گیا۔ وہ ٹکڑے دراصل سو سو کے کڑکتے نوٹ تھے۔ مجھے محسوس ہوا کہ میں کوئی کارآمد شے بن چکا ہوں۔ مجھے بڑی عزّت وتوقیر کے ساتھ ایک بنڈل کی شکل میں باندھا گیا، پھر مجھے احتیاط کے ساتھ اٹھا کر ٹرنک میں رکھ کر شہر کے مرکزی بینک میں پہنچایا گیا۔ یہاں مجھے ایک لاکر میں رکھ دیا گیا۔ میں سمجھا کہ میرا سفر شاید یہیں ختم ہو گیا ہے لیکن یہاں سے تو میرے حقیقی سفر کا آغاز ہونے والا تھا۔ بینک میں موجود میرے ساتھیوں نے مجھے بتایا کہ یہ جگہ تو عارضی ہے یہاں سے ہمیں اگلے سفر پر روانہ ہونا ہے:

مرگ اک ماندگی کا وقفہ ہے
یعنی آگے چلیں گے دم لے کر

ایک دن بینک کے منیجر نے مجھے الماری سے نکالا اور ایک بنڈل کی صورت میں ایک دکان دار کو تھما دیا۔ وہ مجھے لے کر اپنی دکان پر آیا اور گلّے میں رکھ دیا۔ میں انتظار میں تھا کہ دیکھیے اب میرے ساتھ کیا ہوتا ہے۔ دکان دار کا بیٹا سکول جانے لگا تو اس کی نظر میرے رنگ روپ پر پڑی۔ وہ للچائی نظروں سے مجھے دیکھنے لگا۔ دکان دار معاملے کو سمجھ گیا اور اس نے گلّے میں ہاتھ ڈالا اور بیٹے کا منھ چومتے ہوئے مجھے محبت سے اُس کے سپرد کر دیا۔ وہ مجھے پکڑ کر یوں خوش ہوا جیسے اسے ایک ہزار کا نوٹ مل گیا ہو۔ تفریح کے وقت اس بچے نے

دوسموسوں کے عوض مجھے کیفے ٹیریا کے مالک کے سپرد کر دیا، وہاں سے میں ٹرک ڈرائیور کے ہاتھ، پھر پھل فروش کے ہاتھ۔ ایک عرصہ تک جب میں کسی کے ہاتھ آجاتا تو وہ خوشی محسوس کرتا۔ کوئی مجھے اپنے سینے کے ساتھ جیب کی صورت میں لگائے رکھتا، کوئی پرس میں رکھ لیتا اور کوئی ہاتھ ہی میں لپیٹ لیتا۔ میں ایک ہار فروش کے ہاتھ لگا تو اس نے مجھے نوٹوں کے ایک ہار میں پرو دیا جو ایک دُلھا کے زیبِ گلو ہوا۔ مجھے بینڈ باجے کے شور میں لوٹا اور لٹایا بھی گیا۔ یوں میں نگری نگری پھرتا رہا یعنی:

کس کو سنائیں حالِ دلِ زار اے ادا
آوارگی میں ہم نے زمانے کی سیر کی

اب میری ناقدری کا سفر شروع ہو چکا تھا۔ میں ایک بخیل اور کنجوس شخص کے ہاتھ لگ گیا۔ اس کی بند مٹھی میں میری سانس تو جیسے بند ہو رہی تھی لیکن میں بے بس تھا۔ اس نے مجھے ایک گندی سی تھیلی میں رکھ دیا۔ میں ابھی پہلی تلخ واردات سے سنبھل نہ پایا تھا کہ میں اس شخص کے بیٹے اور بیٹی کی جھپٹ میں آ گیا۔ اُن کی آپس کی لڑائی اور چھینا جھپٹی میں میرے دو ٹکڑے ہو گئے۔ اس ظالم شخص نے مجھے اپنے بچوں سے لے لیا اور جوڑنے کی کوشش کرنے لگا جس میں وہ کامیاب نہ ہو سکا۔ اگلے روز وہ مجھے واپس بینک میں لے آیا جہاں اب میں پرانے بوسیدہ نوٹوں کے ساتھ پڑا ہوں اور ماضی کی تلخ یادوں کو یاد کرتا ہوں اور آہیں بھرتا ہوں:

یادِ ماضی عذاب ہے یا رب!
چھین لے مجھ سے حافظہ میرا

❋

٦ پرانی کرسی کی آپ بیتی

میں ایک ٹوٹی پھوٹی اور شکستہ سی کرسی ہوں۔ آپ میری اس خستہ حالی کو دیکھ کر پریشان مت ہوں۔ کچھ عرصہ پہلے میں نہایت دل کش ہوا کرتی تھی۔ مجھے دیکھ کر لوگ رشک کرتے تھے۔ میں نے ایک قابلِ قدر کرسی سے خستہ حالی کا سفر کیسے طے کیا، یہ ایک لمبی کہانی ہے۔ کرسی کی صورت میں ڈھلنے سے پہلے میرا وجود شیشم کے ایک قد آور درخت کا حصہ تھا یا یوں کہیے کہ میں ایک درخت ہی تھا۔

جب میں ایک درخت تھا تو بہار کی رنگینی اور پرندوں کا چہچہانا میری خوشی کی وجہ بنتا تھا۔ ایک دن ایک لکڑ ہارا جنگل میں آیا۔ اس نے مجھے ایک آرے سے چیرنا شروع کر دیا۔ مجھے بہت تکلیف محسوس ہو رہی تھی لیکن میں بے بس تھا۔ جیسے جیسے آرے کے تیز دندانے مجھے چیرتے جا رہے تھے میری تکلیف میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ آخرِ کار اس نے مجھے کاٹ کر ایک ٹرک پر لاد دیا۔ مجھے ایک کارخانے میں لایا گیا جہاں سے ایک بڑھئی مجھے خرید کر اپنے ساتھ لے گیا۔

میری اذیّت اور تکلیف کا یہ سلسلہ جوں کا توں قائم رہا۔ مجھے پہلے لگا تھا کہ شاید اصل اذیت وہ تھی جس سے مجھے پہلے گزرنا پڑا تھا مگر تکلیف دہ مرحلہ دراصل اب شروع ہوا تھا۔ اس بڑھئی نے مجھے مزید چھوٹے بڑے ٹکڑوں میں کاٹنا شروع کر دیا۔ اس کے بعد انھیں نہایت

مہارت سے کیل کی مدد سے جوڑنا شروع کیا۔ہتھوڑے کے ہر وار سے مجھے یوں محسوس ہوا کہ جیسے میرے وجود کو پرزے پرزے کر دیا جائے گا۔ہتھوڑے کے وار تیز سے تیز تر ہوتے جا رہے تھے۔جُوں جُوں وار تیز ہو رہے تھے؛ تُوں تُوں میری اذیّت مزید بڑھتی ہی جا رہی تھی۔کچھ دیر میں یہ وار رک گئے، میری تکلیف بھی کم ہوگئی اور جب میں نے اپنی نئی شکل دیکھی تو میں اپنی تکلیف بالکل ہی بھول گئی۔اب میں ایک خوب صورت کرسی کی شکل اختیار کر چکی تھی۔مجھے اپنی خوب صورتی پر ناز ہونے لگا۔اس خوب صورتی میں مزید اضافہ اس وقت ہوا جب اس نے مجھے جاذبِ نظر رنگ میں رنگ دیا۔اب میری شکل وصورت سب سے جدا اور منفرد تھی۔مجھے خود پر فخر ہونے لگا۔یہاں سے مجھے ایک دکان دار خرید کر اپنے ساتھ لے گیا۔کچھ وقت تک تو میں اس کی دکان میں بڑی شان وشوکت سے براجمان رہی۔دکان دار مجھے جلد از جلد فروخت کرنا چاہتا تھا لیکن قیمت زیادہ ہونے کی وجہ سے لوگ آتے، مجھے دیکھتے اور خریدے بغیر واپس چلے جاتے۔آخر کار گاؤں کے چودھری صاحب نے مجھے خرید لیا۔وہ مجھے اپنے گاؤں کی حویلی میں لے گئے۔وہاں مہمانوں کے لیے اور بھی کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔میں چوں کہ نئی تھی، اس لیے ان سب کے بیچ مجھے جگہ مل گئی۔میں حویلی کی سجاوٹ میں اضافے کا سبب بن گئی۔یہاں میں کافی عرصے تک ہنسی خوشی کی زندگی گزارتی رہی۔ ایک دن چودھری صاحب کے دور دراز سے کچھ خاص مہمان آئے۔ان کے ساتھ کچھ بچے بھی تھے۔ان بچوں نے مجھ پر اچھل کود شروع کر دی۔اسی اثنا میں میری ایک ٹانگ ٹوٹ گئی۔یہاں سے میری بدقسمتی کا آغاز ہوا۔مجھے ایک کباڑیے کو دے دیا گیا۔اس نے میری ٹانگ کی مرمت کی اور مجھے سستے داموں ایک کریانے والے کے ہاتھ بیچ دیا۔مجھے ایک دکان میں رکھ دیا گیا۔مجھے سارا دن آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہوتا رہتا۔میں یہاں مطمئن نہ تھی کیوں کہ دکان دار کا وزن بہت زیادہ تھا جسے برداشت کرنا میرے لیے بہت مشکل تھا۔

آخر ایک روز میں اس کے وزن کو برداشت نہ کرسکی اور میری ٹوٹی ہوئی ٹانگ کے ساتھ دوسری ٹانگ بھی کھٹاک سے ٹوٹ گئی۔ مجھے اب دکان کی چھت پر پھینک دیا گیا ہے۔یہاں مجھے آندھی، بارش اور نت نئے مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔میں اب اپنی زندگی کے آخری سانس گن رہی ہوں اور زندگی کے خوش گوار دنوں کو یاد کر کے ٹھنڈی آہیں بھرتی ہوں۔ لیکن وہ کہتے ہیں کہ منھ سے نکلی ہوئی بات، دریا کا بہتا ہوا پانی اور گزرا ہوا وقت واپس نہیں آتے، اس کہاوت کا اطلاق مجھ پر بھی ہوتا ہے۔

آنکھوں میں چھپائے پھر رہا ہوں یادوں کے بجھے ہوئے سویرے
رودادِ سفر نہ چھیڑ ناصؔر پھر اشک نہ تھم سکیں گے میرے

❁

۷ ایک کتاب کی آپ بیتی

میں بارھویں جماعت کی اُردو کی کتاب ہوں۔میری حالت دیکھ کر یقیناً آپ مجھے پہچان نہیں سکے ہوں گے۔اس ابتر حالت تک پہنچنے کا سبب یہ ہے کہ میں طویل عرصے تک زمانے کی دست بُرد کا شکار رہی ہوں۔میں نے بہت اذیّت ناک سفر طے کیا ہے۔میری

صورت شروع دن سے ایسی نہ تھی۔ میری تخلیق کے محرّکات نہایت شان دار تھے۔ ہوا یہ کہ حکومت نے قومی امنگوں کے مطابق نیا نصاب متعارف کرایا۔ اس نصاب کے مطابق سالِ دوم کے لیے اردو زبان وادب کے جو اہداف مقرّر ہوئے، ان کے حصول کے لیے ملک بھر کے بہترین مصنفین، مؤلفین اور مدیران کا انتخاب کیا گیا۔ ان سب نے مل کر مجھے تخلیق کیا۔ ہر صائب الرائے نے مجھے سراہا۔ پنجاب کریکولم اینڈ ٹیکسٹ بک بورڈ نے اپنی نگرانی میں میری اشاعت کی اور میں مارکیٹ میں دستیاب ہوگئی۔ مجھے ایک ذہین طالب علم نے دکان دار سے خریدا اور اپنے ساتھ گھر لے گیا۔ اس نے پہلے میرا تعارف اپنے بڑے بھائی اور بہن سے کرایا اور پھر میز پر رکھ دیا۔

وہ مجھے بہت سنبھال کر رکھتا تھا کیوں کہ میں اس کی پسندیدہ کتاب تھی۔ وہ اکثر میری ظاہری اور اندرونی حالت دیکھتا، اپنی پسند کی مزے مزے کی کہانیاں پڑھتا، شعر گنگناتا اور مجھے سنبھال کر اپنے بیگ میں رکھ لیتا۔ اگرچہ اس کا بیگ تاریک تھا جہاں میرا سانس رکتا تھا، اس کے باوجود مجھے اس کے ساتھ رہنا اچھا لگتا کیوں کہ وہ میرا بہت خیال رکھتا تھا۔ وقت گزرتا گیا، کب ایک سال کا عرصہ گزرا، پتا ہی نہ چلا۔ وہ امتحان پاس کر کے اگلی جماعت میں ترقی پا گیا۔ اس نے مجھے آدھی قیمت پر دکان دار کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ یہیں سے میری بدقسمتی کا آغاز ہُوا۔ مجھے ایک اور طالب علم نے خریدا اور اپنے ساتھ گھر لے گیا۔ میری بے قدری کا آغاز ہو چکا تھا۔ اس دفعہ میں ایک نالائق طالب علم کے ہاتھ لگ گئی تھی۔ وہ نہ تو مجھے گھر میں سنبھال کے رکھتا اور نہ ہی بستے میں۔ پڑھتے وقت وہ مجھے بے دردی سے کھولتا، بے دردی سے میرے کاغذ اُلٹتا پلٹتا، میرے کاغذوں میں شکنیں ڈال دیتا، سیاہی پھینک دیتا اور کبھی کبھی تو انتہائی بے دردی سے میرے کاغذ پھاڑ بھی دیتا۔ وہ مجھے پڑھنے کے بجائے صرف اپنے امتحان کی تیاری کے حوالے سے الٹ پلٹ کر ایک نظر دیکھ لیتا تھا۔ اس نے مجھ سے بہت ظالمانہ رویہ اختیار کیے رکھا۔ میرے صفحات جو پہلے بالکل صاف ستھرے اور کورے تھے، وہ انھیں پینسل سے خراب کر دیتا، مختلف طرح کے دھبے لگا دیتا، بے دردی سے صفحات کو پھاڑتا اور میرے دامن میں چھوٹے کاغذ کے پرزے نشانی کے لیے رکھ دیتا جس سے میری اندرونی اور بیرونی حالت روز بہ روز بگڑنے لگی۔ مجھے اس وقت بہت تکلیف ہوتی جب میں دیکھتی کہ دوسرے لائق طلبہ میری طرح کی کتابوں کی بہت قدر کرتے اور انھیں غور سے پڑھتے اور سنبھال کر رکھتے تھے۔

مجھے اپنی بے قدری اور بے وقعتی کا بہت احساس ہے۔ میں تمام طلبہ سے درخواست کرتی ہوں کہ وہ کتابوں کی قدر کیا کریں۔ انھیں محنت اور توجہ سے پڑھیں اور ان میں دیے گئے مقاصد کے حصول کی ہر ممکن کوشش کریں۔ طلبہ کو چاہیے کہ کتابیں پڑھ کر کامیاب انسان بنیں اور کتابوں کو اپنا بہترین دوست سمجھیں۔

ہاں تو میں بتا رہی تھی کہ میری خوب صورتی ماند پڑ چکی تھی۔ مجھے اپنی حالتِ زار دیکھ کر تکلیف ہوتی لیکن میں بے بس تھی۔ وہ پڑھنے کے بعد مجھے لاپروائی سے پھینک دیتا۔ میری جلد پھٹ چکی تھی۔ ایک دن اس کی اپنے کسی ساتھی سے لڑائی ہوگئی۔ وہ ایک

دوسرے سے کتاب چھین رہے تھے۔اس کھینچا تانی میں میرے کچھ صفحات پھٹ گئے۔اب میری حالت انتہائی خستہ ہوگئی۔اس نے مجھے ایک ردی والے کو بیچ دیا۔ مجھے ایک بورے میں ڈالا گیا۔اس بورے میں میرے جیسی اور بھی مجبور ومحبوس کتابیں، اپنی بے بسی اور بے قدری کا رونا رو رہی تھیں۔وہ بورا ایک کباڑ خانے لایا گیا۔وہاں کتابوں کی چھانٹی کی گئی۔میں کباڑیے کے ہاتھ لگی تو اس نے مجھے ردی کی ٹوکری میں پھینک دیا۔کافی دنوں تک میں ردی کی ٹوکری میں پڑی اپنی قسمت کو کوستی رہی۔ایک دن ایک سموسے اور پکوڑے بیچنے والا آیا اور اس نے کباڑیے سے مجھے خرید لیا۔میری بے قدری اور بدقسمتی دیکھیے، میرا ایک ایک صفحہ الگ کیا جا رہا ہے اور اس پر پکوڑے اور سموسے رکھ کر بیچے جا رہے ہیں۔مجھے اپنے برباد ہونے کا اتنا دکھ نہیں جتنا اس بات کا ہے کہ مجھ سے یہ ناروا سلوک کیوں رکھا گیا جب کہ میں علم کا ایک بہترین وسیلہ تھی۔کتابیں تو علم کے موتی ہیں، انھیں ہر گز پائمال نہیں ہونا چاہیے۔میری دعا ہے کہ کاش تمام طلبہ میں شعور بیدار ہو اور وہ سب کے سب کتاب دوست بن جائیں۔

۸ ایک کوٹ کی آپ بیتی

میں نے کبھی تصوّر بھی نہیں کیا تھا کہ میں اپنی زندگی ہی میں اپنی ایسی ابتر حالت بھی دیکھوں گا۔مجھ پر ''ہر کمال را زوال'' والی ضرب المثل صادق آتی ہے۔حقیقت یہی ہے کہ حالات کبھی ایک جیسے نہیں رہتے۔گردشِ ایّام اچھے وقت کو برے وقت سے بدل دیتی ہے۔آج آپ مجھے جس خستہ حالت میں دیکھ رہے ہیں، میں کبھی بھی ایسا نہیں تھا۔میری حالت تو ایسی تھی کہ تمام سجن بیلی مجھ پر رشک کرتے تھے۔میں آپ کو اپنی داستانِ حیات سناتا ہوں۔

آج سے پانچ سال پہلے کی بات ہے کہ جب ایک بڑی کلاتھ مارکیٹ سے بہت مہنگا کپڑا خریدا گیا۔اس خریداری کا مقصد ایک کوٹ کی تیاری تھا۔میں وہی کوٹ ہوں، وہی ہلکے نیلے رنگ کا کوٹ۔ مجھے تیار کرتے وقت میری سلائی نہایت عمدہ اور نفیس تھی۔مجھے بہترین درزی سے سلوایا گیا تھا۔میں اپنے اس رنگ ڈھنگ سے بہت خوش تھا۔مجھے ایک دُکان میں سجا کر رکھ دیا گیا۔ہر آنے والا گاہک میری طرف کھنچا چلا آتا تھا مگر میری قیمت سے ڈر جاتا تھا۔بالآخر ایک صاحبِ ثروت نے مجھے وہاں سے خرید لیا اور اپنے گھر لے گیا۔اس شخص کا بیٹا بارھویں جماعت میں پڑھتا تھا۔میں دراصل اسی بیٹے کی کالج یونیفارم کے طور پر خریدا گیا تھا۔وہ طالب علم سردیوں میں مجھے ہر روز کالج پہن کر جاتا، مجھے صاف کرتا اور برش پھیرتا تھا۔میں اس کا پسندیدہ کوٹ تھا۔اس کی الماری میں مجھ جیسے اور بھی کوٹ تھے لیکن مجھے اس کے پسندیدہ ترین ہونے کا شرف حاصل تھا اور یہی بات میرے لیے باعثِ مسرّت تھی۔

وقت گزرتا گیا۔وہ طالب علم روز بروز جوان ہو رہا تھا مگر میں اکثر اس کے زیبِ تن رہتا تھا۔جب اس نے انٹرمیڈیٹ کا امتحان پاس کر لیا تو مجھے ایسا محسوس ہوا کہ اب اسے میری ضرورت نہیں ہوگی کیوں کہ اب اسے کالج یونیفارم کی ضرورت نہیں رہی تھی۔اس

لڑکے کا قد بھی لمبا ہو رہا تھا، اس لیے یہ بھی خطرے کی ایک گھنٹی تھی۔ مجھے آنے والے وقت سے خوف محسوس ہو رہا تھا۔ آخر وہی ہُوا جس کا مجھے ڈر تھا۔ اس لڑکے نے ایک دو مرتبہ مجھے پہننے کی کوشش کی مگر اب میں اس کے کسی کام کا نہ رہا تھا۔ اب وہ میرا خیال نہیں رکھتا تھا۔ اس نے مجھے اپنی الماری سے باہر نکال دیا۔

اب میرا کوئی ٹھکانا نہ تھا۔ میں کبھی زمین پر پڑا ہوتا اور کبھی کرسی یا میز پر۔ بالآخر گھر کی مالکن نے مجھے ایک نوکرانی کے سپرد کر دیا۔ وہ شام کو جاتے ہوئے مجھے اپنے ساتھ گھر لے گئی۔ وہاں اس کا کوئی ایسا بیٹا تو تھا نہیں جو مجھے پہن سکتا، اس لیے ادھر ادھر گرا پڑا رہتا۔ اب مجھ پر طرح طرح کے دھبوں کے نشان پڑنے لگ گئے تھے اور میں جگہ جگہ سے پھٹ چکا تھا۔ مجھے یہاں سے بھی اٹھا کر باہر پھینک دیا گیا۔

میں راہ جاتے ایک نشئی کے ہاتھ لگ گیا جس نے مجھے کئی دنوں سے پہن رکھا ہے۔ اب کوئی میرا پرسانِ حال نہیں۔ میں جو کبھی ایک خوب صورت کوٹ تھا... ایک خوب صورت کوٹ میرے لیے اب بھیانک خواب بن کر رہ گیا ہے۔ مجھے اب گزرے دِنوں کی یاد ستاتی ہے لیکن اب وہ دن کہاں! اب مجھے سکون کہاں! میں تو اب کوٹ کہلانے کے بھی قابل نہیں رہا۔

۹ ایک کوڑے دان کی آپ بیتی

میں ایک پارک میں کوڑے دان کے طور پہ نصب ہونے والا ڈرم ہوں۔ میرا رنگ پیلا ہے اور مجھ پر جلی حروف میں لکھا ہوا ہے: ''مجھے استعمال کریں۔'' لوگ مجھ میں کوڑا کرکٹ پھینکتے ہیں۔ اس طرح میں پارک کے ماحول کو صاف ستھرا رکھنے میں معاون ثابت ہوتا ہوں۔

جب مجھے خام مال سے ایک ڈرم کی صورت میں ڈھالا گیا تب میرے تصوّر میں بھی نہیں تھا کہ میں گندگی سمیٹنے کے لیے بنایا گیا ہوں اور میرے تصوّر میں آتا بھی کیسے! میرے جیسے سیکڑوں ہیں، جو اسی خام مال سے تیار ہوتے ہیں لیکن کوئی صاف پانی ذخیرہ کرنے کے استعمال میں آتا ہے اور کوئی پیٹرول سنبھالنے کے؛ کسی میں شیرہ جمع کیا جاتا ہے اور کسی میں دودھ۔ آخر مجھے ہی کوڑا کرکٹ کے لیے کیوں منتخب کیا گیا؟ شاید یہ میری قسمت میں لکھا ہوا تھا:

تدبیر سے قسمت کی برائی نہیں جاتی
بگڑی ہوئی تقدیر بنائی نہیں جاتی

پارک کی انتظامیہ جب مجھے خریدنے آئی تو میں کارخانے کے مالک کے ساتھ ان کی گفت گو سن رہا تھا۔ پہلے پہل میں نے سمجھا کہ جب پارک والے مجھے خرید کر لے جائیں گے تو شاید مجھے پانی ذخیرہ کرنے کے لیے استعمال کریں یا شاید مجھے مصنوعی کھاد سے بھر دیا جائے یا پھر اوزار وغیرہ سنبھالنے کے کام آؤں۔ میں دل ہی دل میں خوش تھا کہ ان میں سے کوئی مقام حاصل ہوگا تو ہریالیوں میں، پھولوں میں اور خوشبوؤں میں تو جگہ پاؤں گا۔ میرے تو اس وقت پاؤں کے نیچے سے زمین نکل گئی جب میری توقعات کے برعکس

مجھے کوڑا دان بنا دیا گیا اور میری چھاتی پر مونگ دلنے کے لیے اس پر یہ جملہ لکھ دیا گیا: ''مجھے استعمال کریں۔''

لوگوں کی قسمت دیکھیے کہ وہ صفائی کو ایمان کا حصہ سمجھتے ہوئے خود کو صاف ستھرا رکھتے ہیں، اپنے اردگرد کے ماحول کو صاف ستھرا رکھتے ہیں اور صاف ستھری چیزیں استعمال کرتے ہیں۔

میری بدقسمتی ملاحظہ ہو کہ دنیا بھر کا فضول کاٹھ کباڑ اور آلائشیں اپنے اندر سمیٹتا ہوں۔ یہ خدمات انجام دیتے ہوئے میں خود گندا اور میلا کچیلا ہو جاتا ہوں۔ اپنے آپ کو جتنا بھی صاف ستھرا رکھوں، گندا ہونا میرا مقدّر ہے۔

میں اسی مایوسی کے عالم میں زندگی کے دن گزار رہا تھا کہ قدرت نے میرے ذہن میں کچھ ایسی باتیں ڈال دیں اور مجھ پر کچھ ایسے حقائق منکشف کر دیے کہ میں پھر سے جی اٹھا۔ میری محرومیاں ختم ہو گئیں، میری حسرتیں دم توڑ گئیں اور میری مایوسیاں کامرانیوں کا روپ دھار گئیں۔ ہوا یہ کہ ایک کڑکتی دھوپ میں میری نظر پارک کی زمین پر پڑی۔ میں نے غور کیا تو مجھے اس میں سے سونا اگلتا نظر آیا، کونپلیں پھوٹتی نظر آئیں، سبزہ نکلتا دکھائی دیا، پھول دکھائی دیے اور پھلوں کی مہکار آئی لیکن کیا تھا کہ وہ زمین زندگی کے تمام تر خزانے لٹانے کے باوجود نیچے بچھی ہوئی تھی، اِنسان، حیوان، چرند، پرند سب کی پامالی کا شکار تھی۔ میں نے دیکھا کہ اسی پارک کے بڑے قدآور درخت جو چھاؤں دیتے تھے، پھل، پھول دیتے تھے اور ٹھنڈی ہواؤں کے پنکھے چلاتے تھے۔ ان کو چیرا پھاڑا گیا یہاں تک کہ جلایا گیا، انھوں نے اف تک نہ کی، گلہ تو دور کی بات! پھر میرے سامنے سورج کا چہرہ آیا جو روشنی دیتا ہے، تپش دیتا ہے، حرارت پہنچاتا ہے، موسموں کو تغیّر و تبدّل سے آشنا کرتا ہے۔ اس کی روشنی سے پھول کھلتے ہیں، پھل پکتے ہیں۔ چار دن کے لیے غائب ہو جائے تو زمین پر دس دس فٹ برف جم جائے اور زندگی کا نام و نشان مٹ جائے۔ مگر ازل سے اب تک جل رہا ہے خاموشی سے، صبر سے، بغیر کوئی گلہ کیے، بغیر کسی شکوہ اور شکایت کے۔

قدرت نے جب مجھے یہ حقائق دکھائے تو میں اپنی کم ظرفی پر شرمندہ ہوا کہ اس قدر ایثار کرنے والوں اور اتنی بڑی خدمات انجام دینے والوں کے مقابلے میں میری تو کوئی حیثیت ہی نہیں ہے۔ میں سمجھ گیا کہ قدرت نے ہر کسی کے ذمے وہی کیا ہے کہ جس کے وہ قابل ہے۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

قِسمت کیا ہر اک کو قسّامِ ازل نے　　جو شخص کہ جس چیز کے قابل نظر آیا
بلبل کو دیا نالہ تو پروانے کو جلنا　　غم ہم کو دیا، سب سے جو مشکل نظر آیا

اب میرا شعور بیدار ہو چکا ہے۔ مجھے اب اپنا کردار سمجھ کر بہت خوشی ہوتی ہے کہ کوڑے دان کے طور پر ہی صحیح رہے گا۔ میں دوسروں کے کام تو آ رہا ہوں، مجھ پر لکھا ہوا: ''مجھے استعمال کرو'' میرے لیے قابلِ فخر ہے۔

آپ بیتی لکھنے کے لیے مجوزہ عنوانات

- ایک تتلی کی آپ بیتی
- قبر پر نصب کتبے کی آپ بیتی
- ایک جوہڑ کی آپ بیتی
- ایک جوتے کی آپ بیتی
- ایک فٹ بال کی آپ بیتی
- بادشاہی مسجد لاہور کی آپ بیتی
- مینارِ پاکستان کی آپ بیتی
- قربانی کے بکرے کی آپ بیتی
- چنے کی آپ بیتی

رُودادنویسی

''رُوداد'' فارسی زبان کا لفظ ہے جس کے لغوی معنی ہیں احوال، حالات، سرگزشت، قصہ، ماجرا، واقعہ، کارروائی اور کیفیت وغیرہ جب کہ اصطلاحی طور پر رُودادنویسی سے مراد کوئی اپنے کانوں سُنا یا کوئی چشم دید قصہ، ماجرا، واقعہ، کارروائی اور کیفیت وغیرہ کو احاطۂ تحریر میں لانا ہے۔

رُودادنگاری کے موضوعات: (۱) معیّنہ (۲) غیر معیّنہ

- معیّنہ موضوعات سے مراد ہے طے شدہ تقریبات، جلسے، جلوس اور کھیل وغیرہ۔
- غیر معیّنہ موضوعات سے مراد اچانک رونما ہونے والے سانحات، حادثات اور واقعات کا احوال بیان کرنا۔

رُودادنویسی کے لیے چند ہدایات

(۱) سب سے پہلے رُوداد کے موضوع کا تعارف کرائیں۔
(۲) تاریخ، دن، ہفتہ، مہینا وغیرہ کا ذکر کیا جائے۔
(۳) تقاریب کی صورت میں اہم نکات بھی اختصار کے ساتھ بیان کیے جائیں۔
(۴) واقعہ کا بیان مبنی بر حقیقت ہونا چاہیے۔
(۵) متعلقہ شخصیات کا تعارف کرایا جائے۔
(۶) رُوداد کو تفصیل سے بیان کیا جائے۔
(۷) رُوداد کے متن کی طوالت مناسب اور قاری کو کہیں بھی تشنگی محسوس نہ ہو۔
(۸) زبان و بیان میں سادگی اور روانی ہو۔ گنجلک اور پیچیدہ اسلوب سے گریز کیا جائے۔
(۹) زمانی اور مکانی ترتیب کو مدِ نظر رکھا جائے
(۱۰) رُوداد کا اختتام احسن انداز سے کیا جائے۔

۱ سالانہ قومی سیرت کانفرنس اسلام آباد کی رُوداد

وفاقی دارالحکومت اسلام آباد میں ہر سال ۱۲ ربیع الاول کو وزارتِ مذہبی امور و بین الاقوامی ہم آہنگی کے زیرِ اہتمام قومی سیرت کانفرنس کا انعقاد کیا جاتا ہے جس میں ایک خصوصی سیشن دنیا بھر میں شائع ہونے والی کتبِ سیرت اور نعتیہ مجموعوں کے تخلیق کاروں کو قومی سیرت ایوارڈ زعطا کرنے کے سلسلے میں ہوتا ہے۔ تقریباً دس دن پہلے مجھے وزارتِ مذہبی امور، اسلام آباد کی طرف سے خط ملا جس میں یہ خوش خبری درج تھی کہ میرا نعتیہ مجموعہ قومی سیرت ایوارڈ کے لیے منتخب کیا گیا ہے۔ مَیں اور میرے بیوی بچے بہت خوش ہوئے اور ہم سب نے اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا کہ اُس نے اپنے حبیب خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلٰی آلہٖ واصحابہٖ وسلم کے صدقے اتنی بڑی عزّت سے نوازا ہے۔ اسی خط کے ذریعے سے وزارتِ مذہبی امور کی جانب سے یہ بھی تاکید کی گئی تھی کہ ایوارڈ وصول کرنے کے لیے کانفرنس کے انعقاد

سے ایک روز پہلے یعنی ۱۱ ربیع الاوّل کی دوپہر کو دیے گئے پتے کے مطابق اسلام آباد پہنچنا ہے۔ میں حسبِ پروگرام تاریخ کو وقتِ مقررہ پر اسلام آباد دفتر پہنچا تو وہاں موجود ایک افسر نے خوش دلی سے استقبال کیا۔ میرے قیام کا انتظام ایک وی آئی پی ہوٹل میں کیا گیا تھا جہاں میں نے ایک رات قیام کیا۔

اگلے روز صبح آٹھ بجے ایک گاڑی مجھ سمیت بہت سے مہمانوں کو لے کر پورے پروٹوکول کے ساتھ منزل کی جانب رواں دواں ہوئی۔ تقریباً چھے سات منٹ کی مسافت کے بعد گاڑی منزلِ مقصود پر پہنچی۔ ہم سب خوشی خوشی گاڑی سے اترے اور کانفرنس ہال کی جانب چل دیے۔ سیکورٹی کے حوالے سے ہماری باقاعدہ تلاشی لی گئی۔ دروازے پہ موجود اہل کار نے میرا دعوت نامہ غور سے دیکھا تو پہلی قطار میں مہمانوں کی نشستوں میں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ کانفرس ہال کو سرکارِ دوعالم خَاتَمُ النَّبِيّٖنَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کے میلادِ پاک کی نسبت سے آراستہ و پیراستہ کیا گیا تھا۔ ہال میں داخل ہوتے ہی ایک پُرلطف آواز سماعتوں سے ٹکرائی اور دل و دماغ کو تسخیر کرتی چلی گئی۔ یہ دل کش آواز معروف شاعر مظفر وارثی کی تھی۔ ان کی مشہورِ زمانہ نعت ''میرا پیمبر عظیم تر ہے'' فضا کو پُرکیف بنا رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد صدرِ پاکستان دیگر مہمانوں کے ہمراہ تشریف لے آئے۔ اسٹیج سیکرٹری نے صدرِ پاکستان، وفاقی وزیر برائے مذہبی امور اور دیگر مہمانانِ گرامی کو خوش آمدید کہا۔ تقریب کا باقاعدہ آغاز تلاوتِ کلامِ پاک سے کیا گیا۔ اس کے بعد سرکارِ دوعالم خَاتَمُ النَّبِيّٖنَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کی شان میں گل ہائے عقیدت پیش کیے گئے۔

سب سے پہلے وفاقی وزیر برائے مذہبی امور نے خطاب کیا۔ انھوں نے تمام شرکا اور امّتِ مسلمہ کو عید میلاد النبی خَاتَمُ النَّبِيّٖنَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کی مبارک باد پیش کی اور کانفرنس کی غرض و غایت بیان کی۔ اس کے بعد علمائے کرام نے اس مبارک دن کے حوالے سے دیے گئے خاص موضوع ''ماحولیاتی آلودگی اور ہماری ذمہ داریاں، سیرت النبی خَاتَمُ النَّبِيّٖنَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کی روشنی میں'' پر اپنے خیالات کا اظہار کیا اور اپنے مقالات پڑھے۔ موضوعِ سیرت چوں کہ منفرد نوعیت کا تھا اور حالاتِ حاضرہ سے مطابقت رکھتا تھا اس لیے تمام شرکا نے ہر مقالہ نگار اور مقرّر کو نہایت توجہ سے سنا۔ کانفرنس کے آخر میں صدرِ پاکستان نے خطاب کیا۔ انھوں نے کانفرنس کے انعقاد پر انتظامیہ کو خراجِ تحسین پیش کیا۔ اس تقدیس کے حامل دن پر اپنی عقیدت و محبت کا اظہار کیا اور ملّتِ اسلامیہ کی سلامتی کے لیے خصوصی دعا کی۔ انھوں نے اسلامی جمہوریہ پاکستان کی سلامتی، خوش حالی اور ترقّی کے لیے بھی دعا کی۔ اپنے خطاب کے آخر میں انھوں نے موضوعِ سیرت کو سراہا، مقررین کو داد دی اور ایوارڈ کے لیے منتخب شاعروں اور ادیبوں کو مبارک باد دی۔ جنابِ صدر کے خطاب کے بعد قومی سیرت ایوارڈ کی تقسیم کا سلسلہ شروع ہوا۔ اسٹیج سیکرٹری نے اعلان کیا کہ صدرِ مملکت اپنے دستِ مبارک سے ایوارڈ تقسیم کریں گے اور اس سلسلہ میں وفاقی وزیر برائے مذہبی امور ان کی معاونت کریں گے، تو میرے دل میں عجیب سی خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ مجھے اس بات پر اطمینان تھا کہ مدحِ رسول خَاتَمُ النَّبِيّٖنَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ پر ایسے ہی عزّت افزائی ہونی چاہیے۔ پہلے مقالہ نگاری میں پوزیشن لینے والوں کو ایوارڈز دیے گئے۔ اس کے بعد نعت نگاری کے ایوارڈز کی تقسیم کا آغاز ہوا۔ دوسری باری میری تھی، میں نے صدرِ مملکت سے مصافحہ کیا، انھوں نے اپنے دستِ مبارک سے مجھے ایوارڈ دیا اور مبارک باد کہی۔ کانفرنس کا اختتام دعائے خیر سے کیا گیا اور تمام مہمانوں کی دوپہر کے کھانے اور چائے سے خاطر تواضع کی گئی۔ یہ شان دار تقریب مجھے عمر بھر یاد رہے گی۔

۲ ایک تفریحی مقام کی سیر کی رُوداد

ہم تمام اہلِ خانہ ہر سال موسمِ گرما کی تعطیلات میں وطنِ عزیز کے کسی صحت افزا تفریحی مقام کی سیر کرنے جاتے ہیں۔اس مرتبہ موسمِ گرما کی چھٹیوں میں ہمارے سارے کنبے نے ملکۂ کوہسار مری کی سیر کا پروگرام بنایا۔اپنی منزلِ مقصود کی طرف رُخ کرنے سے قبل ہم نے اپنے والدین کی ہدایات کے مطابق زادِسفر تیار کیا۔ابو نے بھائی وقار کے ساتھ جا کر ورکشاپ سے گاڑی کو ہر حوالے سے ٹھیک کرایا اور اس میں پٹرول بھی ڈلوایا۔ہم ۱۰ر جولائی بروز پیر صبح سویرے تمام اہلِ خانہ کے ہم راہ اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گئے۔

مری ضلع راولپنڈی کا ایک تاریخی تفریحی مقام ہے۔راولپنڈی سے مری لگ بھگ ڈیڑھ گھنٹے کی مسافت پر ہے۔یہ خوب صورت شہر سطح سمندر سے کافی بلند ہے۔سڑک اتنی وسیع، کشادہ اور فراخ ہے کہ گاڑی اس پر فراٹے بھرتی چلی جاتی ہے۔سڑک کے دونوں اطراف میں چیڑ اور صنوبر کے درخت دل کش منظر پیش کرتے ہیں۔مری میں ہر سال اپریل سے نومبر تک موسم نہایت خوش گوار رہتا ہے لیکن یہ بات پیشِ نظر رہنی چاہیے کہ اس شہر میں دسمبر سے مارچ تک نا قابلِ برداشت سردی پڑتی ہے۔دسمبر کے آخری دنوں سے فروری کے ابتدائی دنوں تک کے دورانیے میں برف باری کا قوی امکان رہتا ہے۔اس عرصے کے دوران میں برف باری کے نظارے خواہش مند سیّاح کوہِ مری کا رُخ کرتے ہیں اور برف باری کے حسین و جمیل مناظر سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔

ذکر ہو رہا تھا ملکۂ کہسار مری کی سیاحت کا، اس مرتبہ ہم سب افرادِ خانہ نے کوہِ مری کی سیر کے لیے جولائی کے جن دنوں کا انتخاب کیا، اُن دنوں اس شہر کا موسم بہت ہی اچھا تھا۔وقفے وقفے سے بارش ہو رہی تھی۔مری کی مرکزی سڑک مال روڈ پر ہوٹل خیابان میں ہمارا قیام رہا۔یہ ہوٹل جی پی او چوک سے دو سو گز آگے ایک خوب صورت محلِ وقوع میں اپنا ایک الگ ہی نظارہ رکھتا ہے۔ہم نے اپنی تعداد کے مطابق اس ہوٹل کے دو کمرے کرائے پر لیے۔کھانے پینے کی اشیا کے بارے میں یہ طے پایا کہ سیاحت کے دوران میں مختلف مقامات پر اس کا انتظام کر لیا جائے گا۔

ہم نے مری کے قیام کے دوران میں پنڈی پوائنٹ، کشمیر پوائنٹ اور باغِ شہیداں جیسے قابلِ دید مقامات کی سیر کی اور وہاں فوٹوگرافی بھی کی۔ان خوب صورت مقامات کے علاوہ ہم نے گھڑیال کیمپ اور بھوربن جیسے دل کش مقامات بھی دیکھے۔نیو مری میں چیئر لفٹ اور کیبل کار پر بھی اس خوب صورت شہر کے دیدہ زیب مناظر کا نظارہ کیا۔پہاڑوں کے اوپر سے گزرتی کیبل کار سے زمین کا دل کش نظارہ سیاحوں کو حیران کر دیتا ہے۔بلند و بالا درختوں اور فلک شگاف سرسبز پہاڑوں میں گھرا یہ شہر قدرت کا ایسا حسین شاہ کار ہے جس کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔اسی کے قریب گھوڑا گلی کے مقام پر مشہور و معروف لارنس کالج ہے جو طلبہ کی تعلیم و تربیت کا اہم مرکز ہے۔یہ ایک اقامتی درس گاہ ہے جہاں ملک کے دور دراز علاقوں سے طلبہ تعلیم و تربیت کے حصول کے لیے آتے ہیں اور اس عظیم دولت سے فیض یاب ہو کر ملک و قوم کی خدمت انجام دیتے ہیں۔مری کی شام کا نظارہ نا قابلِ فراموش ہوتا ہے۔برقی قمقموں کی رنگا رنگ روشنیوں میں یوں محسوس ہوتا ہے جیسے آسمان سے ستارے زمین پر اتر آئے ہوں۔یہ سحر انگیز منظر مدّتوں حافظے میں محفوظ

رہتا ہے۔ ہم نے اس مرتبہ ''لارنس کالج'' گھوڑا گلی دیکھا اور مری کی ہر صبح و شام سے بھی خوب خوب لطف اندوز ہوئے۔ ابّو جان اور امّی جان نے ہمیں مری کے ہر مقام کی تاریخی اہمیت سے آگاہ کیا۔ ہمارے ابو (جو ایک کالج میں تاریخ کے استاد ہیں) نے ہمیں بتایا کہ انیسویں صدی کے تیسرے عشرے میں انگریزوں نے مری میں بیس کیمپ بنایا تو اس سے شہر کو مرکزی حیثیت حاصل ہوگئی۔ انھوں نے آہستہ آہستہ اس شہر میں قدم جمانے کی کوشش جاری رکھی۔ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں مسلمانوں کو پسپائی ہوئی تو انگریزوں نے اس شہر پر مکمل قبضہ کر لیا۔ تاہم اس خطّے کے بہادر فرزندوں نے انگریزوں سے آزادی حاصل کرنے کے لیے اپنی جدوجہد کا آغاز کر دیا اور اس کے لیے ہر قسم کی قربانیاں دیں۔ آج بھی باغِ شہیداں میں ان جاں نثاروں کی قبریں موجود ہیں جو ان کی شجاعت اور دلیری کی گواہی دے رہی ہیں۔ حصولِ پاکستان کے لیے اہلِ مری کا کردار تاریخِ پاکستان کا ایک شان دار اور یادگار باب ہے۔ ۱۹۴۶ء میں قائدِ اعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ اپنی چھوٹی بہن محترمہ فاطمہ جناح کے ہم راہ مری تشریف لائے اور مری کے معروف جی پی او چوک میں مری کے لوگوں سے خطاب کیا۔ یہ تاریخی واقعہ مری کے لوگوں کے لیے ہمیشہ یادر ہے گا۔

اپنے چھے روزہ قیام کے دوران میں ہم سب نے مری کے چپّے چپّے کی سیر کی اور اس سے خوب لطف اندوز ہوئے۔ واقعی یہ شہر پاکستان کے خوب صورت ترین تفریحی مقامات میں سے ایک ہے۔ اسی لیے ہر موسم میں یہاں بیرونی ممالک اور ارضِ پاک کے مختلف شہروں سے آنے والے سیاحوں کا تانتا سا بندھا رہتا ہے۔ یہ سیاح، اس شہر کی یادیں سمیٹ کر اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔ ہم سب بھی اس شہر کی سیر سے ناقابلِ فراموش یادیں لے کر واپس اپنے شہر کو آ گئے۔

اب جب کبھی تنہائی میں ہمیں اس شہر کے خوب صورت مناظر یاد آتے ہیں تو دل باغ باغ ہو جاتا ہے اور بے ساختہ جی چاہتا ہے کہ جلدی جلدی موسمِ گرما کی تعطیلات ہوں اور ہم ایک بار پھر مری جانے کا پروگرام بنائیں۔

۳ شجرکاری مہم کی تقریب کی رُوداد

ہر سال کی طرح اس سال بھی جولائی کے مہینے میں ہمارے کالج میں شجرکاری مہم کا آغاز ایک رنگا رنگ تقریب سے ہوا۔ کالج کے باغیچے میں شامیانے لگائے گئے تھے۔ خوب صورت اسٹیج تیار کیا گیا اور اساتذہ، طلبہ اور ان کے والدین کے لیے الگ الگ قطاروں میں کرسیاں رکھی گئی تھیں۔ سر اختر سعید نے اسٹیج سیکرٹری کے فرائض انجام دیتے ہوئے پرنسپل صاحب اور اساتذہ کرام کو اسٹیج پر تشریف فرما ہونے کے لیے کہا۔ اس کے بعد تقریب کا باقاعدہ آغاز تلاوت کلامِ پاک اور نعت رسولِ مقبول خَاتَمُ النَّبِیّٖن صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ سے ہوا۔ سر اختر سعید نے تقریب کی غرض و غایت بیان کی اور بتایا کہ گزشتہ سال جتنے پودے لگائے گئے تھے وہ ابھی بھی سرسبز و شاداب ہیں اور تیزی سے پھل پھول رہے ہیں۔ ہم سکول میں آتے ہیں تو یوں لگتا ہے کہ جیسے ان کی سرسبز شاخیں ہاتھ ہلا ہلا کر ہمیں خوش آمدید کہہ رہی ہوں، ہوا چلتی ہے تو یہ شاخیں یوں جھکتی ہیں گویا ہمارا شکریہ ادا کر رہی ہوں اور جب ہم کالج سے باہر جا رہے ہوں تو ہمیں الوداع کہتی

الوداع کہتی ہیں۔سر اختر سعید نے اپنی اس خوب صورت گُفت گُو میں اِس سال کی شجر کاری مہم میں لگائے جانے والے پودوں کے منصوبے کا بھی مفصّل ذکر کیا۔اس کے بعد ہمارے کالج کے پرنسپل صاحب کو دعوتِ خطاب دی گئی۔تمام طلبہ، اساتذہ اور مہمانوں نے کھڑے ہو کر تالیوں کی گونج میں ان کا استقبال کیا۔ پرنسپل صاحب نے سب سے پہلے تمام مہمانوں کو خوش آمدید کہا اور اپنے خطاب میں شجر کاری کے متعلق بہت سی مفید باتیں بتائیں۔شجر کاری کے فوائد بیان کرتے ہوئے انھوں نے بتایا کہ لفظ ''درخت'' چار حروف کا مجموعہ ہے۔ پہلا حرف ''د'' دولت کی نشان دہی کرتا ہے، دوسرا حرف ''ر'' راحت کی، تیسرا حرف ''خ'' خدمت کی اور چوتھا حرف ''ت'' تجارت کی۔غور کیجیے! اگر ایک لفظ میں اتنے راز پوشیدہ ہیں تو خود درخت کتنی قدر و قیمت کا حامل ہوگا۔ درخت ہر حوالے سے ہماری زندگی میں خوش حالی کا باعث ہو سکتے ہیں۔ہمیں پھل، پھول، سبزہ، خوشبو، چھاؤں، عمارتی سامان، آرائش و زیبائش اور آلودگی وغیرہ سے بچاؤ جیسی نعمتیں درختوں سے حاصل ہوتی ہیں۔ اپنی گفت گو کو مزید آگے بڑھاتے ہوئے پرنسپل صاحب نے کہا کہ اس وقت ہم فضائی، آبی، زمینی اور شور کی آلودگی جیسے مسائل کا شکار ہیں۔ دھواں، خطرناک گیسیں، گرد و غبار، کوڑا کرکٹ، اور بدبودار ہواؤں جیسی ہر قسم کی آلودگی کا حل سرسبز و شاداب پودوں اور درختوں کی صورت میں موجود ہے۔ درخت کسی بھی علاقے کی آب و ہوا کو خوش گوار بناتے ہیں اور ہر قسم کے موسموں کی شدّت کو خود برداشت کر کے لوگوں کو معتدل اور صاف ستھرا ماحول فراہم کرنے کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔ مجید امجد کے بقول جی چاہتا ہے کہ:

اِس جلتی دھوپ میں یہ گھنے سایہ دار پیڑ
میں اپنی زندگی انھیں دے دوں جو بَن پڑے

درختوں کی بہتات سے ہوا میں موجود آبی بخارات میں اضافہ ہوتا ہے اور بارش کی وجہ سے فضائی آلودگی میں کمی آتی ہے۔ وہ علاقے جہاں سیم اور تھور زیادہ ہو، وہاں درخت زمین سے پانی جذب کر کے زیرِ زمین پانی کی مقدار کو کم کر دیتے ہیں۔ اس طرح پانی کی سطح نیچے چلی جاتی ہے اور زمین قابلِ کاشت بن جاتی ہے۔ پھل دار درخت اور پھول دار پودے مناظرِ فطرت کو پُر کشش بناتے ہیں۔ سبزہ مال مویشیوں کی خوراک بنتا ہے۔ درختوں کی وجہ سے ریشم سازی، فرنیچر سازی اور گتہ سازی جیسی صنعتیں فروغ پاتی ہیں۔ درخت نہ صرف ہمارے بہترین دوست ہیں بلکہ ان پر بے شمار پرندے گھونسلے بناتے، پرورش پاتے اور چہچہاتے ہوئے فطرت کی آواز بن جاتے ہیں، اس لیے انھیں بلا وجہ آگ میں نہیں جھونکنا چاہیے۔ پرنسپل صاحب نے یہ شعر برمحل کہا:

کل رات جو ایندھن کے لیے کٹ کے گرا ہے
چڑیوں کو بہت پیار تھا اس بوڑھے شجر سے

پرنسپل صاحب نے اپنی تقریر کے آخر میں تمام مہمانوں کی آمد کا ایک بار پھر شکریہ ادا کیا اور پودے اگا کر شجر کاری کی مہم کا افتتاح کرنے کی دعوت دی۔ تمام معزّز مہمانان، اساتذہ اور طلبہ پرنسپل صاحب کی قیادت میں کالج کے کھلے میدان کی جانب چل دیے، جہاں

چاروں طرف مختلف اقسام کے پودے موجود تھے۔ ان پودوں کو اگانے کے لیے بڑی محنت سے گڑھے کھودے گئے تھے۔ پرنسپل صاحب نے ٹرمینیلیا کا پودا اپنے ہاتھوں سے لگایا اور سب نے مل کر دعائے خیر کی۔ ٹرمینیلیا کا پودا اس لحاظ سے منفرد ہے کہ جب یہ سبز پتوں سے بھر جاتا ہے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے کسی نے اوپر نیچے کئی چھتریاں رکھ دی ہوں۔ کچھ مہمانوں نے پلکن، شیشم، نیم، بکائن اور فائکس وغیرہ کے پودے لگائے۔ طلبہ نے سکول کی دیواروں کے ساتھ ساتھ کونو کارپس کے پودے باڑ کے طور پر لگائے۔ اس پودے کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ بہت تیزی سے بڑھتا ہے اور ہر قسم کے موسم کی شدّت کو برداشت کر لیتا ہے۔ ہر پودے کے ساتھ ایک ایک فلیش کارڈ بھی آویزاں کیا گیا جس پر پودے کے نام کے ساتھ ساتھ اسے اگانے والے کا نام بھی لکھا گیا۔ طلبہ نے اس مہم کے کامیاب آغاز پر بڑی مسرّت کا اظہار کیا۔ طلبہ نے وعدہ کیا کہ گھروں کو واپس جاتے ہی اپنے اپنے والدین اور بہن بھائیوں کو بھی قائل کریں گے کہ انھیں اپنے گھروں میں پودے اگانے چاہییں تاکہ خوش گوار اور انسان دوست صحت افزا ماحول قائم کیا جا سکے۔

❁

۴ مہندی کی رسم کا آنکھوں دیکھا حال

پاکستان کے ہر صوبے اور ہر علاقے میں شادی بیاہ کی رسوم لوگوں کے چہروں پر مسکراہٹیں بکھیرنے کا باعث ہوتی ہیں۔ صوبہ پنجاب میں شادی کی دیگر رسوم میں سے مہندی کی رسم بہت اہمیت کی حامل سمجھی جاتی ہے۔ برات سے ایک دن پہلے دُلھا اور دلھن کے اپنے اپنے گھروں میں مہندی لگانے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ بارات اگر مقامی ہو تو کبھی کبھی دُلھا والے دلھن کے گھر اور دلھن والے دُلھے کے گھر ڈھول کی تھاپ پر مہندی لے کر جاتے ہیں۔ اس رسم میں لڑکیاں خوب صورت لباس زیب تن کیے، ہاتھوں میں مہندی کے تھال اٹھائے مہندی کی رسم ادا کرتی ہیں۔ لڑکے ڈھول کی تھاپ پر رقص کرتے ہیں۔ بڑے بوڑھے بھی ان خوشیوں میں برابر کے شریک ہوتے ہیں۔

پچھلے ہفتے میرے تایازاد بھائی کی شادی تھی۔ برات چوں کہ دور دراز کے علاقے میں جانی تھی اس لیے دونوں گھروں نے برات سے ایک رات پہلے اپنے اپنے گھروں میں مہندی کا انتظام کر رکھا تھا۔ دُلھے کا گھر روشنیوں میں نہایا ہوا تھا۔ رنگ برنگی روشنیاں ہر کسی کو اپنی طرف متوجہ کر رہی تھیں۔ میں بھی اپنی امّی اور بہنوں کے ساتھ دُلھا کی مہندی کی رسم میں شریک ہونے کے لیے پہنچ چکا تھا۔ یہ ایک رنگا رنگ اور پر رونق تقریب تھی۔ لڑکوں نے زرد رنگ کے پٹکے اپنے گلے میں ڈالے ہوئے تھے جب کہ لڑکیوں نے پیلے اور سبز رنگ کے خوب صورت لباس زیبِ تن کیے ہوئے تھے۔ دُلھا نے سفید کرتہ پاجامہ پہنا ہوا تھا۔ اس کے گلے میں بھی زرد رنگ کا پٹکا تھا۔ دُلھا کی بہنیں اور ان کی سہیلیاں اس رسم میں اپنی بھرپور شرکت اپنے جوش و خروش سے ثابت کر رہی تھیں۔ دُلھا کو باقاعدہ مہندی لگانے سے پہلے دُلھا کی بہنوں اور ان کی سہیلیوں نے ایک دوسرے کو مہندی لگائی۔ ان کی دیکھا دیکھی لڑکیوں نے بھی ایک دوسرے کو مہندی لگائی۔ لڑکیوں نے ڈھولک کی تھاپ پر مہندی اور شادی کے گیت گائے۔ جھومر اور لڈی رقص بھی پیش کیا گیا۔ سب نے مل کر خوب ہلّا گلّا کیا۔ اس کے بعد دُلھا کو مہندی لگانے کی رسم شروع ہوئی۔ اسے ایک خوب صورت رنگین پیڑھے پر بٹھایا گیا جس کے

سامنے میز پر ایک پلیٹ میں مہندی اور مٹھائی رکھی گئی تھی۔ دُلھا کے ارد گرد لڑکوں اور لڑکیوں کی بھیڑ لگی ہوئی تھی۔ اتنا شور تھا کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ سب سے پہلے دُلھا کی امّی جان آئیں۔ وہ دُلھا کے سر سے پیسے وارنے کے بعد ہنستے اور خوش ہوتے ہوئے اس کے ساتھ بیٹھیں، اپنے بیٹے کے ہاتھ پر مہندی لگائی اور اپنے ہاتھ سے اسے برفی کی ٹکڑی کھلائی۔ ان کے بعد میری امّی یعنی دُلھا کی چچی اور خالہ جان نے بھی مہندی لگائی۔ بڑی خواتین کے بعد دُلھا کی بہنوں اور ان کی سہیلیوں نے قہقہے لگاتے اور مبارک باد دیتے ہوئے باری باری یہ رسم ادا کی۔ مٹھائی کھا کھا کر دُلھا کا حال برا ہو رہا تھا۔ لڑکوں کی باری آئی تو ایک دوست نے حد ہی کر دی۔ اس نے پورا لڈو دُلھا کے منھ میں ڈال دیا اور وہ بے چارہ واش روم کی طرف دوڑتا پھرا۔ بزرگوں اور بڑے بوڑھوں نے دُلھا اور دلھن کو ڈھیروں دعائیں دیں۔ رسم کے اختتام پر سب لوگوں کی خاطر تواضع چٹ پٹے کھانوں سے کی گئی۔ نوجوانوں کو گول گپے اور پکوڑے بھی پیش کیے گئے۔ کھانے کے بعد بھی ہم لوگ وہیں موجود رہے اور ہلّا گلّا کرتے رہے۔ آدھی رات تک یہ سلسلہ جاری رہا اور تو یہ خوب صورت تقریب اپنے اختتام کو پہنچی۔

۞

۵ ایک میلے کی رُوداد

عام طور پر کسی تہوار، صوفی بزرگ کے عرس یا رسم کے طور پر مقررہ تاریخوں پر میلے کا انعقاد کیا جاتا ہے۔ میلے کسی قوم کی تہذیب و معاشرت، روایات اور ثقافت کے عکاس ہوتے ہیں۔ میلے میں لوگ رنگ و نسل، اونچ نیچ، غریبی امیری، زبان و بیان اور علاقائیت کی تفریق سے بالاتر ہو کر ایک جگہ اکٹھے ہوتے ہیں اور خوشیاں مناتے ہیں۔ کچھ میلے اتنے یادگا ہوتے ہیں کہ سارا سال ان کے انعقاد کا انتظار کیا جاتا ہے۔ ایسا ہی ایک میلا ہر سال مارچ کے آخر میں مشہور بزرگ حضرت مادھو لال حسین رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر منعقد ہوتا ہے، جسے میلا چراغاں بھی کہا جاتا ہے۔

بچپن میں اپنے والد صاحب کے ساتھ میں ہر سال کسی نہ کسی میلے میں ضرور جایا کرتا تھا لیکن پچھلے سال مارچ کے مہینے میں میلا چراغاں میری زندگی کا یادگار میلہ بن گیا۔ میں نے میلا چراغاں کے بارے میں بہت سن رکھا تھا۔ اخباروں میں جب اس کے بارے میں پڑھتا اور ٹیلی وژن پر اس کے متعلق پروگرام دیکھتا تو میرے دل میں اس میلے میں جانے کی آرزو جاگتی۔ بالآخر میں نے یہ میلا دیکھنے کا پختہ ارادہ کر لیا۔ میلے میں شرکت کے لیے میں نے کالج سے دو چھٹیاں لیں۔ ملتان سے لاہور تک کا سفر میں نے ریل گاڑی میں سوار ہو کر کیا اور تین گھنٹوں میں ریلوے اسٹیشن، لاہور پہنچا۔ یہاں میرا چچا زاد طارق میرے ساتھ میلے میں جانے کے لیے موٹر سائیکل پر آیا ہوا تھا۔ چناں چہ میں اور طارق موٹر سائیکل پر میلے میں پہنچے۔ سیکڑوں لوگ بسوں، کاروں، رکشوں اور دیگر سواریوں پر میلے کی طرف رواں دواں تھے۔ لوگوں کی بیسیوں ٹولیاں بھی میلہ دیکھنے کے لیے پیدل جا رہی تھیں۔ میلے کے مقام پر پہنچتے ہی لاؤڈ سپیکروں کے شور، ڈھول کی تھاپ، بلند آواز میں ریکارڈنگ اور دور دور تک قائم عارضی دکانوں نے ہمارا جوش و خروش سے استقبال

کیا۔ بچے، جوان اور بوڑھے حیرانی سے اردگرد کے ماحول کو دیکھ رہے تھے۔ دکانوں پر مٹھائیاں، پھل پھول، کھلونے اور تبرّکات کے لیے اشیا رکھی ہوئی تھیں۔ صوفیہ کرام کے کلام اور فرامین کی کتابوں کے علاحدہ اسٹال موجود تھے۔ میلے میں دستی رومال سے لے کر زرعی آلات تک سامان موجود تھا۔ خواتین کے لیے چوڑیوں اور زیورات کی دکانیں سجی ہوئی تھیں۔ مرد و خواتین اپنی اپنی پسند کی خریداری کر رہے تھے۔ میں اور طارق میلے میں ایک عارضی ٹی سٹال پر رکے۔ طارق ساتھ والی دکان سے پکوڑے، سموسے اور پیسٹریاں لے آیا جنھیں ہم نے گرما گرم چائے کے ساتھ کھایا۔ اونچی آواز میں مقبول دھنیں اور گیت پیش کیے جا رہے تھے۔ جو لوگ دور دراز سے میلہ دیکھنے آئے تھے وہ ہوٹلوں کا رخ کر رہے تھے۔ ان کی وجہ سے ہوٹلوں پر خاصا رش تھا۔

بندر والے کی ڈگڈگی، بندر کا پھدکنا، عجیب و غریب حرکتیں کرنا، سسرال کے گھر جانا اور اکڑ اکڑ کر چلنا ہنسی کا سامان فراہم کر رہا تھا۔ دوسری طرف بازی گر کے کرتب اور مداری کی شعبدہ بازیاں دیکھ کر ہر شخص اپنے غموں کو بھلا کر خوش ہو رہا تھا۔ جادوگر پھٹا ہوا رومال جوڑ رہا تھا، ٹوپی سے کبوتر نکال رہا تھا اور چھڑی سے چھتری بنا رہا تھا۔ بازی گر پانچ گیندیں بیک وقت فضا میں اچھال رہا تھا، باریک رسی پر چل رہا تھا اور آگ کے گولے کے اندر سے چھلانگ لگا رہا تھا۔ یہ سب کھیل تماشے ہو ہی رہے تھے کہ لوگوں کی توجہ گھوڑے کے رقص نے اپنی طرف کھینچ لی۔ اتنے میں گھڑ دوڑ کا باقاعدہ اعلان ہونے لگا۔ تمام لوگ کھلے میدان کی طرف لپکے۔ میں اور طارق بھی فوراً ہی اس طرف چل دیے۔

گھڑ سوار پنجاب کے روایتی لباس میں ملبوس تھے۔ پٹاخے کی آواز پر گھوڑوں کی دوڑ شروع ہو گئی۔ میدان میں دھول اڑ رہی تھی۔ سب لوگ پورے انہماک سے گھوڑوں کو دوڑتا ہوا دیکھ رہے تھے۔ سرپٹ دوڑتے ہوئے گھوڑے ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کر رہے تھے۔ سیاہ رنگ کا ایک گھوڑا یہ دوڑ جیت گیا جس کی خوشی میں باجے بجائے گئے۔ اس میدان میں شکاری کتوں کے مصنوعی خرگوش کے پیچھے دوڑنے کو بھی لوگوں نے بہت دلچسپی سے دیکھا۔

میلے میں دو مقامات پر موت کا کنواں دیکھنے کے لیے لوگ قطاروں میں کھڑے تھے۔ تھیٹر پر بھی بے تحاشا رش تھا لیکن لکی ایرانی سرکس کی اپنی ہی شان تھی۔ میں اور طارق ٹکٹ خرید کر سرکس دیکھنے کے لیے ایک بہت بڑے شامیانے میں داخل ہوئے۔ اندر ایک الگ ہی سماں تھا۔ ایک بہت بڑا دائرہ جس کے بیرون میں لوگوں کے لیے نشستیں لگی ہوئی تھیں اور دائرے کے اندر ہاتھی، شیر اور گھوڑے کے کرتب دکھائے جا رہے تھے۔

شام ڈھلتے ہی حضرت مادھولال حسین رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر ہزاروں قمقمے اور چراغ روشن کر کے پورے ماحول کو پُرنور کر دیا گیا۔ زمین سے آسمان تک روشنی ہی روشنی پھیل گئی۔ رات میں دن کا سماں پیدا ہو گیا۔ رات کو جب محفلِ نعت اور محفلِ سماع کا اہتمام ہوا تو اس پرنور ماحول کو چار چاند لگ گئے۔ مجھ سمیت تمام حاضرین و زائرین پر روحانی کیفیت طاری تھی۔ میں نے پوری رات دربار میں محفلِ نعت اور محفلِ سماع میں اپنے دل کو گرمایا، نمازِ تہجّد اور نمازِ فجر وہیں ادا کی اور سورج طلوع ہونے پر طارق کے ساتھ چچا جان کے گھر

آ گیا۔ میلہ چراغاں کی رونق اگر چہ تین دن تک جاری رہتی ہے لیکن مجھے دو چھٹیوں کے بعد کالج حاضر ہونا تھا اس لیے میں نے چچا جان کے گھر سے ناشتا کر کے واپس ملتان کی راہ لی۔ مجھے یہ میلہ ہمیشہ یاد رہے گا۔

۞

٦ یومِ آزادی کی رُوداد

ہمارے کالج میں قومی اور مذہبی تہوار بڑے جوش وجذبے سے منائے جاتے ہیں۔ ہر سال کی طرح اس سال بھی یومِ آزادی کی تقریب روایتی جوش وخروش سے منعقد ہوئی۔ ہمارے کالج کی پرنسپل پروفیسر ڈاکٹر نجم الصباح نے دو ہفتے قبل ہی اس تقریب کے اہتمام کا اعلان کر دیا تھا اور نوٹس بورڈ پر بھی اس کا اطلاع نامہ چسپاں کرا دیا تھا۔ کالج میں وسیع پیمانے پر اس کے تیاریوں کا آغاز ہو چکا تھا۔ راہداریوں اور برآمدوں کو رنگ برنگ جھنڈیوں سے سجایا جانے لگا تھا۔ اس موقع پر کوئز شو، تقریری مقابلوں اور ملّی نغموں کا مقابلہ اور ٹیبلو کا اہتمام کیا گیا تھا۔ ان تقریبات کا انچارج محترمہ ڈاکٹر شاہدہ عزیز کو بنایا گیا تھا۔

یومِ آزادی کی صبح کالج کی اندرونی اور بیرونی زیب وزینت اور آرائش دیدنی تھی۔ تمام طالبات وقت سے پہلے ہی کالج پہنچ گئی تھیں۔ کالج کے ہال کو بڑی خوب صورتی سے سجایا گیا تھا۔ اسٹیج کی پچھلی دیوار پر یومِ آزادی کا بینر دل کش تحریر کے ساتھ آویزاں تھا۔ باقی دیواریں بھی قائدِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے فرمودات، علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے اشعار اور تحریکِ پاکستان کے قائدین کی تصاویر سے سجی تھیں۔ ٹھیک دس بجے اسٹیج سیکرٹری پروفیسر عائلہ ساجد نے مائیک سنبھالا اور اعلان کیا کہ پرنسپل صاحبہ تشریف لا رہی ہیں، وہ آج کی تقریب کی صدارت فرمائیں گی۔ چند لمحوں بعد ہی محترمہ پرنسپل صاحبہ ہال میں تشریف لے آئیں۔ ان کے ہمراہ دیگر اساتذہ بھی تھیں۔ طالبات نے ان سب کا تالیوں کی گونج میں استقبال کیا۔ تمام معزز مہمانان اپنی اپنی نشستوں پر تشریف فرما ہوئے۔

تقریب کا باقاعدہ آغاز تلاوتِ کلامِ پاک سے ہوا۔ یہ سعادت سالِ اوّل کی طالبہ عائزہ اعجاز نے حاصل کی۔ اس کے بعد نعتِ رسولِ مقبول خَاتَمُ النَّبِيّٖنَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کے لیے سالِ دوم کی طالبہ ماہ نور کو مدعو کیا گیا۔ اس کی عقیدت بھری آواز شرکائے تقریب کے دلوں میں گھر کر گئی۔ تلاوت اور نعت کے بعد صدرِ محفل کی اجازت سے ملّی نغموں کا مقابلہ شروع کیا گیا۔ کالج کی سات لڑکیوں نے اس مقابلے میں بھرپور حصّہ لیا اور اپنے فن کے جوہر دکھائے۔ اس مقابلے میں سال دوم کی طالبہ اُروئی نے پہلی پوزیشن حاصل کی۔ ملّی نغموں کے بعد ''تحریکِ پاکستان میں طلبہ کا کردار'' کے موضوع پر تقریری مقابلے کا آغاز ہوا۔ تین طالبات نے اس میں حصہ لیا۔ انھوں نے تحریکِ پاکستان میں طلبہ کے کردار پر روشنی ڈالی اور محترمہ فاطمہ جناح کے کردار کو بھی سراہا۔ انھوں نے عہدِ حاضر کے طلبہ کو اپنے اکابر کے نقشِ قدم پر چلنے کا مشورہ دیا۔ اس مقابلے کو سال اوّل کی طالبہ جویریہ نے جیتا۔ کوئز مقابلے میں دس طالبات نے حصہ لیا۔ اس مقابلے میں تحریک پاکستان کی تاریخ کے بارے میں سوالات کیے گئے۔ سالِ دوم کی طالبہ مریم زمانی اوّل پوزیشن کی حق دار ٹھہری۔ اب ٹیبلو شو کی باری تھی۔ طالبات نے علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی نظم ''ماں کا خواب'' کو ڈرامائی انداز میں پیش کیا جسے

تمام حاضرین نے بہت سراہا۔اس کے علاوہ وادیِ کشمیر کی آزادی کے متعلق بھی طالبات کی پرفارمنس کو بہت داد ملی۔تقریب کے آخر میں پرنسپل صاحبہ نے صدارتی خطبہ دیا۔انھوں نے انتظامیہ اور طالبات کو شاباش دی۔اپنے خطاب میں انھوں نے قائدِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے ساتھیوں کو خراجِ تحسین پیش کیا اور خطاب کے بعد مقابلوں میں پوزیشن لینے والی طالبات میں انعامات تقسیم کیے۔تقریب کے اختتام سے پہلے پاکستان کا قومی ترانہ بجایا گیا جس کے احترام میں تمام شرکا کھڑے ہو گئے۔اس طرح یہ تقریب تین گھنٹے جاری رہنے کے بعد بخیر وخوبی اپنے اختتام کو پہنچی۔

۞

۷ ایک دل چسپ ہاکی میچ کی رُوداد

مشہور قول ہے:''صحت مند دماغ صحت مند جسم میں ہوتا ہے۔'' اپنے جسم کو صحت مند، مضبوط اور چست بنانے میں کھیلوں کا بہت اہم کردار ہے۔ یہ جسمانی ورزش کا بہترین ذریعہ ہیں۔ کھیل دو قسم کے ہوتے ہیں: پہلے وہ جن کا تعلق اتھلیٹکس سے ہے، مثلاً کشتی، دوڑ، جمپنگ، باکسنگ، جوڈو کراٹے وغیرہ اور دوسرے وہ جو ایک سے زیادہ کھلاڑی مل کر یعنی ٹیم بنا کر کھیلتے ہیں، مثلاً رسہ کشی، کبڈی، والی بال، فٹ بال، بیڈمنٹن، کرکٹ اور ہاکی وغیرہ۔ان سب کھیلوں میں ہاکی دو باتوں کی بنا پر بہت اہم ہے، پہلا یہ کہ ہاکی پاکستان کا قومی کھیل ہے اور دوسرا یہ کہ پاکستان ہاکی کے میدان میں اولمپکس، ورلڈ کپ اور چیمپئن ٹرافی جیسے دنیا کے بڑے اعزازات جیت چکا ہے۔یہی وجہ ہے کہ آج بھی لوگ ہاکی کے کھیل میں بہت دل چسپی رکھتے ہیں۔ جہاں کہیں بھی ہاکی کا میچ ہو، بے شمار لوگ دیکھنے کے لیے موجود ہوتے ہیں۔پچھلے سوموار میں نے کالج کے نوٹس بورڈ پر پڑھا کہ تین دن بعد یعنی بروز جمعۃ المبارک ہمارے کالج کی ہاکی ٹیم کا مقابلہ تحصیل گوجرہ کے ایک کلب کی ہاکی کی ٹیم سے ہونے جا رہا ہے اور اس کے لیے فیصل آباد ہاکی اسٹیڈیم کا انتخاب کیا گیا ہے۔ میرے دل میں جوش و ولولہ پیدا ہوا۔میں جانتا تھا کہ گوجرہ کے بے شمار کھلاڑی پاکستان کی قومی ہاکی ٹیم کا حصہ رہے ہیں، اس لیے مجھے یقین تھا کہ ہمارے کالج کے مقابلے میں یہ ٹیم بھی اعلیٰ کارکردگی کی حامل ہوگی۔ میں اس میچ کے انتظار میں تین دن بہت متجسّس رہا۔

آخر جمعۃ المبارک کا دن آ گیا۔میں نمازِ جمعہ ادا کر کے فوراً اسٹیڈیم کی جانب روانہ ہوا۔اور بیس منٹ کے بعد ہاکی سٹیڈیم پہنچ گیا۔اسٹیڈیم ہمارے کالج کے طلبہ اور گوجرہ سے آئے ہوئے لوگوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔یہ لوگ میچ دیکھنے کے لیے مجھ سے پہلے ہی پہنچ چکے تھے۔ کچھ ہی دیر بعد میچ کے دونوں ریفری اور مخصوص یونیفارم میں ملبوس دونوں ٹیمیں میدان میں آ گئیں۔شہر کے ڈپٹی کمشنر بطور مہمانِ خصوصی تشریف لائے ہوئے تھے۔وہ میدان میں تشریف لائے اور دونوں ٹیموں کے کھلاڑیوں سے مصافحہ کیا۔انھوں نے کھلاڑیوں کے ساتھ گروپ فوٹو بھی بنوائے۔

کھیل کا آغاز سہ پہر کے وقت ٹھیک تین بجے ہوا۔ ریفری نے میچ شروع کرنے کے لیے سیٹی بجائی۔ دونوں ٹیموں کے سنٹر فارورڈ میدان کے مرکز میں آمنے سامنے آ گئے اور تالیوں کی گونج میں کھیل کا آغاز ہو گیا۔گوجرہ کے کھلاڑیوں نے شروع ہی سے

جارحانہ انداز اپنایا۔ ہمارے کھلاڑی میچ کے شروع میں قدرے سُست تھے لیکن وقت کے ساتھ ساتھ ان میں بھی تیزی آتی گئی۔ دونوں ٹیموں کے کھلاڑیوں میں گویا عقابی روح بیدار ہوگئی اور انھوں نے ایک دوسرے کے خلاف تابڑ توڑ حملے کرنے شروع کر دیے۔ دونوں ٹیموں کے کھلاڑی تندرست و توانا اور چاق چوبند تھے۔ ہماری ٹیم کی فارورڈ لائن کم زور تھی لیکن ہمارا دفاع بہت مضبوط تھا۔ یہی وجہ تھی کی گوجرہ کی ٹیم کی گول کرنے کی ہر کوشش کو ہمارے فل بیک اور گول کیپر نے ناکام بنایا۔ ہاف ٹائم سے دو منٹ پہلے ہماری مخالف ٹیم کا سنٹر فارورڈ ہمارے کھلاڑیوں کو چکمے دیتا ہوا گیند کو گول تک لے گیا۔ ہمارے گول کیپر نے حملہ بڑی مہارت سے بچا لیا لیکن گول پوسٹ سے واپس ہوتے ہی گیند اُن کے رائٹ اِن نے دبوچ لی اور پلک جھپکتے ہی گول کر دیا۔ ہماری تو جیسے سٹّی گم ہوگئی لیکن مخالف ٹیم کے حامیوں نے دل کھول کر اپنے کھلاڑیوں کو داد دی۔ اس کے ساتھ ہی ہاف ٹائم کی سیٹی بج گئی۔

وقفے کے دوران میں کھلاڑیوں کو دودھ، سیب اور کیلے پیش کیے گئے اور ان کی حوصلہ افزائی کی گئی۔ دس منٹ کے وقفے کے بعد کھیل دوبارہ شروع ہوگیا۔ ٹیموں نے میدان میں اپنی سائیڈز تبدیل کر لی تھیں اور ساتھ ہی ان کے حمایتی بھی اپنی نشستیں تبدیل کرنے لگے۔ دوسرا ہاف بڑے جوش و خروش سے شروع ہوا۔ ہمارے کھلاڑیوں نے اس ہاف کا جارحانہ آغاز کیا۔ ہماری فارورڈ لائن نے بار بار گول کرنے کی کوشش کی لیکن کامیابی نہ مل سکی۔ اسی اثنا میں مخالف ٹیم کے سنٹر فارورڈ نے گیند کو اپنے قابو میں کیا اور بال اپنے قابو میں کر کے ہماری ٹیم کے چار کھلاڑیوں کو چکمہ دیتے ہوئے ایک اور گول کر دیا۔ اب تو ہمارے اپنے حوصلے پست ہونے لگے لیکن ہمارے کھلاڑیوں نے ہمت نہ ہاری۔ ابھی چند ہی منٹ گزرے تھے کہ ہماری ٹیم کو ایک پینلٹی کارنر مل گیا جس کے نتیجے میں ہمارے فل بیک ماجد رشید نے گول کر دیا۔ ہماری جان میں جان آئی اور ہم نے بھرپور تالیوں سے اپنے کھلاڑیوں کا حوصلہ بڑھایا۔ کچھ لمحوں بعد ہمارے سنٹر فارورڈ عبداللہ نے ایک اور تیز حملہ کیا، مخالف ٹیم کے کھلاڑی کا ان کے گول پوسٹ کے قریب فاؤل ہوگیا تو ریفری نے پینلٹی اسٹروک کے لیے سیٹی بجا دی۔ اب تو ہمیں یقین ہوگیا کہ میچ برابر ہو جائے گا اور یہی ہوا۔ ہمارے فل بیک ماجد رشید نے دوسرا گول کر کے میچ برابر کر دیا۔ داد و تحسین کے لیے طلبہ نے آسمان سر پر اٹھا لیا۔ مخالف ٹیم کے کھلاڑی پریشان نظر آنے لگے۔ انھیں یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ کالج کی ٹیم ایسا کھیل بھی پیش کر سکتی ہے! شاید ان کا حد سے بڑھا ہوا اعتماد انھیں لے ڈوبا تھا۔ میچ اب اپنے عروج پر تھا اور اختتامی لمحے قریب آ رہے تھے۔ ہمارے سنٹر ہاف امجد کے پاس گیند آیا تو اس نے کسی دوسرے ساتھی کھلاڑی کو پاس دینے کے بجائے خود آگے بڑھنے کا فیصلہ کیا۔ وہ گیند کو اپنے قابو میں کرتا ہوا، مخالف کھلاڑیوں سے بچتا بچاتا نہایت پھرتی سے مخالف ٹیم کے گول پوسٹ تک پہنچ گیا اور گول کیپر کو چکمہ دے کر گول کر دیا۔ پھر کیا تھا، ہنگامہ، شور، نعرے بازی، بھنگڑے۔ میچ پھر سے شروع ہوا۔ ہمارے کھلاڑی بھرپور دفاع کرنے لگ گئے۔

مخالف ٹیم کے کھلاڑیوں کے بھرپور حملوں کے باوجود گول نہ ہونے دیا۔ آخر کار ریفری نے میچ کے اختتام کی سیٹی بجائی۔ باہر بیٹھے تمام طلبہ ہاکی کے میدان میں داخل ہوگئے اور خوشی سے اپنے کھلاڑیوں کو اپنے کندھوں پر اٹھا لیا۔ یوں ایک سنسنی خیز مقابلہ اپنے اختتام کو پہنچا۔ یہ میچ مجھے ہمیشہ یاد رہے گا۔

رُودادنگاری کے لیے چند مجوزہ موضوعات

(۱) عیدمیلادالنبی خَاتَمُ النَّبِیّٖن صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے جلوس کی رُوداد

(۲) کسی کتاب کی تقریبِ رونمائی کی رُوداد

(۳) سال گرہ پارٹی کی رُوداد

(۴) جلسہ تقسیمِ انعامات کی رُوداد

(۵) سبزی منڈی سے خریداری کی رُوداد

(۶) کسی یادگار سفر کی رُوداد

(۷) ہسپتال میں مریض کی عیادت کی رُوداد

(۸) داخلے کے بعد کالج میں گزارے پہلے دن کی رُوداد

(۹) یومِ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی تقریب کی رُودادداد

(۱۰) ایک کرکٹ میچ کی رُوداد

روزنامچہ

روزنامچہ فارسی زبان کا لفظ ہے۔اس کے لغوی معنی روزمرہ زندگی کا حساب لکھنے کی کتاب،نوٹ بک،ڈائری اور کھاتہ وغیرہ کے ہیں۔اصطلاحاً روزانہ کے معمولات کو یادداشت کے طور پر تحریری ریکارڈ میں لانا روزنامچہ کہلاتا ہے۔

روزنامچہ لکھنے کے لیے چند ہدایات

(۱) املا کی درستی کا خیال رکھیں۔

(۲) روزنامچہ کی ابتدا تاریخ سے کریں۔

(۳) زبان سادہ اور عام فہم اختیار کریں۔

(۴) روزانہ کے معمولات کے اہم نکات ضرور درج کریں۔

(۵) اختصار اور جامعیت کو ملحوظِ خاطر رکھیں۔

(۶) زمانی و مکانی ترتیب برقرار رہے۔

① ایک ڈاکٹر کا روزنامچہ

۸/جنوری ___۲۰ء

میں آج صبح ۵:۳۰ بجے اٹھا۔نمازِ فجر ادا کی اور سیر کے لیے جناح باغ کو روانہ ہوا۔تازہ اور ٹھنڈی ہوا سے دل و دماغ کو بہت سکون ملا۔گھر واپس آکر پانی پیا اور دو ابلے ہوئے انڈے سمیت چائے کے ساتھ ناشتا کیا۔ ۹ بجے ہسپتال سے ایک مریض کے آپریشن کے لیے کال آئی۔ میں جلدی سے تیار ہوا اور فوراً ہسپتال پہنچا،مریض کو آپریشن تھیٹر میں منتقل کروایا اور اس کا اپنڈکس کا

آپریشن کیا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ کام احسن انداز سے مکمل ہوا۔ بعد میں وارڈ کا وزٹ کیا اور اسٹاف کو ضروری ہدایات دیں۔ پھر اپنے کمرے میں آ گیا۔ نمازِ ظہر ہسپتال کی مسجد میں باجماعت ادا کی۔ اتنی دیر میں گھر سے دوپہر کا کھانا آ چکا تھا۔ کھانا کافی تھا، اس لیے اپنے اسسٹنٹ اشرف علی کو بھی مدعو کر لیا اور ہم دونوں نے مل کر کھانا کھایا۔ اسی اثنا میں ایمرجنسی وارڈ میں ایک شدید زخمی کو لایا گیا جسے راہ زنی کے دوران میں تین فائر لگے تھے۔ میں فوراً ایمرجنسی وارڈ کی جانب دوڑا اور عملے کو بغیر وقت ضائع کیے اسے آپریشن تھیٹر میں لانے کا کہا۔ میں نے تمام احتیاطی تدابیر اختیار کرتے ہوئے اس کا آپریشن شروع کیا لیکن میری بھرپور کوشش کے باوجود وہ جاں بر نہ ہو سکا کیوں کہ ایک گولی اس کے سینے میں دل کو چھو گئی تھی۔ مجھے اس کی موت کا بہت افسوس ہوا لیکن قدرت کو یہی منظور تھا۔ مریض کے لواحقین بھی اس کی الم ناک موت پر بہت غم زدہ تھے۔ میں سر جھکائے خاموشی سے اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔ ڈیوٹی کا وقت ختم ہوا تو میں گھر واپس آ گیا۔ بیوی بچوں کے ساتھ رات کا کھانا کھایا، تھوڑی سی چہل قدمی کی اور نمازِ عشا ادا کرنے کے بعد سو گیا۔

❀

۲ لکڑی کے تاجر کا روزنامچہ

یکم فروری ___۲۰ء

معمول کے مطابق علی الصباح اٹھا۔ باوضو ہو کر فجر کی نماز ادا کی اور اللہ تعالیٰ سے رزقِ حلال کے لیے دعا کی۔ بعد ازاں قرآنِ مجید کی کچھ آیات کی تلاوت کی۔ بچوں کے ساتھ ناشتا کیا، انھیں ان کے سکولوں میں چھوڑا اور لکڑ منڈی کو روانہ ہو گیا۔ رات کو میرے گودام پہ جو لکڑی آئی تھے اس کا بغور جائزہ لیا اور اسے ریکارڈ میں لکھ لیا۔ اس کے بعد گودام سے ملحق اپنی دکان میں بیٹھ گیا۔ ایک دو گاہک آئے لیکن انھیں کوئی بھی لکڑی پسند نہ آئی۔ دوپہر تک اور کوئی گاہک نہ آیا۔ اِسی اثنا میں پڑتل اور دیار کی لکڑی کے دو اور ٹرک آ گئے۔ مارکیٹ میں اس لکڑی کی بہت مانگ ہے اس لیے لکڑی اترتے ہی تین چار گاہک آ گئے۔ ان میں سے ایک گاہک کو دیار کی لکڑی درکار تھی اور وہ بھی زیادہ مقدار میں۔ اس نے پورے ٹرک ہی کا سودا کر لیا۔ میں دل ہی دل میں بہت خوش ہوا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ اس کے بعد دو تین اور گاہکوں نے بھی تھوڑی تھوڑی خریداری کی۔ شام کو میں خوشی خوشی گھر لوٹا۔ رات کے وقت بیوی بچوں کو شاپنگ کروائی۔ ان کے چہروں پر بکھری مسکراہٹ سے مجھے بہت راحت ملی۔ واپس آ کر سب کے ساتھ مل کر رات کا کھانا کھایا، تھوڑی سی سیر کی اور نمازِ عشا ادا کرنے کے بعد بسترِ راحت پر دراز ہو گیا۔

❀

۳ ایک معلّم کا روزنامچہ

۱۸/مارچ ___۲۰ء

میں صبح سویرے اُٹھا، فجر کی نماز ادا کی اور قرآنِ کریم کی کچھ آیات کی تلاوت کی۔ اس کے بعد میں صبح کی سیر کے لیے پارک کی طرف روانہ ہوا۔ ایک گھنٹا سیر کرنے کے بعد میرا جسم تر و تازہ ہو گیا۔ میں نے گھر آ کر اس سبق کی منصوبہ بندی کی جو آج میں نے طلبہ کو پڑھانا تھا۔ اس کے بعد میں نے ناشتا کیا اور کالج جانے کے لیے تیار ہوا اور اپنی موٹر سائیکل پر کالج کی طرف روانہ ہو گیا۔ راستے میں ایک سٹیشنری کی دکان پر رک کر میں نے بورڈ مارکر خریدا اور کچھ دیر بعد کالج پہنچ گیا۔ حسبِ معمول رجسٹر حاضری پر دستخط کیے، رفقائے کار سے علیک سلیک ہوئی اور اسٹاف روم میں بیٹھ کر اخبار پڑھا۔ میرا پہلا لیکچر گیارھویں جماعت میں تھا۔ میں کتاب اور بورڈ مارکر لے کر جماعت میں داخل ہُوا تو تمام طلبہ نے کھڑے ہو کر میرا استقبال کیا۔ سلام دعا کے بعد میں نے ان کی حاضری لگائی اور تدریس کا آغاز کیا۔ آج کا سبق فیض احمد فیض کی غزل کی تشریح تھی، جس کا مطلع تھا:

نہ گنواؤ ناوکِ نیم کش دلِ ریزہ ریزہ گنوا دیا
جو بچے ہیں سنگ سمیٹ لو تنِ داغ داغ لُٹا دیا

یہ شعر اور دوسرے اشعار طلبہ کی سمجھ سے باہر تھے اس لیے میں نے فکری اور فنی لحاظ سے مطلع سمیت ہر شعر کی مکمل وضاحت کی۔ اب ان کے ردِعمل سے محسوس ہو رہا تھا کہ وہ نہ صرف مطلع بلکہ پوری غزل کا مفہوم سمجھ گئے ہیں۔ میں نے سبق کے اختتام پر طلبہ کے سوالوں کے جواب بھی دیے۔ اس کے بعد گیارھویں جماعت کے ایک اور سیکشن میں بھی یہی سبق اسی طور پڑھایا۔ دو پیریڈ پڑھانے کے بعد میں اسٹاف روم میں واپس آ گیا۔ تھوڑی سی تھکاوٹ محسوس ہوئی تو ایک کپ چائے بنوا کر پی اور ساتھ میں بسکٹ بھی کھائے۔ اس وقفے کے بعد بارھویں جماعت کو مزید دو لیکچر دیے۔ کالج سے چھٹی ہوتے ہی میں گھر پہنچا۔ گھر پہنچ کر میں نے کھانا وانا کھایا اور کچھ دیر آرام کیا۔ آرام کرنے کے بعد کچھ وقت اہلِ خانہ کے ساتھ گزارا۔ روزانہ کے معمول کے مطابق بیٹے اور بیٹی کے ہوم ورک میں ان کی رہنمائی کی اور ان کی کاپیوں کا معائنہ کیا۔ ایک بار پھر چائے پی۔ مغرب کی نماز مسجد میں ادا کی اور واپس آ کر رات کا کھانا تناول کیا۔ عشا کی نماز کے بعد گھر کے باہر چہل قدمی کی اور واپس آ کر سو گیا۔

۴ شاعر کا روزنامچہ

۲۱/اپریل ___ ۲۰ء

آج معمول سے ہٹ کر نور کے تڑکے ہی آنکھ کھل گئی۔ وضو کر کے نمازِ تہجّد ادا کی۔ ماحول بہت خوش گوار تھا، ہر طرف خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ میں فجر کی اذان کے انتظار میں دوبارہ بستر میں آلیٹا۔ دور کسی مسجد سے نعتیہ اشعار پڑھنے کی صدا آنے لگی۔ میں نے کان لگا کر توجہ سے پوری نعت سنی، جس نے مجھے بھی نعت گوئی کی تحریک دی۔ نعت کے دو اشعار کی آمد ہوئی تھی کہ فجر کی اذان شروع ہو گئی۔ اُٹھ کر دو رکعت سنّت گھر ہی میں ادا کی اور فرض نماز کی ادائیگی کے لیے مسجد چلا گیا۔ مسجد سے واپسی پر مزید نعتیہ اشعار کی آمد ہو رہی تھی۔ گھر پہنچ کر تمام اشعار کو اپنی ڈائری میں لکھ لیا۔ میں دل ہی دل میں بہت خوش ہو رہا تھا کہ دن کا آغاز خوب صورت نعت سے ہوا ہے۔ ناشتے کی میز لگی تو بے خودی میں یہ نعت وہیں اپنے بیوی بچوں کو سنائی اور یوں وہ سب میری نعت کے پہلے سامعین تھے۔ اتفاقاً آج بزمِ معینِ ادب کے زیرِ اہتمام ایک نعتیہ نشست بھی منعقد ہونی تھی۔

میں نے فیصلہ کر لیا کہ وہاں بھی یہی نعت پیش کروں گا۔ دوپہر کے وقت محفل میں پہنچا، نعت کی شانِ نزول بیان کی اور شرکا کے رُوبرو پیش کر دی۔ تمام شرکائے محفل نے دل کھول کر داد دی۔ انتظامیہ نے کھانے کا بھی بندوبست کیا ہوا تھا۔ دیگر شعرا کے ہمراہ کھانا کھایا اور گھر لوٹا۔ نمازِ ظہر کے بعد تھوڑی دیر آرام کیا۔ سہ پہر کے وقت سُتّر منڈی روزانہ کی نوکری کے لیے روانہ ہو گیا۔ وہاں پہنچ کر اپنی منشی کی نشست پر بیٹھا، رجسٹر کھولے اور رات گئے تک حساب کتاب میں محو رہا۔ اس عرصے میں رات کا کھانا کھایا اور دو مرتبہ چائے پی۔ رات کو واپسی ہوئی تو راستے سے امرود اور مالٹے خریدے، انھیں موٹر سائیکل کے ہینڈل پہ لٹکایا اور گھر پہنچ گیا۔ بچے سو چکے تھے۔ بیوی نے دروازہ کھولا اور استقبال کیا۔ تھوڑا سا پھل کھایا اور ڈائری کھول لی۔ صبح والی نعت ''مدحت گری میں اوجِ ہنر دیکھتا رہا'' پھر سے پڑھتے پڑھتے میری آنکھ لگ گئی۔

❁

۵ شادی کی تقریب کے متعلق روزنامچہ

۳۰/نومبر ___ ۲۰ء

آج میرے سگے بڑے بھائی محمد صہیب رُومی کی شادی تھی۔ میں نے کالج سے تین دن کی رخصت لے رکھی تھی۔ کل رات مہندی کی رسم میں سہیلیوں کے ساتھ ہلّا گُلّا کرتے کرتے تھک کر چُور ہو چکی تھی لیکن صبح سویرے اُٹھنا بھی تھا۔ مہمانوں کی دیکھ بھال، ان کے ناشتے کا بندوبست، صفائی ستھرائی کی نگرانی، دُلھا کے کمرے کی تیاری اور برات کے ساتھ روانگی کی تیاری، کتنے ہی ایسے کام تھے۔ خواتین کے بیٹھنے کا انتظام گھر کے اندر تھا جب کہ مرد حضرات باہر شامیانے میں موجود تھے۔ میں نے امّی کے ساتھ مل کر

خواتین کو ناشتا کرایا اور ابّو نے اپنی نگرانی میں باہر مردوں کو ناشتا دیا۔ خالہ، پھوپھو، چچازاد، ماموں زاد بہنیں اور سہیلیاں پہلے ہی تیار ہو کے آئی تھیں اس لیے انھیں ناشتا پیش کرنے کے فوراً بعد میں بھی تیار ہوگئی۔ جلد ہی دُلھے میاں کی سہرابندی کی تقریب شروع ہوگئی۔ تمام عزیز و اقارب نے اسے خوشی خوشی سلامی اور سلامتی کی دعائیں دیں۔ برات لاہور کے لیے روانہ ہوئی تو میں دُلھا کی کار میں بیٹھی۔ دلھن والوں نے ہمارا شان دار استقبال کیا۔ سب سے پہلے نکاح ہوا اور دعائے خیر کی گئی۔ اس کے بعد سب کو چھوٹی چھوٹی ڈبیوں میں چھوہارے، بادام اور ٹافیاں پیش کی گئیں۔ دلھن والوں نے پہلے ہر میز پر مشروبات پیش کیے پھر مزے دار کھانا پیش کیا جسے سب نے جی بھر کر کے کھایا۔ کھانے کے بعد شان دار سبز چائے سے بھی تواضع کی گئی۔

سہ پہر کے بعد رخصتی کا وقت ہوگیا۔ دُلھا اور دلھن کار میں سوار ہوئے۔ ہم رات کو آٹھ بجے گھر پہنچے۔ دُلھا دلھن کا والہانہ استقبال کیا گیا۔ میں بہت تھک گئی تھی۔ گھر آ کر میں نے کپڑے تبدیل کیے۔ کچھ وقت رشتہ داروں اور مہمانوں کے ساتھ گزارا۔ ان کے ساتھ رات کا کھانا کھایا۔ مہمانوں کے ساتھ آئے ہوئے بچے بہت شور کر رہے تھے جس کی وجہ
سے میں دیر تک سو نہیں پائی۔ میری آنکھ کب جھپکی اور کب مجھے نیند نے آلیا، پتا ہی نہ چلا۔

٦ مطالعاتی دورے کا روزنامچہ

۱۵/دسمبر ___ ۲۰ء

آج ہمارے کالج کی طرف سے لاہور کے شاہی قلعے اور بادشاہی مسجد کے مطالعاتی دورے کا انتظام کیا گیا تھا۔ میں صبح سویرے اُٹھا، یونیفارم پہنی اور سات بجے کالج کے لیے روانہ ہوگیا۔ کالج پہنچا تو پتا چلا کہ روانگی کے لیے بس تیار ہے اور میری جماعت کے تمام طلبہ اس میں سوار بھی ہو چکے ہیں، مجھے بھی آخری سیٹ پر کھڑکی کے ساتھ جگہ مل گئی۔ ابھی ساتھیوں کے ساتھ سلام دعا ہی ہوئی تھی کہ بس چل پڑی۔ میرے پاس کچھ خشک میوے تھے جب کہ یار دوست بھی سفر میں کھانے کے لیے کچھ چیزیں ساتھ لائے ہوئے تھے۔ ہماری بس ڈیرہ غازی خان سے ملتان نئی بنی ہوئی شاہراہ پر رواں دواں تھی۔ اس سفر کا دورانیہ تقریباً دو گھنٹے تھا۔ آدھے راستے میں دوستوں نے کھانے پینے کی چیزیں نکالیں اور میں نے بھی خشک میوے نکالے۔ ہمارے ساتھ دو پروفیسر اشکر فاروقی صاحب اور ڈاکٹر سیّد علی جتوئی صاحب بھی تھے، میں نے پہلے انھیں چلغوزے اور کاجو پیش کیے۔ ساتھ بیٹھے ہوئے دوستوں کو بھی وضع داری دکھائی اور خود بھی ان کی چیزوں سے لطف اندوز ہوا۔ چار گھنٹے کی مسافت کے بعد ہم لاہور کی حدود میں داخل ہوئے اور اپنی منزل پر پہنچ گئے۔ سب سے پہلے شاہی قلعہ دیکھنے کو ملا۔ شاہی قلعہ میں ہماری چال ڈھال بھی شاہانہ تھی۔ ہم چشمِ تصوّر سے بادشاہوں کی جاہ وحشمت کا نظارہ کر رہے تھے۔ شیش محل دیکھنے کا بہت مزہ آیا۔ میں نے وہاں بہت سی تصاویر بنائیں۔ اس کے بعد ہم بادشاہی مسجد گئے۔ وہاں رکھے ہوئے تبرّکات کی زیارت کی اور نماز ادا کی۔ اس کے بعد دوبارہ بس میں سوار ہوئے اور خلافِ توقع ہمارے اساتذہ کرام ہمیں

سوز وواٹر پارک اور واہگہ بارڈر بھی لے گئے جہاں ہم نے پرچم اتارنے کی شان دار تقریب دیکھی۔ پھر واپسی کا سفر شروع ہُوا۔ تمام طلبہ کو کالج تک حفاظت سے پہنچایا گیا۔ میں گھر آیا، کھانا کھایا، تھوڑی سی چہل قدمی کی اور بستر پر لیٹ گیا۔

روزنامچہ کے لیے چند مجوزہ موضوعات

(۱) ایک نجومی کا روزنامچہ
(۲) ایک تاجر کا روزنامچہ
(۳) ایک ریلوے آفیسر کا روزنامچہ
(۴) ایک جج کا روزنامچہ
(۵) ایک فن کار کا روزنامچہ
(۶) ایک کلرک کا روزنامچہ
(۷) ایک انتظامی افسر کا روزنامچہ
(۸) ایک سیاست دان کا روزنامچہ
(۹) ایک وکیل کا روزنامچہ
(۱۰) ایک اخباری رپورٹر کا روزنامچہ
(۱۱) ایک مصوّر کا روزنامچہ
(۱۲) ایک صنعت کار کا روزنامچہ

مضمون نویسی

مضمون عربی زبان کا لفظ ہے جس کے لغوی معنی ضمن میں لیا ہوا کے ہیں یعنی کسی صنفِ سخن کے ضمن میں وہ متن،، وہ تحریر یا وہ عبارت جو کسی خاص بحث پر مشتمل ہو۔ گویا کسی خاص موضوع پر بحث کو ضابطۂ تحریر میں لانا مضمون نویسی کہلاتا ہے۔ اصنافِ سخن میں مضمون نویسی نثر کی ایک ایسی صِنف ہے جس میں کسی بھی موضوع پر اظہارِ خیال کیا جاسکتا ہے۔ مضمون کو بالعموم درج ذیل اقسام میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

ا۔ معلوماتی مضامین	۲۔ واقعاتی مضامین	۳۔ اِستدلالی مضامین
۴۔ سائنسی مضامین	۵۔ مزاحیہ مضامین	۶۔ تاریخی مضامین
۷۔ بیانیہ مضامین	۸۔ سوانحی مضامین	۹۔ جغرافیائی مضامین

مضمون نویسی میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ جس موضوع پر آپ لکھ رہے ہیں، اس کے بارے میں آپ کے پاس کتنی معلومات ہیں اور اپنے خیالات کا اظہار کس طرح کرتے ہیں۔ اس کی ترتیب میں ابتدائیہ کے طور پر سب سے پہلے موضوع کا انتخاب اور اس کا تعارف کرایا جاتا ہے۔ مضمون کا یہ حصّہ نہایت جامع مگر مختصر ہونا چاہیے اور ایسا دل نشین اسلوب اپنانا چاہیے کہ اس کے پڑھنے کے بعد قاری نہ صرف نفسِ مضمون سے ایک حد تک آگاہ ہو جائے بلکہ اس کے دل میں پورا مضمون پڑھنے کا تجسّس پیدا ہو۔

نفسِ مضمون موضوعِ بحث کا مرکزی اور سب سے اہم حصّہ ہوتا ہے۔ مضمون نگار پر لازم ہے کہ وہ اپنے خیالات کو ایک خاص ترتیب کے مطابق اقتباسات کی صورت میں لکھے۔ مشکل الفاظ اور غیر ضروری تراکیب سے اجتناب کرے البتہ جہاں ضروری ہو غیر محسوس طریقے سے تشبیہات، اشعار، ضرب الامثال، مشاہیر کے قول اقوال، احادیث اور قرآنی آیات کے حوالہ جات سے بھی کام لے۔ املا و انشا اغلاط سے پاک ہو جب کہ حسنِ اسلوب مدِ نظر رہنا چاہیے۔ موضوعِ سخن کے مطابق تائید یا تردید میں بحث اور دلائل کے بعد مضمون کے آخر میں نتیجہ پیش کیا جاتا ہے۔

اختتامی حصّے میں تمام تفصیلات کو سمیٹ کر چند سطروں میں بیان کرنا چاہیے۔ مضمون کا خاتمہ ایسا پُراثر اور جان دار ہونا چاہیے کہ موضوع کے تمام ضروری نِکات قاری کی نظروں کے سامنے آجائیں۔ مضمون لکھتے وقت درج ذیل امور کو مدِ نظر رکھنا ضروری ہے:

(۱) املا درست ہو۔	(۲) خوش خطی کا خاص خیال رکھیں۔
(۳) جملوں کی ساخت درست ہو۔	(۴) خیالات کا انتخاب موضوع کے مطابق ہو۔
(۵) زمانی اور مکانی ترتیب کا خیال رکھا گیا ہو۔	(۶) کسی بات کو بار بار نہ دہرایا جائے۔
(۷) صرف وہی بات لکھی جائے جس کا آپ کو صحیح علم ہو۔	(۸) افعال اور رموزِ اوقاف کی علامات کا استعمال درست ہو۔

١ سیرتِ طیّبہ خَاتَمُ النَّبِیّٖن صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ

وہ دانائے سُبل، ختم الرُّسل ، مولائے کُل، جس نے
غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیِ سینا

حضرت محمد رسول اللہ خَاتَمُ النَّبِیّٖن صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کو ربِّ کائنات نے انسانیت کے لیے ہدایت کا آخری اور مکمل ترین سرچشمہ بنا کر مبعوث فرمایا۔ آپ خَاتَمُ النَّبِیّٖن صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کی ولادت باسعادت اور بعثت سے ایک نئے دور کا آغاز اور تاریخ کی ایک نئی جہت کا تعیّن ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ اگر ہم تاریخ میں آپ خَاتَمُ النَّبِیّٖن صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ سے پہلے اور بعد کے زمانوں کا تقابل کریں تو ہم دیکھتے ہیں کہ آپ خَاتَمُ النَّبِیّٖن صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کی تشریف آوری کے بعد انسانیت کلیتاً ایک نئے دور میں داخل ہو گئی۔ ایک ایسا دور جس میں شعور وآگہی، تہذیب، ثقافت اور اعلیٰ انسانی اقدار کے فروغ اور استحکام کی وہ نظیریں ملتی ہیں جن کا آپ کی آمد سے پہلے تصوّر بھی نہیں کیا جا سکتا۔ یہ سب ختمِ نبوّت کا وہ ابدی فیضان تھا جو آپ خَاتَمُ النَّبِیّٖن صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کی بعثت کے بعد آپ خَاتَمُ النَّبِیّٖن صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کی ذاتِ مبارکہ کے ذریعے سے عالمِ انسانیت میں جاری وساری ہوا۔

قرآنِ مجید میں واضح طور پر ہدایتِ ربّانی کو اطاعتِ رسول خَاتَمُ النَّبِیّٖن صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ سے مشروط قرار دیا گیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''اور اگر تم ان کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پا جاؤ گے۔'' (سورۃ النور، آیت: ۵۴) یہاں ہدایت کو اطاعتِ رسول خَاتَمُ النَّبِیّٖن صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ پر موقوف قرار دے کر یہ حقیقت بیان کر دی گئی ہے کہ سیرت وسنتِ نبوی خَاتَمُ النَّبِیّٖن صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کو اپنے اوپر لازم کیے بغیر دنیا وآخرت میں کام یابی کی کوئی اور سبیل نہیں۔ بقول شاعر:

جو کرنی ہے جہاں گیری ، محمدؐ کی غلامی کر
عرب کا تاج سر پہ رکھ خداوندِ عجم ہو جا

اللہ تعالیٰ نے حضور خَاتَمُ النَّبِیّٖن صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کی سیرتِ طیّبہ کو لوگوں کے لیے اخلاقِ حسنہ کا اعلیٰ اور اکمل نمونہ بنایا اور پوری کائناتِ انسانی میں فقط آپ خَاتَمُ النَّبِیّٖن صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ ہی کی ذات وہ نمونہ ہے جس سے ہر عمر، ہر طبقہ اور ہر دور کے لوگ زندگی کے تمام شعبوں میں رہ نمائی حاصل کر سکتے ہیں، اس لیے آپ خَاتَمُ النَّبِیّٖن صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کی ذاتِ اقدس کو اسوۂ حسنہ یعنی بہترین نمونہ قرار دیا گیا ہے۔

قرآنِ مجید نے بہ صراحت یہ اعلان کر دیا ہے کہ آپ خَاتَمُ النَّبِیّٖن صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کی اطاعت ہی اطاعتِ الٰہی ہے۔

مزید یہ کہ احکامِ قرآنی کی تفصیلات وجزئیات بھی سیرتِ نبوی خَاتَمُ النَّبِیّٖن صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ ہی نے فراہم کی ہیں ورنہ ان احکام کی تعمیل بھی ناممکن ہو جاتی۔ جیسا کہ قرآنِ مجید نے بار بار نماز ادا کرنے کا حکم دیا، مگر نماز ادا کرنے کا طریقہ نہیں بتایا۔ آپ خَاتَمُ النَّبِیّٖن صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا: ''جس طرح تم مجھے نماز پڑھتا دیکھتے ہو اسی طرح پڑھا کرو۔'' (بحوالہ صحیح بخاری: ۶۰۰۸)

اس طرح زکوٰۃ، حج، روزہ کے احکام اور سفر کی نماز وغیرہ کی تفصیلات بھی ہمیں آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم کی سنّت اور آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم کی سیرت ہی سے ملتی ہیں۔حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم کے معاملاتِ زندگی سراسر احکامِ شریعت ہیں۔صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنھم آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم کی خلوت و جلوت، آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم کے شب و روز، آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم کی حرکت وسکون، آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم کی نشست و برخاست، لین دین، کلام وسکوت کا بغور مشاہدہ کرتے اور آنکھیں بند کر کے آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم کی اتّباع میں لگے رہتے حتیٰ کہ دورانِ نماز قبلہ کی تبدیلی کے وقت بھی ایک لحہ توقّف کیے بغیر بیت المقدس سے مُنہ پھیر کر حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم کی پیروی کر لی اور اپنی دولتِ ایمان میں اضافہ کر لیا۔

حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم کی محبت ہر مسلمان کے ایمان کی بنیاد ہے۔ایک حدیثِ پاک ہے:"تم میں سے کوئی اُس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ مَیں اُسے اُس کے والدین، اولاد اور سب انسانوں سے بڑھ کر محبوب نہ ہو جاؤں۔" گویا محبتِ رسول خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم ایمان کی شرطِ اوّل ہے، اس کے بعد ہی اطاعت اور اعمال کا دروازہ کھلتا ہے۔

قرآنِ کریم نے بھی آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم کے اعلیٰ اخلاق کی گواہی دی ہے:"اور بے شک آپ اخلاق کے اعلیٰ مرتبے پر ہیں۔" (سورۃ القلم، آیت: ۴)

حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم کے خلقِ عظیم کی مثالیں سیرتِ طیبہ کی کتب میں خُوش بُو کی طرح بکھری ہوئی ہیں۔آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:"بے شک مَیں اچھے اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہوں۔" (بحوالہ الموطا ص: ۷۵۶)

نبی رحمت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم اپنے اہل وعیال اور نواسوں سے بے پناہ محبت فرماتے۔یتیموں کے سر پر دستِ شفقت رکھتے، مہمانوں کی خدمت خود اپنے ہاتھوں سے کرتے، بھوکوں کو کھانا کھلاتے، محتاجوں کی مدد فرماتے، بیماروں کی عیادت کے لیے تشریف لے جاتے۔آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم نے انسانوں کو غلام بنانے کی رسم کا خاتمہ کیا، اخوّت اور بھائی چارے کی بنیاد رکھی۔دورِ جاہلیت میں عورت کی کوئی عزّت وتوقیر نہ تھی۔وہ اپنی بیٹیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے۔آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم نے عورت کو اس کے ہر روپ میں توقیر بخشی۔اپنی پیاری بیٹی حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنھا کا کھڑے ہو کر استقبال کرتے۔یہ عزّت افزائی صرف اپنی بیٹی تک محدود نہیں تھی۔ایک دفعہ عرب کے مشہور سردار حاتم طائی کی بیٹی آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم کی خدمت میں لائی گئی تو آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم نے مثالی حسنِ سلوک کا مظاہرہ کیا۔آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم نے فرمایا کہ جو والدین اپنی بیٹیوں کی صحیح پرورش اور تعلیم وتربیت کرتے ہیں اور ان کی شادی کر کے اپنے فرائض پورے کرتے ہیں، وہ جنت میں میرے ساتھ یوں کھڑے ہوں گے جیسے ہاتھ کی دو انگلیاں۔ (بحوالہ صحیح مسلم) حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم نے عورت کو ایک ماں کی حیثیت سے اس کے قدموں تلے جنت کی نوید سنا کر وہ عزّت اور تکریم بخشی جو کسی اور معاشرے یا مذہب میں نہیں۔گویا آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم کی سیرتِ طیبہ ایک بہترین اور مثالی معاشرتی زندگی کے شان دار اصولوں کا مرقّع ہے جس سے تمام نوعِ انسان فیض یاب ہو رہی ہے۔

حضور خَاتَمُ النَّبِيّٖن صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کی ہستی نہ صرف مسلمانوں کے لیے رحمت ہے بلکہ غیر مسلموں کے ساتھ بھی صلۂ رحمی اور عفو و درگزر کی اعلیٰ ترین مثال ہے۔ آپ خَاتَمُ النَّبِيّٖن صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ نے غیر مسلموں کے حقوق، جان و مال کا تحفّظ اور ان کی مذہبی روایات کا احترام مسلمانوں کے لیے لازم قرار دیا ہے اور انھیں ان کے مذہب کے مطابق زندگی گزارنے کی مکمل آزادی بخشی ہے۔

محسنِ انسانیت خَاتَمُ النَّبِيّٖن صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ نے بنی نوع انسان کے لیے عفو و درگزر، برداشت، ایثار، حکمت اور رواداری کے اعلیٰ ترین نمونے پیش کیے جو ہر دور کے لوگوں کے لیے مثالی ہیں۔ اسلام سے قبل فاتح لشکر کے لیے مفتوح قیدیوں کو قتل کر دینا اور لوٹ مار کرنے کا عام رواج تھا۔ آپ خَاتَمُ النَّبِيّٖن صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ نے ان قبیح رسوم کو ختم کیا، قیدیوں اور شکست خوردہ لشکر کے لیے آفاقی قوانین متعارف کرائے۔ دورانِ جنگ بوڑھوں، عورتوں اور بچوں کو قتل نہ کرنے کا حکم دیا۔ یہاں تک کہ سرسبز درختوں، فصلوں اور پانی کے چشموں کو نقصان پہنچانے سے بھی منع فرمایا اور فاتح لشکر کے لیے حکم دیا کہ وہ لوگوں کے گھروں میں داخل نہ ہوں اور نہ ہی کسی کھلے دروازے سے اندر جھانکیں۔ آپ خَاتَمُ النَّبِيّٖن صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ سب سے بڑھ کر دشمن کو معاف کرنے والے ہیں۔ فتحِ مکّہ کے موقع پر آپ نے مشرکینِ مکہ کے لیے عام معافی کا اعلان فرما کر سب کو اپنے گھروں میں رہنے کی اجازت دے دی۔

اللہ کے رسول خَاتَمُ النَّبِيّٖن صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ انسانوں ہی کے لیے نہیں بلکہ جانوروں کے لیے بھی سراپا رحمت ہیں۔ آپ خَاتَمُ النَّبِيّٖن صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ نے جانوروں پر ظلم کرنے اور ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ لادنے سے منع فرمایا ہے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی چڑیا کے گھونسلے کو بھی نقصان پہنچاتا تو حضور خَاتَمُ النَّبِيّٖن صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ ناراضی کا اظہار فرماتے۔

سیرتِ طیّبہ ہر خاص و عام، اعلیٰ و ادنیٰ اور ہر گوشۂ حیات کے لیے ہدایت کا بہترین نمونہ ہے جس پر عمل پیرا ہو کر ہم اپنی دنیا و آخرت کو خوب صورت بنا سکتے ہیں۔ پوری انسانیت کے مسائل کا حل سیرتِ طیّبہ کی اتباع میں پوشیدہ ہے۔

۲ قائدِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور دو قومی نظریہ

اپنی ملّت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِؐ ہاشمی

دو قومی نظریہ سے مُراد یہ ہے کہ متحدہ ہندوستان میں دو بڑی قومیں رہتی تھیں۔ یہ قومیں ہندو اور مسلم تھیں۔ یہ دونوں قومیں سیکڑوں سال تک ایک دوسرے کے ساتھ رہی ہیں لیکن اپنے مخصوص مذہبی اور منفرد معاشرتی نظاموں کی وجہ سے باہم ایک دوسرے میں ضم نہیں ہو سکیں۔

دو قومی نظریہ محض برِ صغیر تک محدود نہیں ہے۔ تاریخ نے ہمارے سامنے کئی مثالیں پیش کی ہیں جیسے برطانیہ اور آئر لینڈ کی یونین، چیکوسلواکیہ اور پولینڈ کی آزادی۔ تاریخ نے ہمیں بہت سے جغرافیائی خطوط بھی دکھائے ہیں جو برصغیر پاک و ہند سے بہت چھوٹے تھے، جنھیں بصورتِ دیگر ایک ملک کہا جا سکتا تھا لیکن وہ سات یا آٹھ خود مختار ریاستوں میں تقسیم ہوئے۔ اسی طرح پرتگالی اور ہسپانوی بھی جزیرہ نما خطے میں علیحدہ علیحدہ موجود ہیں۔

۱۸۶۷ء میں اردو ہندی تنازع اور ۱۸۸۵ء میں کانگریس کی بنیاد سے لے کر ۱۹۰۶ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے قیام تک ہندوتوا تعصّب دو قومی نظریے کا سب سے بڑا محرّک ثابت ہوا جس کا با قاعدہ اعلان ۱۹۳۰ء میں مسلم لیگ کے الٰہ آباد والے (میں منعقدہ جلسے میں) اجلاس میں علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے مسلمانوں کے لیے ایک علیحدہ وطن (پاکستان) بنانے کی تجویز کی صورت میں کیا۔ ان کے الفاظ تھے:

> ''برِ صغیر کے مسلمانوں کے سیاسی مسائل کا واحد حل یہ ہے کہ مسلمانوں کے لیے الگ مملکت قائم کر دی جائے کیوں کہ دونوں اقوام کا یک جا رہنا ناممکن ہے اور نہ ہی یہ یک جا ہو کر آگے بڑھ سکتے ہیں۔ الٰہ آباد میں گنگا و جمنا کا پانی جس طرح الگ الگ نظر آتا ہے، اسی طرح یہ دونوں اقوام اکٹھی رہنے کے باوجود شناخت میں الگ الگ ہیں۔ ہندوستان کے مسئلے کے حل کے لیے علیحدہ قومیت کا وجود ناگزیر ہے۔ ہندوستانی معاشرے کی اکائیاں یورپی ممالک کی طرح علاقائی نہیں۔ یہ خطہ مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے والی مختلف نسلوں پر مشتمل انسانی گروہوں کا ہے۔ الگ الگ قومیتی گروہوں کو تسلیم کیے بغیر پورے جمہوری اصول کا اطلاق ہندوستان پر نہیں ہو سکتا۔ اس لیے مسلمانوں کا یہ مطالبہ جائز ہے کہ ہندوستان کے اندر مسلم انڈیا کا قیام عمل میں لایا جائے۔''

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے مزید فرمایا:

> ''میری خواہش ہے کہ پنجاب، سرحد، سندھ اور بلوچستان کے صوبوں کو ملا کر ایک الگ ریاست بنا دی

جائے۔ برطانوی سلطنت کے اندر یا باہر خود مختار حکومت مجھے شمال مغربی ہند کے مسلمانوں کا مقدّر دکھائی دیتی ہے۔''

یہ دوقومی نظریہ ہندوستانی مسلمانوں کے لیے روشنی کا ایسا مینار ثابت ہوا جو بعد میں تحریکِ پاکستان اور قیامِ پاکستان کا باعث بنا۔ قائدِ اعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی دوقومی نظریے کے حامی اور قائل تھے۔ ۱۹۳۰ء کی پہلی گول میز کانفرنس میں علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اب ہم ایک ایسے مقام پر آ پہنچے ہیں جہاں اگر مَیں یہ نہ بتاؤں کہ مسلمانوں کا موقف کیا ہے تو مَیں اپنے فرض سے غفلت برتوں گا۔ میں واشگاف الفاظ میں یہ بتا دینا چاہتا ہوں، ہندو مسلم سمجھوتا میں کوئی نیا دستور نافذ کرنے سے پہلے ایک ضروری اور ناگزیر اقدام ہے، ایک بنیادی شرط ہے، جب تک آپ مسلمانوں کے حقوق کے تحفّظ کی ضمانت نہ دیں جس کی بنا پر وہ حکومتِ ہند کے آیندہ دستور کے تحت مکمل سلامتی اور خود مختاری محسوس کرنے لگیں۔ جب تک آپ ان کا تعاون، خلوص اور رضا مندی حاصل نہ کریں گے، اس وقت تک جو دستور بھی آپ ہندوستان کے لیے بنائیں گے، چوبیس گھنٹے بھی نہ چل سکے گا۔''

قائدِ اعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ جس وقت علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے دوقومی نظریے کے حامی و ہم نوا بنے تو یہ نظریہ ایک مسلّمہ تاریخی حقیقت بن گیا اور بہ تدریج عوام و خواص میں مقبول ہوتا گیا۔ الٰہ آباد کے اجلاس کے چار سال بعد جب قائدِ اعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ نے مسلم لیگ کی صدارت کا عہدہ مستقل طور پر قبول کیا تو انھوں نے ہندوستان کے اندر مسلم انڈیا کے قیام کی اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کی باقاعدہ کوششیں شروع کر دیں۔ قائدِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی قیادت میں مسلم لیگ کی طویل جدوجہد نے بتدریج دوقومی نظریے کی بنیاد اور اصولوں کے مراحل طے کیے۔ قراردادِ لاہور (پاکستان) ۲۳ / مارچ ۱۹۴۰ء کو پیش ہوئی جس میں قائدِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے صدارتی خطبہ ارشاد کرتے ہوئے فرمایا:

''ہندو اور مسلمان دو علیحدہ مذاہب سے تعلق رکھتے ہیں جو بالکل مختلف عقائد پر قائم ہیں اور مختلف نظریات کی عکاسی کرتے ہیں۔ دونوں اقوام کے ہیروز، رزمیہ کہانیاں اور واقعات ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ لہٰذا دونوں قوموں کو ایک لڑی میں پرونے کا مقصد برصغیر کی تباہی ہے کیوں کہ یہ برابری کی سطح پر نہیں بلکہ اقلیت اور اکثریت کے روپ میں موجود ہیں۔ برطانوی حکومت کے لیے بہتر ہوگا کہ ان دونوں قوموں کے مفادات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے برِ صغیر کی تقسیم کا اعلان کرے جو کہ تاریخی اور مذہبی لحاظ سے ایک صحیح قدم ہوگا۔''

اسی اجلاس سے خطاب میں قائدِ اعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ نے مسلمانوں کے لیے جداگانہ ریاست یعنی پاکستان کو اپنی

منزل قرار دیا۔ ۱۹۴۴ء میں علی گڑھ کے طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے قائدِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''مسلمانوں کی قومیت کی بنیاد کلمۂ توحید ہے، وطن اور نسل نہیں۔ ہم مسلمان اپنی تابندہ تہذیب و تمدّن کے لحاظ سے ایک قوم ہیں، زندگی گزارنے کا اپنا ایک اسلامی فلسفۂ حیات اور زاویۂ نگاہ ہے۔ بین الاقوامی قانون کی ہر تعریف ہماری قومیت کو تسلیم کرتی ہے۔''

قائداعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ کی دوقومی نظریہ اور نظریۂ پاکستان کے بارے میں سوچ بالکل واضح تھی۔ وہ دوقومی نظریے کے قائل اور نظریۂ پاکستان کے محرّک اور اسے عملی صورت دینے کے لیے متحرّک تھے۔ وہ ہندوستانی مسلمانوں کے لیے الگ وطن کا بہر صورت قیام چاہتے تھے اور اس کے لیے مسلسل کوشاں رہے۔ گاندھی سمیت بے شمار ہندو رہنما آپؒ کے بدترین مخالف بن گئے۔ وہ کسی بھی صورت میں مسلمانوں کی الگ ریاست کا قیام اور اس کا مطالبہ روکنے کے لیے ہر حد سے تجاوز کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ ہندو رہنماؤں نے بے شمار حیلے بہانے تراشے اور عذر پیش کیے۔ گاندھی کے نظریات کے حامی ایک ہندو لیڈر راج گوپال اچاریہ نے قائدِ اعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ کے الگ وطن کے نظریے کو ہدفِ تنقید بناتے ہوئے کہا:

''جناح کا مطالبہ اس طرح ہے جیسے دو بھائی ایک گائے کی ملکیت پہ جھگڑیں اور گائے کو دو حصوں میں تقسیم کر لیں۔''

قائدِ اعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ اپنے نظریات، خیالات، ارادوں اور مقاصد کے حصول کے لیے بہت سنجیدہ تھے اور اللہ تعالیٰ نے انھیں بہترین بصیرت سے نوازا ہوا تھا۔ پختہ رائے اور قوتِ فیصلہ، ان کی شخصیت کا خاصا تھی۔ قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ کو یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ امتِ مسلمہ کا حامی و ناصر ہے۔ وہ مطمئن تھے کہ قدرت نے پہلے ہی ہندوستان کو تقسیم کر رکھا ہے۔ انھیں معلوم تھا کہ ہندوستان کے نقشے پر مسلم اکثریت کے علاقے بہت واضح ہیں۔ قائدِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ نہ تو سیاسی بازی گری کے قائل تھے اور نہ منافقت ہی پسند کرتے تھے۔ ان کے قول و فعل میں کوئی تضاد نہیں تھا۔ انھوں نے کبھی سستی شہرت حاصل کرنے کے لیے بیانات نہیں دیے۔ وہ خوب سوچ کر بولنے کے عادی تھے اور جب کوئی سیاسی بیان دیتے تھے تو اُس پر ڈٹ جاتے تھے۔ اپنے کسی سیاسی بیان سے وہ منحرف نہیں ہوتے تھے۔ ان کے مقابلے میں گاندھی تھے جو نت نئے بہروپ میں سامنے آتے۔ وہ قانون کی خلاف ورزی کر کے جیل جانا سیاسی ضرورت سمجھتے تھے۔ لیکن قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ نے سیاسی زندگی میں کبھی قانون شکنی نہیں کی۔ اسی لیے انگریزوں کے دل میں یہ حسرت ہی رہی کہ وہ کبھی قائدِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھوں میں ہتھکڑی پہنا سکیں۔ وہ مروّج اصطلاح میں سیاسی رہنما نہ تھے جو لائسنسوں پرمٹوں پر بک جاتے ہیں۔ ان کے منحنی جسم میں بڑی طاقتور روح تھی۔ قائدِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے ۸ / مارچ ۱۹۴۴ء کو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے طلبہ سے خطاب میں فرمایا تھا:

''پاکستان اسی دن وجود میں آ گیا تھا جب ہندوستان میں پہلا ہندو مسلمان ہوا تھا۔ یہ اس زمانے کی بات ہے جب یہاں مسلمانوں کی حکومت بھی قائم نہیں ہوئی تھی۔''

۲۳؍مارچ ۱۹۴۰ء کی قراردادِ پاکستان سے لے کر ۱۴؍اگست ۱۹۴۷ء یعنی قیامِ پاکستان تک کا دورانیہ بظاہر بہت مختصر ہے لیکن اس دوران میں جو قربانیاں، جاں فشانیاں، پریشانیاں اور صعوبتیں قائدِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ، تحریکِ پاکستان کے قائدین اور کارکنان کو برداشت کرنا پڑیں وہ ناقابلِ بیان ہیں۔ قائدِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ اپنی گرتی ہوئی صحت کے باوجود نہایت استقامت سے اپنی قوم کی رہنمائی اور قیادت کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ کرپس مشن، گاندھی کا یک قومی نظریہ اور اس کے خطوط، دوسری جنگِ عظیم کے آثار، سول نافرمانی کی تحریک، صوبائی اور مرکزی انتخابات، ہندوؤں اور انگریزوں کی ساز باز جیسے مسائل کے باوجود مسلمانوں کے لیے ایک آزاد وطن پاکستان کو معرضِ وجود میں لانا، صرف اور صرف قائدِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ جیسی معجز نما شخصیت ہی کا کارنامہ ہے۔

۳؍جون ۱۹۴۷ء کو پریس کانفرنس سے خطاب کے دوران میں لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے قائدِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا مطالبہ مانتے ہوئے اعلان کیا کہ ۱۴؍اگست ۱۹۴۷ء کو آزاد ریاست پاکستان کا قیام عمل میں لایا جائے گا اور ساتھ ہی برطانوی ہندوستان کی دو نئی سلطنتوں کے درمیان جغرافیائی تقسیم کا خاکہ بھی پیش کیا جسے ''۳؍جون کا منصوبہ'' کہا جاتا ہے۔

اللہ کے فضل و کرم سے چشمِ فلک نے وہ دن بھی دیکھا کہ جب قائدِ اعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ کی اَن تھک محنت اور مسلسل جدوجہد رنگ لے آئی۔ تحریکِ پاکستان کے قائدین اور کارکنان کی بے مثال قربانیاں مراد پا گئیں۔ علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا خواب شرمندۂ تعبیر ہوا اور ۱۴؍اگست ۱۹۴۷ء کا سورج آزادی کی نوید لے کر طلوع ہوا۔ دنیا کے نقشے پر اسلامی جمہوریۂ پاکستان جلوہ فرما ہوگیا۔ دنیا کے بڑے بڑے قائدین اپنے کارناموں سے تاریخ تبدیل کرتے ہیں لیکن قائدِ اعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ وہ رہنما ہیں جنھوں نے تاریخ کے ساتھ ساتھ جغرافیہ بھی تبدیل کر کے دکھایا اور کروڑوں مسلمانوں کی تقدیر بدلتے ہوئے ایک اسلامی نظریاتی اور فلاحی ریاست کی بنیاد رکھی۔

ربِّ کریم سے دعا ہے کہ ہمارا وطن تا قیامت سلامت رہے۔ بقول احمد ندیم قاسمی:

خدا کرے کہ مِری ارضِ پاک پر اُترے
وہ فصلِ گُل جسے اندیشۂ زوال نہ ہو

❁

۳ پاکستان میں آبادی کے مسائل

اِک اور کھیت پکّی سڑک نے نِگل لیا
اِک اور گاؤں شہر کی وُسعت میں کھو گیا

پاکستان کے بڑے مسائل میں آبادی کی زیادتی ایک بہت بڑا مسئلہ ہے۔ ۱۹۴۷ء سے لے کر اب تک ہماری آبادی کئی گنا بڑھ چکی ہے۔ حالیہ مردم شماری ۲۰۲۳ء کے مطابق پاکستان کی آبادی ۲۴ کروڑ سے تجاوز کر چکی ہے۔ آبادی کے اس اضافے کی وجہ سے ارضِ پاک کو بے شمار مسائل کا سامنا ہے۔ قومی وسائل کا استعمال حد سے تجاوز کر چکا ہے۔ وسائل اور مسائل کا عدم توازن زندگی کے ہر شعبے میں نظر آتا ہے۔ بچوں اور بچیوں کی تعلیم کو لیجیے۔ آج سکول، کالج اور یونی ورسٹیاں طلبہ سے بھری پڑی ہیں لیکن فارغ التحصیل نوجوانوں کے پاس روزگار کے مواقع موجود نہیں۔ زراعت کے وسائل کو دیکھ لیں، ہماری تقریباً ستر فی صد آبادی دیہات میں ہے اور ہمارے ملک کا بنیادی ذریعہ آمدن زراعت ہے۔ اس کے باوجود چینی اور آٹے جیسی اجناس بھی ہمیں درآمد کرنی پڑتی ہیں۔ ریلوے کو دیکھ لیں، سوار ہونے کو جگہ نہیں ملتی، بسیں اوور لوڈ نظر آتی ہیں اور ٹرانسپورٹ بھی اتنی زیادہ ہو چکی ہے کہ لوگوں کو ہر بڑی سڑک پر اکثر ٹریفک جام کا سامنا رہتا ہے۔ سرکاری ہسپتال مریضوں سے بھرے پڑے ہیں، برآمدوں میں بھی گنجائش ختم ہو چکی ہے۔ حد تو یہ ہے کہ مساجد میں جمعہ کی نماز ادا کرنے جائیں تو سڑکوں اور گلیوں میں نمازیوں کے لیے صفیں بچھی ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔

آبادی کی زیادتی نے آمدنی کے ذرائع کم کر دیے ہیں۔ کم آمدن کا اثر یقینی طور پر صحت، تعلیم، غذا اور ہر شعبۂ حیات پر پڑ رہا ہے۔ بچوں کی صحت بہت خراب اور ناقص ہو چکی ہے۔ ان کے چہرے زرد، جسم کم زور، آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئیں اور ہڈیاں باہر کو نکلی ہوئی نظر آتی ہیں۔ گرمی ہو یا سردی، ان کے بدن پر مناسب لباس نہیں ہوتا۔ دسمبر اور جنوری کی سخت سردی میں جسم ڈھانپنے کے لیے گرم لباس نہیں ہے۔ گھروں میں موجود بچوں کو، جن کا جسم بہ تدریج نشوونما کے مراحل میں ہوتا ہے، ضرورت کے مطابق خوراک نہیں ملتی۔ بچوں کی تعلیم و تربیت، ذہنی نشوونما اور جسمانی بالیدگی رک گئی ہے۔ ان کی پڑھائی کے لیے کتابیں، کاپیاں، سٹیشنری کا سامان، یونی فارم، صاف ستھرے لباس اور فیس کی ادائیگی کے لیے رقم میسّر نہ ہے۔

تیزی سے بڑھتی ہوئی آبادی میں صرف یہی خرابی نہیں کہ لاکھوں کی تعداد میں بچے مناسب خوراک، لباس اور تعلیم سے محروم رہ جاتے ہیں بلکہ لاکھوں افراد کے قیام و طعام کا مسئلہ بھی شدّت اختیار کر چکا ہے۔ ایک آٹھ مرلے کا مکان جو کبھی چار افراد پر مشتمل ایک فیملی کی ملکیت تھا، وہاں افراد کی تعداد آٹھ ہو گئی اور وہ چار فیملیز میں بٹ گیا تو جگہ دو دو مرلے رہ گئی۔ مکانوں میں گنجائش ختم ہو گئی اور لوگ نئی قیام گاہیں تعمیر کرنے کے لیے اضافی بستیاں بنانے میں مگن نظر آنے لگے۔ اضافی بستیاں، ٹاؤن اور کالونیاں اتنی بڑھ چکی ہیں کہ زیرِ کاشت رقبہ تیزی سے سکڑتا جا رہا ہے۔

سرکاری محکموں میں ملازمت کے مواقع ناپید ہو چکے ہیں۔اس کا سبب بھی آبادی میں ناقابلِ یقین اضافہ ہے۔کسی بھی ادارے میں چند خالی اسامیاں مشتہر ہونے کی دیر ہوتی ہے،نوجوانوں کا ایک جمِ غفیر امڈ آتا ہے۔دو دو اسامیوں پر دو دو ہزار امیدوار جوتیاں چٹخاتے پھرتے نظر آتے ہیں۔درجۂ چہارم کی نوکری سے لے کر گزٹیڈ آفیسر کی نوکری تک یہی عالم ہے۔کھیتوں میں کام کرتے مزارع دیکھ لیجیے،جدید زرعی آلات نے ان کی ضرورت کم کر دی ہے اور بے ہنگم آبادی نے ان کی دست یابی بڑھا دی ہے۔وہ بے چارے جو ربیع اور خریف کی فصلوں کی کاشت اور کٹائی کر کے سال بھر کا اناج اکٹھا کر لیتے تھے،اب اس سے بھی محروم ہو گئے ہیں۔صنعت کو دیکھ لیجیے،ہزاروں کاری گر سیلاب کی صورت صبح سویرے گاؤں سے شہر کی طرف اور شام کو شہر سے گاؤں کی جانب رواں دواں نظر آتے ہیں،ان میں سے چند ایک خوش قسمت ہوں گے جنھیں کسی فیکٹری یا کارخانے سے باقاعدہ روزگار میسّر ہو۔شہروں کے محلّوں اور بازاروں میں مزدوروں کی بے شمار ٹولیاں جا بجا نظر آتی ہیں۔ایک مزدور کی ضرورت ہو تو بیسیوں گھیرا ڈال لیتے ہیں۔اس کا سبب کیا ہے؟ یقیناً حد سے بڑھی ہوئی آبادی۔سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر اس مسئلے کا حل کیا ہے؟اس صورتِ حال میں ہم کیا کر سکتے ہیں؟

آبادی کے اس گمبھیر مسئلے کے دو ہی حل ہیں،یا تو وسائل آبادی کے مطابق ہو جائیں یا پھر آبادی وسائل کے مطابق ہو جائے۔جہاں تک وسائل بڑھانے کی بات ہے تو اس کے لیے قیامِ پاکستان سے اب تک کوششیں جاری ہیں۔وسائل کسی قدر بڑھے بھی ہیں تو ان سے کئی گنا بڑھتی ہوئی آبادی کی نذر ہو گئے ہیں۔آج بھی پٹرول،کیمیکل،ادویات اور مشینری درآمد کی جا رہی ہے۔حالات نے ثابت کیا ہے کہ ہم وسائل کو اپنی بڑھتی ہوئی آبادی کے مطابق نہیں کر سکے۔پس ہمیں دوسری تدبیر کو اپنانا ہوگا یعنی آبادی کو وسائل کے مطابق کیا جائے۔اس لیے ضروری ہے کہ ترقی یافتہ ممالک کی طرح آبادی اور وسائل کے درمیان توازن کا شعور پیدا کیا جائے۔یہ شعور بڑوں کے ساتھ ساتھ نوجوانوں کو بھی حاصل ہونا چاہیے جو جلد ہی عملی زندگی میں قدم رکھنے جا رہے ہوں۔

زندگی کا کوئی بھی شعبہ ہو،منصوبہ بندی کے بغیر ترقی نہیں کر سکتا۔صنعت،تجارت،زراعت،تعلیم و تربیت خواہ کوئی شعبہ ہو،اسے منصوبہ بندی کی احتیاج ہے۔اسی طرح بڑھتی ہوئی آبادی کے لیے منصوبہ بندی ناگزیر ہے ورنہ جس قدر نئے کارخانے اور فیکٹریاں قائم کی جا رہی ہیں اور زرعی پیداوار بڑھانے کی مہمات زور شور سے جاری ہیں،سب سعیِ لا حاصل ہوگی،ہمارا معیارِ زندگی بہتر نہ ہو پائے گا اور ہمارے وسائل بھی اکارت جائیں گے۔

❁

۴ زراعت وصنعت

یہ کھیت، یہ درخت، یہ شاداب گرد و پیش
سیلابِ رنگ و بُو سے یہ سیراب گرد و پیش

زراعت ایسے پیشے، علم یا فن کو کہتے ہیں جس کا تعلق کاشت کاری اور لائیو اسٹاک یعنی دودھ، گوشت اور انڈوں وغیرہ کی پیداوار سے ہو۔ گویا فصلوں اور مال مویشیوں کی صورت میں پیداوار حاصل کرنے والا شعبہ، زراعت کا شعبہ کہلاتا ہے۔ پاکستان بنیادی طور پر ایک زرعی ملک ہے اس لیے زراعت کا شعبہ معاشی حوالے سے انتہائی اہمیت کا حامل شعبہ ہے۔ پاکستان میں جو فصلیں کاشت کی جاتی ہیں، انھیں ''خریف'' اور ''ربیع'' کی فصلیں کہتے ہیں۔ ''خریف'' خزاں کا موسم ہے۔ اس موسم کا دورانیہ جون سے اکتوبر تک ہے۔ اس موسم میں سویا بین، مکئی، باجرہ، جوار، کپاس اور چاول جیسی فصلیں کاشت کی جاتی ہیں۔ ''ربیع'' بہار کا موسم ہے۔ اس موسم کا دورانیہ نومبر سے اپریل تک ہے۔ اس موسم میں گندم، چنے، سرسوں، اور جَو وغیرہ کی فصلیں کاشت کی جاتی ہیں۔

۲۰۲۳ء کی مردم شماری کے مطابق ہمارے ملک کی آبادی کا نصف سے زائد حصہ دیہات میں مقیم ہے۔ اس آبادی کی اکثریت زراعت سے وابستہ ہے۔ اگر پاکستان کے برسرِ روزگار افراد کا تناسب دیکھا جائے تو ان میں سے تقریباً ۴۲ فی صد کا روزگار زراعت سے جڑا ہوا ہے۔ ہماری زمینیں ہمیں خوراک فراہم کرتی ہیں، نقد آور فصلیں ملکی صنعتوں کی بنیاد بنتی ہیں اور روزگار کا ذریعہ بھی۔ غذائی خود کفالت کے قابل بنانے میں معاونت فراہم کرتی ہیں اور ہریالی اور سبزے کی صورت میں ہمیں ماحولیاتی آلودگی سے تحَفُّظ فراہم کرتی ہیں۔ لہٰذا پاکستان کا زرعی شعبہ جتنا زیادہ ترقی کرے گا اتنا ہی ہماری انفرادی اور اجتماعی خوش حالی کا باعث بنے گا۔ آبادی کے لحاظ سے اس وقت ہم دنیا کے ساتویں بڑے ملک سے تعلق رکھتے ہیں اور یہ آبادی مزید تیزی سے بڑھ رہی ہے۔ یہ زراعت ہی ہے جو اتنی بڑی آبادی کی بنیادی ضروریات کو پورا کرنے میں کردار ادا کر رہی ہے۔

زراعت کا صنعت سے گہرا تعلق ہے۔ جہاں تک صنعت کا تعلق ہے تو اس سے مراد خام مال کو کار آمد اشیا میں تبدیل کرنا صنعت ہے۔ زراعت کا شعبہ مختلف اجناس کو خام مال کی صورت میں فیکٹریوں اور کارخانوں کو فراہم کرتا ہے تاکہ کھانے پینے اور دوسری روزمرّہ ضروریات کو پورا کیا جا سکے۔ یہ فیکٹریاں اور کارخانے گندم کو آٹے، میدے، سوجی اور دلیے وغیرہ میں تبدیل کر کے کھانے کے قابل بنا دیتے ہیں۔ اسی طرح مختلف دالوں کو قابلِ استعمال بنایا جاتا ہے۔ کپاس روئی، دھاگے اور کپڑے کی شکل میں ہماری ضروریاتِ زندگی پوری کرتی ہے۔ گندم کی چھانٹ سے حاصل شدہ چوکر، ممنی (مختلف جڑی بوٹیوں کے بیج) اور دالوں کے چھلکے مویشیوں کا بہترین چارہ بنتے ہیں۔ کپاس کے بیج سے تیل نکالا جاتا ہے اور اس سے مویشیوں کے لیے کھل بنولہ بھی تیار ہوتی ہے۔ چاول اور مکئی نہ صرف ہماری روزمرہ خوراک کا اہم حصہ ہیں بلکہ ان سے بچوں اور بڑوں کے لیے مزے دار مشروبات، بسکٹ، ٹافیاں اور گولیاں وغیرہ بھی تیار کی

جاتی ہیں۔ گنّا شوگر مِلّوں میں جا کر ایک طرف چینی اور شکّر کی صورت اختیار کرتا ہے تو دوسری طرف اس کا پھوک گتا سازی وغیرہ کے لیے بھی استعمال میں آتا ہے۔ سرسوں، کینولا اور سورج مکھی سے خوردنی تیل حاصل کیا جاتا ہے اور ان کا پھوک جانوروں کی خوراک بنتا ہے۔ سبزیاں، پھل اور ان کے بیج نہ صرف بھرپور غذائیت فراہم کرتے ہیں بلکہ انھیں مختلف طریقوں سے مشروبات اور ادویات کے طور پر بھی استعمال میں لایا جاتا ہے۔ درختوں کی لکڑی سے عمارتی ساز و سامان اور فرنیچر تیار کیا جاتا ہے۔ یوں زمینی پیداوار کی صورت میں حاصل شدہ خام مال کارآمد اشیا میں تبدیل ہو کر صنعت کی صورت اختیار کرتا ہے۔

لائیو اسٹاک سے مراد مال مویشی پالنا ہے۔ گھروں میں مرغیاں، بھیڑ بکریاں اور گائے بھینسیں وغیرہ پالی جاتی ہیں۔ اسی طرح پولٹری، فش، گوٹ اور ڈیری فارمنگ میں جدید سائنسی بنیادوں پر مال مویشی پالے جاتے ہیں جو انڈے، دودھ اور گوشت کی فراہمی کے ساتھ ساتھ دیگر مصنوعات کی تیاری میں بھی خام مال فراہم کرتے ہیں۔ دودھ اور گوشت بچوں کی افزائش اور بڑوں کی صحّت کے لیے نہایت ضروری ہیں۔ زراعت کا شعبہ آبادی کی اس بنیادی ضرورت کی فراہمی کو ممکن بنائے ہوئے ہے۔

ریشم کے کیڑے پالنا بھی ایک نفع بخش کاروبار اور دل چسپ مشغلہ ہے۔ چین کے بعد پاکستان میں ریشم سازی کی صنعت ترقی کی جانب گامزن ہے۔ اسی طرح شہد کی مکھیاں قدرتی ماحول کے ساتھ ساتھ مصنوعی چھتوں میں بھی پرورش پاتی ہیں۔ چوں کہ شہد غذا بھی ہے اور دوا بھی، اس لیے شہد کی طلب کے پیشِ نظر پہاڑی مکھی، مغربی مکھی، ڈومنا (بڑی مکھی) اور چھوٹی مکھی کی افزائش پر پاکستان میں خصوصی توجہ دی جا رہی ہے اور شہد کی پیداوار میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے۔

موسم ربیع میں گندم، سرسوں، توریا، چنا اور مسور جیسی فصلیں بارانی علاقوں میں نمایاں اہمیت رکھتی ہیں۔ ان فصلوں کو نقصان دینے والی جڑی بوٹیوں کو چار گروپوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلے گروپ میں چوڑے پتے والی (پالک جیسی)، دوسرے گروپ میں گھاس، تیسرے گروپ میں باریک پتوں والی جنگلی گندم وغیرہ اور چوتھے گروپ میں نوک دار پتوں والی جنگلی جئی، دنبی سٹّی جیسی جڑی بوٹیاں شامل ہیں۔ یہ جڑی بوٹیاں فصل کی کاشت سے لے کر بڑھوتری، کٹائی، گہائی اور منڈی تک ہر مرحلے پر مختلف طریقوں سے نقصان کا سبب بنتی ہیں۔ ان میں جڑی بوٹیوں کا جدید سائنسی اصولوں کے مطابق خاتمہ کر کے بہتر پیداوار حاصل کی جا سکتی ہے۔ بڑھتی ہوئی آبادی کی طلب کے مطابق زرعی پیداوار میں اضافہ ہمارے لیے انتہائی ضروری ہے۔ عوامی اور حکومتی سطح پر اس سلسلے میں بے شمار اقدامات کیے جا چکے ہیں اور کیے جا رہے ہیں۔ زمینی پیداوار کی بہتری کے لیے کھادیں، معیاری بیج، مشینری کا استعمال، آب پاشی اور ادویات کا کردار کلیدی حیثیت کا حامل ہے۔ ہمارے کسان خود بھی اپنے تجربات کی روشنی میں ان وسائل کے استعمال کو بہتر سے بہتر بنانے کی کوشش کرتے رہتے ہیں اور حکومت بھی ہر چھوٹے بڑے کسان تک ان وسائل کی بہترین فراہمی کو یقینی بنا رہی ہے۔ بیج بونے سے لے کر فصلوں کی کٹائی اور گہائی تک کے تمام مراحل کو بہتر بنانے کے لیے جدید مشینری فراہم کی جا رہی ہے۔ آب پاشی کی بہتری

کے لیے نہری نظام کو مؤثر بنایا گیا ہے اور بارانی علاقوں کے زمینداروں کو ٹیوب ویل کی سہولت فراہم کی گئی ہے۔ٹریکٹر،تھریشر اور ہارویسٹر وغیرہ فراہم کر کے فصلوں کی بوائی، کٹائی اور گہائی کو بہت بہتر بنا دیا گیا ہے۔کسانوں کو آسان شرائط پر قرضے دیے جا رہے ہیں اور زرعی علم و ہنر میں اضافے کے لیے مختلف تربیتی پروگراموں کا اہتمام کیا جاتا ہے۔زرعی شعور کو اجاگر کرنے کے لیے ملک بھر میں زرعی جامعات اور زرعی ترقیاتی ادارے بہترین خدمات انجام دے رہے ہیں۔عوامی اور حکومتی سطح پر ماڈل فارمز بنائے گئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج کے دور کی فی ایکڑ پیداوار پرانے دور کے مقابلے میں کئی گنا زیادہ ہے۔قدیم دور کی نسبت جدید دور میں بیج بونے کا طریقِ کار بہت بہتر ہے۔پہلے پہل بیج بونے کے لیے کسان بیلوں کی مدد سے ہل چلاتا تھا اور سخت محنت کرتا تھا۔اس کے باوجود پیداوار بہت کم ہوتی تھی۔آج ٹریکٹر کے ذریعے سے زمین میں ہل چلایا جاتا ہے، بیج بوئے جاتے ہیں اور تھوڑی محنت سے بہتر فصل کاشت کی جاتی ہے۔

اسی طرح فصلوں کی کٹائی اور گہائی کے طریقِ کار میں بھی جدّت آ چکی ہے۔ہارویسٹر اور تھریشر وغیرہ کے استعمال سے نہ صرف وقت اور زیادہ مشقّت کی بچت ممکن ہو چکی ہے بلکہ پیداوار کا ضیاع بھی بہت کم ہو گیا ہے۔ماڈل فارم حکومتی اور عوامی ہر دو سطح پر بنائے جاتے ہیں۔ان ماڈل فارمز میں جدید سائنسی اصولوں کے مطابق کاشت کاری کی جاتی ہے۔مخصوص زرعی رقبے پر قائم یہ فارم تمام کسانوں کے لیے بہترین نمونے کی حیثیت رکھتے ہیں۔کسان ان فارموں میں فصلوں کا مشاہدہ کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ فصلیں کیسے اگائی جاتی ہیں؟ کس طرح کی کھادوں کا استعمال کیا جاتا ہے؟ فصلوں کو موسموں کی شدّت سے کیسے بچایا جاتا ہے؟ کون سی ادویات فصلوں کو کیڑوں مکوڑوں اور بیماریوں سے بچا کر زیادہ پیداوار کا سبب بنتی ہیں؟ آج کل تو ایسے گرین فارم بھی بنائے جا رہے ہیں جہاں بے موسمی سبزیوں اور پھلوں کی کامیابی سے کاشت کی جا رہی ہے۔اب ہم کسی بھی موسم میں ہر قسم کی سبزی اور پھل اپنی خوراک کا حصہ بنا سکتے ہیں۔

سرسبز و شاداب پاکستان ہماری خوش حالی کا ضامن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں سونا اگلنے والی زمینوں سے نوازا ہے۔ سرزمینِ پاکستان نہ صرف میدانی علاقوں میں زرخیز ہے بلکہ اس کے پہاڑ بھی سرسبز و شاداب ہیں۔ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم بہترین منصوبہ بندی کر کے زراعت کو صنعت بناتے ہوئے اس مملکتِ خداداد کی خوش حالی کو یقینی بنائیں۔زرعی مصنوعات کی درآمدات کے بجائے برآمدات کو فروغ دیں اور زرِمبادلہ کی صورت میں اپنے پاک وطن کی معیشت کو مضبوط سے مضبوط تر بنائیں۔

⑤ پاکستان کا قومی کھیل

جھپٹنا پلٹنا پلٹ کر جھپٹنا

لہو گرم رکھنے کا ہے اک بہانہ

مشہور قول ہے کہ اگر کھیل کے میدان آباد ہو جائیں تو ہسپتال ویران ہو جاتے ہیں۔کھیل انسانی جسم کو تندرست و توانا بناتے ہیں اور بے شمار انسانی اوصاف پیدا کرتے ہیں۔خود اعتمادی، باہمی احساس، تحمل، بردباری، وقت کی پابندی اور نظم و ضبط جیسی کتنی ہی صفات ہیں جو کھیلوں کی مرہونِ منت ہیں۔یہ بھی کہا جاتا ہے کہ: **العقل السلیم فی الجسم السلیم** ۔''یعنی: صحت مند جسم میں ہی صحت مند دماغ ہوتا ہے۔'' گویا تعلیم کے ساتھ ساتھ کھیل بھی ضروری ہیں۔

میدان کے لحاظ سے کھیلوں کو تقسیم کیا جائے تو یہ دو قسم کی ہوتی ہیں یعنی اِن ڈور اور آؤٹ ڈور۔شطرنج، کیرم بورڈ، سنوکر، ٹیبل ٹینس، بیڈمنٹن اور سکواش وغیرہ کا تعلق اِن ڈور کھیلوں سے ہے جب کہ ہاکی، فٹ بال، باسکٹ بال، والی بال، کبڈی اور رسّہ کشی وغیرہ آؤٹ ڈور کھیلیں ہیں۔کھیل کوئی بھی ہوں اور کسی میدان میں بھی کھیلے جائیں، ہمارے ذہن اور جسم کی تعمیر و ترقی میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔کھیلنے سے دماغ تر و تازہ ہوتا ہے اور قائدانہ صلاحیتیں پروان چڑھتی ہیں۔کھیل کے قواعد و ضوابط کھلاڑی کو نظم و ضبط کا پابند بناتے ہیں۔کھیلوں سے ایک طرف تو کھلاڑیوں میں تحمّل، بردباری، برداشت، دوسروں کا احساس، فرماں برداری اور باہمی تعاون جیسے جذبات پروان چڑھتے ہیں جب کہ دوسری طرف وہ ہر قسم کے حالات کا مقابلہ کرنا سیکھتے ہیں۔

فٹ بال کے ساتھ ساتھ ہاکی کا کھیل بھی دنیا بھر میں مقبول ہے۔ہاکی کا میدان اگرچہ فٹ بال کے میدان سے قدرے چھوٹا ہوتا ہے مگر دلچسپی کے لحاظ سے کسی طور کم نہیں۔فٹ بال کی طرح ہاکی کی ٹیم بھی گیارہ کھلاڑیوں پر مشتمل ہوتی ہے اور اس میں بھی دو ریفری ہوتے ہیں۔عالمی معیار کے مطابق ہاکی کے میدان کی لمبائی ایک سو گز اور چوڑائی ساٹھ گز ہوتی ہے۔کھلاڑی مجوزہ معیار کے مطابق بنی ہوئی ہاکی اور گیند سے کھیلتے ہیں جب کہ کھیل کا دورانیہ ۷۰ منٹ ہوتا ہے جس کا پہلا اور دوسرا ہاف ۳۵، ۳۵ منٹ کا ہوتا ہے۔پہلے ہاف کے بعد دونوں ٹیمیں اپنی سائیڈز تبدیل کر لیتی ہیں۔

ہاکی ہمارے وطنِ عزیز پاکستان کا قومی کھیل ہے۔پاکستان کے علاوہ یہ کھیل ایشیائی ممالک جیسے بھارت، چین، جاپان، جنوبی کوریا وغیرہ میں بہت مقبول ہے۔اس کے علاوہ ہالینڈ، انگلینڈ، پولینڈ، سپین، فرانس، جرمنی، آسٹریلیا اور جنوبی افریقہ وغیرہ میں بھی اس کھیل کی بے حد مقبولیت ہے۔تاریخی لحاظ سے ہاکی کا کھیل انیسویں صدی میں مقبول ہوا۔۱۹۰۸ء اور ۱۹۲۰ء کے اولمپک مقابلوں میں ہاکی کا کھیل شامل تھا۔۱۹۲۸ء کے بعد اسے اولمپک کھیلوں کے ہر ٹورنامنٹ میں شامل کیا گیا۔۱۹۵۲ء میں ہاکی کا کھیل ایشین گیمز میں شامل ہوا۔ہاکی کے ورلڈ کپ کا آغاز ۱۹۷۱ء میں کیا گیا۔ہاکی کے بڑے بڑے ٹورنامنٹس میں اولمپکس مقابلہ جات کے ساتھ ساتھ ورلڈ کپ، چیمپینز ٹرافی، ایشیا کپ اور سیف گیمز شامل ہیں۔انیسویں صدی کے وسط تک پورے یورپ میں یہ کھیل مقبول ہو چکا تھا۔

ہندوستان میں برطانوی فوج نے ہاکی کا کھیل متعارف کرایا۔ برِ اعظم ایشیا میں پہلے پہل پاکستان اور ہندوستان کی صرف دو نمائندہ ٹیمیں تھیں۔ جاپان، ملائشیا، جنوبی کوریا، انڈونیشیا اور بنگلہ دیش کی ہاکی ٹیمیں بعد میں منظرِ عام پر آئیں۔

پاکستان کی ہاکی ٹیم پہلی بار ۱۹۴۸ء میں بین الاقوامی مقابلوں میں علی اقتدار دارا کی کپتانی میں شامل ہوئی جو قیامِ پاکستان سے قبل متحدہ ہندوستان کی طرف سے بھی کھیل چکے تھے۔ اس ٹورنامنٹ میں پاکستان نے چوتھی پوزیشن حاصل کی۔ ۱۹۵۶ء کے میلبرن اولمپکس میں پاکستانی ہاکی ٹیم نے بہترین کارکردگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے فائنل تک رسائی حاصل کی اور سلور میڈل حاصل کیا۔ ۱۹۶۰ء کے روم اولمپکس میں پاکستان نے عبدالحمید حمیدی کی قیادت میں پہلا اولمپک گولڈ میڈل حاصل کر کے بھارت کی ۳۲ سالہ بالا دستی کا خاتمہ کیا۔ یہ وہ تاریخی فتح تھی جس نے ہاکی کو پاکستان کا قومی کھیل بنا دیا۔ ۱۹۶۸ء کے میکسیکو اولمپکس میں پاکستان نے طارق عزیز کی قیادت میں آسٹریلیا کو فائنل میچ میں شکست دے کر اور ۱۹۸۴ء کے لاس اینجلس اولمپکس میں منظور جونیئر کی قیادت میں جرمنی کو شکست دے کر گولڈ میڈل حاصل کیے۔ پاکستان نے اب تک پندرہ بار اولمپکس کے ہاکی مقابلوں میں حصہ لیا ہے اور تین سونے، تین چاندی اور دو کانسی کے تمغے حاصل کیے ہیں۔ پاکستان کی ہاکی ٹیم نے ۱۹۷۱ء میں پہلا ورلڈ کپ، ۱۹۷۸ء میں دوسرا، ۱۹۸۲ء میں تیسرا اور ۱۹۹۴ء میں چوتھا ورلڈ کپ جیتا۔ پاکستان کی ہاکی ٹیم نے سب سے زیادہ بار یعنی چار بار ورلڈ کپ جیتا جو ایک ریکارڈ ہے۔ اس کے علاوہ چیمپئنز ٹرافی، ایشیا کپ اور سیف گیمز میں بھی متعدد تمغے حاصل کر کے اپنی فتح کے جھنڈے گاڑ چکا ہے۔ ہاکی کی وجہ سے پاکستانی پرچم کئی عشروں تک پوری دنیا کے میدانوں میں لہراتا رہا۔ ہاکی کے میدان میں مجموعی طور پر پاکستان تین اولمپکس گولڈ میڈل، چار ورلڈ کپ، تین چیمپئنز ٹرافی، تین اذلان شاہ ہاکی ٹورنامنٹ گولڈ میڈل اور آٹھ ایشین گیمز گولڈ میڈل اپنے نام کر چکا ہے۔

پاکستانی ٹیم عرصۂ دراز تک ناقابلِ شکست سمجھی جاتی رہی۔ ماضی میں پاکستانی کھلاڑیوں کے کھیلنے کا انداز اور کارکردگی قابلِ ستائش تھی۔ اُس وقت قدرتی گھاس پر پاکستان کا ایشیائی ہاکی اسٹائل بہت مقبول تھا جس کے سامنے یورپی ٹیمیں بے بس نظر آتی تھیں۔ جب یورپی ٹیموں نے آسٹروٹرف اور پولی ٹرف کو قدرتی گھاس کے متبادل کے طور پر متعارف کرایا تو ایشیائی اسٹائل اتنا کامیاب نہ رہا۔ یہی وجہ ہے کہ موجودہ دور میں ہمارے کھلاڑی سخت محنت کے باوجود وہ نتائج حاصل نہیں کر پا رہے جو ماضی میں ان کا طرّۂ امتیاز تھا۔ ماضی میں نصیر بندہ، اصلاح الدین، منور زماں، سلیم شیروانی، سمیع اللہ، شہناز شیخ، حسن سردار، حنیف خان، شہباز سینئر، کلیم اللہ، سمیع اللہ، منظور جونیئر، قاضی محب اور شہباز جونیئر جیسے عالمی شہرت یافتہ پاکستانی کھلاڑی وطنِ عزیز کی نمایندگی کر چکے ہیں۔

ہاکی کے میدان میں پاکستان کی پہچان خواتین کی ہاکی ٹیم بھی ہے۔ پاکستان کی ویمن ہاکی ٹیم متعدد بین الاقوامی مقابلوں میں شرکت کر کے اعلیٰ کارکردگی کا مظاہرہ کر چکی ہے۔ امید ہے کہ مستقبل میں خواتین کی قومی ہاکی ٹیم بھی پاکستان کے لیے بڑے عالمی اعزازات جیتنے میں کامیاب ہوگی۔ مقامی ہاکی کلبوں، سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کی سطح پر ہاکی کو فروغ دینے کے لیے مؤثر اقدامات اٹھائے جا رہے ہیں۔ امید ہے پوری دنیا میں پاکستان ہاکی کی کھوئی ہوئی ساکھ ایک بار پھر بحال ہوگی۔ ان شاءاللہ!

۶ تعلیمِ نسواں

تعلیمِ نسواں عربی زبان کے دو الفاظ "تعلیم" اور "نسواں" کا مرکب ہے۔ تعلیم کے معنی ہیں علم حاصل کرنا جب کہ نسواں کا لفظ نسا سے نکلا ہے جس کا معنی ہے عورت۔ گویا عورتوں کا علم حاصل کرنا تعلیمِ نسواں کہلاتا ہے۔ علم کی اہمیت اپنی جگہ مسلّم ہے کیوں کہ بنی نوع انسان اگر اشرف المخلوقات ہے تو علم ہی کی وجہ سے، وہ اپنی تخلیق کے بعد اگر مسجودِ ملائک اور واجب التعظیم بنا تو علم ہی کی بِنا پر۔ علم وہ موضوع ہے جو زندگی کا ہمہ اطراف سے احاطہ کیے ہوئے ہے۔ یہ وہ دولت ہے جو تقسیم کرنے سے بڑھتی ہے۔ یہ وہ روشنی ہے جس سے جہالت کے اندھیرے چھٹتے ہیں۔ یہ وہ طاقت ہے جس سے کائنات کے بھید کھلتے ہیں اور اس کے خفیہ خزانے دریافت ہوتے ہیں۔ علم ایک بے کنار سمندر ہے۔ یہ انسان کو خود شناسی سے خدا شناسی کی طرف راغب کرتا ہے لیکن موضوع بحث صرف علم کا حصول نہیں بلکہ تحصیلِ تعلیمِ نسواں ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا عورت بنی نوعِ بشر سے متعلق نہیں؟ کیا وہ آدمیت اور انسانیت سے خارج ہے؟ یقیناً نہیں۔ وہ اولادِ آدم اور بنتِ حوّا ہے۔ وہ اس کائنات کا جمال اور شاہ کار ہے۔ عورت ایک دل کش وجود کا نام ہے۔ وہ اس گردشِ لیل و نہار میں سوز و سازِ زیست کا نہایت اثر آفریں اور کیف آور نغمہ ہے۔ بقول علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ:

وجودِ زن سے ہے تصویرِ کائنات میں رنگ
اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوزِ دروں

کسی بھی معاشرے کے قیام کے لیے مرد اور عورت لازم و ملزوم ہیں۔ دونوں کا باہم چولی دامن کا ساتھ ہے۔ مرد خاوند ہے، باپ ہے، بیٹا ہے، بھائی ہے تو عورت بیوی ہے، ماں ہے، بیٹی ہے اور بہن ہے۔ بیوی کا اپنے خاوند سے خونی تعلق نہیں ہوتا لیکن وہ خونی رشتوں کو جنم دیتی ہے۔ وہ ماں کے روپ میں دنیا کی خوب صورت ترین مخلوق ہے کیوں کہ کوئی ماں بدصورت نہیں ہوتی۔ اس کی وجہ سے گھر جنّت نظیر ہے۔ وہ بیٹی ہے تو ماں باپ کے گھر کی رحمت اور رونق، وہ بہن ہے تو بھائیوں کے لیے ماں کی طرح سراپا محبت، سراپا ایثار اور سراپا مروّت۔ مولانا حالی نے کیا خوب کہا ہے:

اے ماؤ! بہنو! بیٹیو! دنیا کی زینت تم سے ہے ۔۔۔ ملکوں کی بستی ہو تمھی، قوموں کی عزّت تم سے ہے
تم گھر کی ہو شہزادیاں، شہروں کی ہو آبادیاں ۔۔۔ غمگیں دلوں کی شادیاں، دُکھ سکھ میں راحت تم سے ہے
تم ہو تو غربت ہے وطن، تم بن ہے ویرانہ چمن
ہو دیس یا پردیس، جینے کی حلاوت تم سے ہے

یقیناً اچھی بیوی ہی اچھی ماں بنتی ہے، اچھی ماں اچھی بیٹی کی ضامن ہے اور اچھی بیٹی ہی اچھی بہن ثابت ہوتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ عورت کا اپنے ہر روپ میں اچھا ہونا کیوں کر ممکن ہے؟ یقیناً علم ہی وہ زیور ہے جو قدرت کی اس خوب صورت تخلیق کو کائناتِ ارضی کا شاہکار بناتا ہے۔ علم اچھے اور اوچھے میں حدِ فاصل ہے۔ اس حد کو سر کر کے اپنے وجود کی سرحد بنانا مرد اور عورت دونوں کے لیے ناگزیر ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآنِ پاک میں ارشاد فرماتا ہے کہ کیا برابر ہو سکتے ہیں وہ جو علم رکھتے ہیں اور وہ جو علم نہیں رکھتے؟ اسی طرح رسول اکرم خَاتَمُ النَّبِيِّين صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّم کا ارشادِ گرامی ہے: ''علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔'' (بحوالہ شعب الایمان) جب قرآن اور حدیث کے مخاطب مرد اور عورت دونوں ہیں، معاشرے کی ابتدا کا ماخذ مرد اور عورت دونوں ہیں، کاروبارِ زیست کے محافظ مرد اور عورت دونوں ہیں تو کیسے ممکن ہے کہ مرد تو علم وفن سے اپنی شخصیت کو مزیّن کر لے اور عورت زیورِ تعلیم سے آراستہ نہ ہو۔

درحقیقت مرد اور عورت زندگی کی گاڑی کے دو پہیے ہیں۔ یہ جب تک ہموار رہیں زندگی کی گاڑی اُس وقت تک پرسکون طور پر رواں دواں ہے۔ جہاں ان میں بگاڑ آیا زندگی جہنم زار بن گئی۔ اس لیے ایک پڑھی لکھی عورت ہی ایک اچھی، بہتر اور مثالی بیوی ثابت ہو سکتی ہے۔ ایک پڑھی لکھی بیوی ہی حیاداری کے تمام تقاضے پورے کر سکتی ہے۔ وہ اپنے خاوند کی ضروریات، جذبات اور احساسات کو پوری طرح سمجھ سکتی ہے۔ وہ خاوند کی پسند و ناپسند معلوم کر کے اس کے لیے سکون کا باعث بن سکتی ہے۔ ایک پڑھی لکھی بیوی ہی شیریں زبان کی حامل، تحمل مزاج اور نرم خو ہو سکتی ہے۔

وہ گھر میں چادر اور چار دیواری کے تحفّظ کی ضامن ہے۔ مُلازم ہے تو زندگی کی منصوبہ بندی کر کے اپنی ملازمت کی ذمہ داریوں کو گھر کے ماحول پر اثر انداز نہیں ہونے دیتی بلکہ عہدِ حاضر کے معاشی معاملات میں اپنے خاوند کا ہاتھ بٹاتی ہے۔ روایتی عورتوں کی طرح ایک ہی مرد پر تادمِ زیست پورے گھر کی کفالت کا بوجھ نہیں لادتی۔ وہ اگر ملازمت نہیں بھی کرتی تو گھریلو معاملات ایک ماہرِ اقتصادیات کی طرح نباہتی ہے اور گھر کو ہر قسم کے مسائل سے محفوظ رکھتی ہے۔

دینی اور معاشرتی ہر دو پہلوؤں سے دیکھیں تو عورت کا روپ بحیثیت ماں بے مثال اور لاثانی ہے۔ ماں کو جتنی توقیر اسلامی تناظر میں حاصل ہے کسی اور ضابطے میں ممکن نہیں۔ جنّت کو ماں کے قدموں تلے رکھ دیا گیا ہے۔ انسانی پہلو سے بھی غور کریں تو ماں انسانیت کا ماخذ ہے۔ بچے کی پیدائش، پرورش، بڑھوتری اور نشوونما، کون سا ایسا پہلو ہے جس کی احتیاج ماں پورا نہیں کرتی۔ یہی ماں جس کی گود بچے کی پہلی درس گاہ ہوتی ہے، اگر تعلیم یافتہ ہو تو کتنا ترقی یافتہ، صحت منداور خوش حال معاشرہ منظرِ عام پر رونما ہوگا۔ نپولین نے جب یہ بات کہی تھی کہ تم مجھے اچھی مائیں دے دو، میں تمھیں اچھی قوم دے دوں گا تو اس سے بھی یہی مراد تھی کہ اچھی ماں ہی اولاد کی اچھی تربیت کر سکتی ہے۔

تعلیم ہر بیٹی کا بنیادی حق ہے جس کی ادائیگی والدین اور معاشرے کا اوّلین فریضہ ہے۔ بیٹی کی عظمت واہمیت کے پیشِ نظر دینِ اسلام نے اس کی تعلیم وتربیت کے لیے بہترین اصول وضع کیے ہیں۔ عہدِ نبوی خَاتَمُ النَّبِيِّين صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّم میں مردوں کے وعظ ونصیحت کی طرح عورتوں کے لیے بھی خاص دن مقرر تھا جس میں وہ رسولِ اکرم خَاتَمُ النَّبِيِّين صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّم سے فرموداتِ عالیہ سماعت کرتی تھیں۔ ہادیِ عالم خَاتَمُ النَّبِيِّين صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّم کا فرمان ہے: ''جو شخص لڑکیوں کی پرورش سے دوچار ہو، پھر اُن کی پرورش سے آنے والی مصیبتوں پر صبر کرے تو یہ سب لڑکیاں اس کے لیے جہنم سے آڑ بنیں گی۔'' (جامع ترمذی: ۱۹۱۳) آپ خَاتَمُ النَّبِيِّين صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّم کی سیرتِ طیبہ، ارشادت اور تعلیمات اس امر کے متقاضی

ہیں کہ بیٹوں کے ساتھ ساتھ بیٹیوں کی پرورش اور تعلیم وتربیت میں عادلانہ طرز فکر وعمل اپنایا جائے۔

عورت، خاندان اور معاشرہ کاروبارِ زیست کے تسلسل کی بنیادی اکائیاں ہیں۔عورت خاندان کی بنیادی اکائی ہے اور خاندان معاشرے کی۔عورت پڑھی لکھی، مہذب اور سلیقہ شعار ہوگی تو خاندان کی اندرونی اور بیرونی حالت بعینہٖ بہتر ہوگی۔ایسا خاندان معاشرے کو بالغ نظر، مہذب اور مفید شہری فراہم کرے گا۔گویا عورت بہترین معاشرے کے آغاز وارتقا کا لازمی جزو ہے اس لیے اس کی تعلیم وتربیت کا اہتمام ہر معاشرے کی اوّلین ذمہ داری ہے۔اس ذمہ داری کو پسِ پشت ڈالنا مجرمانہ غفلت کا ارتکاب ہوگا۔عورت اگر تعلیم وتربیت کی صفات سے متّصف ہے تو اس کے اوصاف معاشرے کے افراد سے منعکس ہوں گے اور معاشرہ نقطۂ کمال کو پہنچے گا بصورتِ دیگر مذہبی، اخلاقی، فکری، فنی اور زندگی کے عملی پہلوؤں میں زوال ہی زوال نظر آئے گا۔

عورت کو تعلیم دلانے کا صرف یہی مقصد ہرگز نہیں کہ مغربی ممالک کی طرح اسے پڑھا لکھا کر فیکٹریوں، کارخانوں، دفتروں اور نجی اداروں میں ملازمت کے لیے بھیجا جائے بلکہ اس کی تعلیم کا مقصد خود اس کی زندگی کو کامیاب بنانا ہے۔اسے ایسی شخصیت کا روپ دینا ہے کہ اس کی ذات سے منسلک ہر فرد اِس سے مستفید ہو سکے۔اسے ایسی اعلیٰ تعلیم سے بہرہ مند کرنا ہے کہ وہ ایک اچھی ماں، اچھی بہن، سلیقہ شعار بیوی اور اطاعت گزار بیٹی بن سکے۔

غور طلب پہلو یہ ہے کہ لڑکیوں کی تعلیم کے لیے بھی کیا وہی نصاب کافی ہے جو لڑکوں کو پڑھایا جاتا ہے۔اس پہلو سے دیکھا جائے تو کچھ مضامین اور تعلیمی شعبے ایسے ہیں جو لڑکوں اور لڑکیوں کے لیے مشترک ہو سکتے ہیں لیکن کچھ مضامین اور شعبہ جات ایسے بھی ہیں جو زیادہ تر خواتین کے لیے مخصوص ہیں۔پاکستانی معاشرے میں امورِ خانہ داری عام طور پر خواتین کی ذمہ داری سمجھے جاتے ہیں۔اس لیے سائنس، آرٹس، کامرس اور دیگر شعبہ جات سے متعلق مضامین کے ساتھ ساتھ لڑکیوں کے لیے امورِ خانہ داری اور گھریلو دستکاری جیسے مضامین بھی نصاب کا حصہ ہونے چاہییں۔مغربی تہذیب کی تقلید میں پڑھی لکھی خواتین کا مؤقف یہ ہوتا ہے کہ پڑھ لکھ کر بھی اگر چولھا ہی پھونکنا پڑے تو پھر تعلیم کا کیا فائدہ؟ یہ نظریہ غلط ہے کیوں کہ پڑھنے لکھنے کے بعد بھی ان کا اصل ٹھکانا گھر ہی ہے، اس لیے ضروری ہے کہ امورِ خانہ داری وہ اپنی درس گاہوں ہی سے سیکھ کر نکلیں۔لڑکیوں کے لیے تعلیمی اداروں میں پیشہ ورانہ تعلیم اور عملی تربیت دینے کا بندوبست بھی ہونا چاہیے۔

۷ سائنس کے کرشمے

خلیے کی گرہ کھولی ، جوہر کا جگر چیرا   راکٹ کو خلاؤں میں بھیجا ہے سفیرانہ
اب ذوقِ تجسّس کا اک اور ہی عالم ہے   گھومیں گے خلاؤں میں ہم خود ہی دلیرانہ

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے۔ سننے اور بولنے کی صلاحیّتوں کے ساتھ ساتھ اسے عقل و فہم اور علم و فضل بھی عطا کیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو کائنات پر غور و فکر کرنے، اس کا مشاہدہ کرنے اور اس میں چھپے ہوئے خزانے دریافت کرنے کی دعوت دی ہے۔ اس لیے انسان اپنی فطری صلاحیتوں کو کام میں لاتے ہوئے نہ صرف سورج، چاند، ستاروں، زمین، آسمان اور فضاؤں جیسے مظاہرِ قدرت کو سمجھنے کی کوشش کرتا چلا آ رہا ہے بلکہ کائنات کے تمام عناصر میں موجود وسائل کو دریافت کر کے اپنے استعمال میں لانے کے لیے نت نئی ایجادات کرتا چلا آ رہا ہے۔ سائنسی علوم کا بنیادی مقصد نئی نئی ایجادات اور دریافتوں کے ذریعے سے دنیا کو ترقی کی راہ پر گامزن کرنا اور زندگی گزارنے کے لیے نت نئے وسائل مہیا کرنا ہے۔ چوں کہ سائنس علم کا دوسرا نام ہے، اس لیے انسان عقل و علم کے ذریعے سے جو ایجادات کرتا ہے، وہ سائنسی ایجادات کہلاتی ہیں۔

موجودہ دور سائنس اور ٹیکنالوجی کا دور ہے۔ اس عہد میں حیرت انگیز ایجادات نے ہماری معاشرتی زندگی کے ہر پہلو میں انقلاب برپا کر دیا ہے۔ وہ چیزیں جن کا ذکر داستانوی اور افسانوی تھا، آج حقیقت کا روپ دھار چکی ہیں۔ انسان سمندر کی تہ سے لے کر آسمان کی بلندیوں تک اپنے قدم جما چکا ہے اور ساری دنیا سمٹ کر اس کے قدموں میں آ چکی ہے۔ کل تک غاروں میں رہنے والا انسان آج شان دار عمارتیں اور گھر تعمیر کر رہا ہے۔ ایسے گھر جن میں سائنسی ایجادات کی بدولت وہ تمام سہولیات میسّر ہیں جن کا کبھی تصوّر بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ صرف بجلی ہی کو دیکھیے، ہم کبھی روشنی کے لیے تیل سے جلنے والے چراغوں کے محتاج ہوا کرتے تھے، گرمی سے بچنے کے لیے دستی پنکھے تھامے ہوئے درختوں کی چھاؤں کا سہارا لیتے تھے۔ آج ایک بٹن دبائیں تو سارا گھر روشن ہو جاتا ہے۔ پنکھے، ائر کولر، ائر کنڈیشنر اپنا کام دکھانے لگتے ہیں اور ہم گرمی کی تپش سے بے نیاز ہو جاتے ہیں۔ کھانا پکانے کے لیے بجلی اور گیس کے چولھے، کھانے پینے کی اشیا محفوظ کرنے کے لیے ریفریجریٹر اور ڈیپ فریزر، کپڑے دھونے اور خشک کرنے کے لیے واشنگ اور ڈرائر مشینیں، کپڑے سینے کے لیے سلائی مشین اور پانی کی دستیابی کے لیے موٹر پمپ موجود ہیں۔ غرض ہمارے گھر سائنسی ایجادات سے اس طرح سج چکے ہیں کہ اگر پرانے دور کا کوئی شخص آ جائے تو اسے ہماری دنیا جنّت معلوم ہونے لگے۔ ہمیں اپنے گھروں سے باہر اور دوسرے شہروں یا ملکوں میں آنا جانا پڑتا ہے۔ اس حوالے سے ذرائع نقل و حمل پر نظر ڈالیں تو ناقابلِ یقین حد تک انقلاب نظر آتا ہے۔ جدید ٹیکنالوجی نے ہمارے ذرائع آمد و رفت کو گویا جادوئی بنا دیا ہے۔ فاصلے سمٹ کر رہ گئے ہیں۔ سالوں کے فاصلے دنوں میں اور دنوں کے فاصلے گھنٹوں، منٹوں میں تبدیل ہو چکے ہیں۔ موٹر سائیکل، موٹر کار، گاڑی، ریل گاڑی اور ہوائی جہاز جیسی ایجادات ہمیں وہ قوّت عطا کر چکی ہیں کہ ہم فاصلوں کے ساتھ ساتھ وقت کو بھی محفوظ محسوس کرتے ہیں۔

جدید سائنسی ایجادات سے مواصلات کے نظام میں بھی اَن گِنت تبدیلیاں آئی ہیں۔ ریڈیو، ٹیلی ویژن، ٹیلی فون، موبائل فون، فیکس اور انٹرنیٹ، ایسی ایجادات ہیں جن کے سبب ہم ساری دنیا کو اپنے سامنے موجود پاتے ہیں۔ اب یہ ممکن ہو چکا ہے کہ ہم کسی بھی وقت اور کسی بھی جگہ ہزاروں میل دور بیٹھے کسی شخص کو براہِ راست دیکھ سکتے اور اس سے گفتگو کر سکتے ہیں۔ انٹرنیٹ پر ای مِیل کے ذریعے سے چند سیکنڈوں میں ہزاروں کلومیٹر دور دوستوں کو پیغامات، مضامین، کہانیاں، اسباق اور اشعار وغیرہ بھیجے جا سکتے ہیں۔ موجودہ دور میں موبائل فون سے بھی کمپیوٹر کا کام لیا جا رہا ہے۔ طلبہ کمپیوٹر کو سامنے رکھ کر انٹرنیٹ سے کسی بھی تعلیمی ادارے، شعبۂ تعلیم اور کتاب وغیرہ کے بارے میں بھر پور معلومات حاصل کر سکتے ہیں۔ ان سہولیات نے درس و تدریس کے نظام کو بہت مؤثر، علاج معالجے کی مستند معلومات کی فراہمی کو آسان اور معلوماتِ عامہ تک عام آدمی کی رسائی کو ممکن اور آسان بنا دیا ہے۔ قدیم دور کا انسان بے شمار توہمّات کا شکار تھا۔ مختلف بیماریوں کے شکار انسان کو آسیب زدہ قرار دے دیا جاتا تھا اور اس کے ساتھ بڑا عجیب و غریب سلوک کیا جاتا تھا۔ ایک طرف بیماری، دوسری طرف تکلیف دہ طریقِ علاج اسے موت کی آغوش میں دھکیل دیتے تھے۔ سائنسی ترقی کی بدولت آج ہر مرض کی تشخیص ممکن ہو چکی ہے، نا قابلِ علاج مہلک امراض کا علاج ممکن بنا دیا گیا ہے اور جگر، دل، گردوں سمیت بے شمار انسانی اعضا کی پیوند کاری بڑی کامیابی سے کی جا رہی ہے۔

سائنس دانوں کے انسانیت پر بے شمار احسانات ہیں۔ انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی ان کے احسانات سے بھری پڑی ہے۔ آج کا انسان بالوں کی تراش خراش؛ دانتوں کی صحت و صفائی، بینائی کے معاملات، تندرستی اور لباس سے لے کر جوتوں اور جرابوں تک سائنسی ایجادات کا مرہونِ منت ہے۔ اجتماعی لحاظ سے گھروں اور دیگر عمارتوں کی تعمیرات، اناج کی کھیت سے لے کر عام آدمی تک رسائی، بجلی، گیس اور صاف پانی کی فراہمی وغیرہ ہماری اجتماعی زندگی پر سائنسی ترقی کے احسانات کی مثالیں ہیں۔ اگرچہ سائنسی ترقی کے منفی اثرات کی مثالیں بھی اسلحہ سازی، بم، بارود کی بارش اور ایٹمی تابکاریوں کی صورت میں موجود ہیں لیکن اس میں سائنسی ترقی ہرگز قصوروار نہیں ہوسکتی۔ اس صورت میں قصور صرف منفی سوچ اور منفی ذہن کا ہے کہ جس کی وجہ سے سائنسی ایجادات کا منفی استعمال ہوسکتا ہے۔

حقیقت یہی ہے کہ سائنسی ترقی کی بدولت ہماری معیشت، صنعت، تجارت، زراعت، تعلیم اور تفریح جیسے تمام شعبہ جات نہایت تیز رفتاری سے ترقی کر رہے ہیں۔ اگر سائنس اور ٹیکنالوجی میں اسی رفتار سے ترقی ہوتی رہی تو آنے والی نصف صدی میں یہ دنیا جانے کہاں سے کہاں پہنچ جائے بقول علامہ اقبالؒ:

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آ سکتا نہیں
محوِ حیرت ہوں کہ دُنیا کیا سے کیا ہو جائے گی

۸ برداشت اور رواداری

سبھی کے دیپ سندر ہیں ہمارے کیا تمھارے کیا

اجالا ہر طرف ہے اِس کنارے اُس کنارے کیا

کسی منفی رجحان کے نتیجے میں اپنے سخت ردِّعمل پر قابو پا لینا برداشت ہے اور ردِّعمل کے طور پر منفی رویے کے بجائے مثبت حسنِ سلوک کو روا رکھنا، رواداری کہلاتا ہے۔ ہمارا معاشرہ اِس وقت جن منفی رجحانات سے دوچار ہے، ان میں عدمِ برداشت کو اوّلیت حاصل ہے۔ جس کے باعث ہمارے اندر رَواداری کا وصف مفقود ہوتا جا رہا ہے۔ ہمیں روزانہ ایسے بہت سے لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے جو چھوٹی چھوٹی اور انتہائی معمولی باتوں پر ایک دوسرے کے ساتھ دست و گریباں دکھائی دیتے ہیں۔ بات کا بتنگڑ بنا دیا جاتا ہے۔ محض اپنی جھوٹی انا اور ضد پر قائم رہتے ہوئے دوسروں کا احترام پامال کیا جاتا ہے۔ عزتِ نفس مجروح کی جاتی ہے۔ یہ سب کچھ اس لیے کیا جاتا ہے کہ ہر آدمی اپنے نظریات اور اپنی سوچ کو سچا اور خود کو درست سمجھتا ہے۔ اور دوسرے کو سچ سے عاری گردانتا ہے۔ ایسی صورتِ حال میں یقیناً تصادم کی فضا پیدا ہو جاتی ہے اور لوگ ایک دوسرے کا گلا تک کاٹنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔

اگر ہم لوگ تھوڑی دیر کے لیے صبر و تحمل، برداشت اور رَواداری سے کام لیں تو بہت بڑے مالی و جانی نقصان سے بچا جا سکتا ہے۔ لیکن برداشت کا وصف لوگوں میں اُس وقت پیدا ہوگا جب وہ رواداری اور حسنِ سلوک کو اپنا شعار بنائیں گے۔ ہمارے پیارے نبی حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم کی حیاتِ طیبہ ہمارے لیے مشعلِ راہ ہے۔ آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم نے ہمیشہ برداشت اور رواداری سے کام لیتے ہوئے ہمارے لیے ایسی بے شمار زندہ مثالیں قائم کی ہیں جو رہتی دنیا تک انسانیت کے لیے رُشد و ہدایت کا ذریعہ بنی رہیں گی۔ آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم کے راستے میں کانٹے بچھائے گئے، پتھر برسائے گئے، طرح طرح کی اذیتوں سے دوچار کیا گیا مگر آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم نے ہمیشہ برداشت اور تحمّل سے کام لیا بلکہ فتحِ مکہ کے موقع پر تمام دشمنانِ اسلام کو معاف فرما دیا۔

اس وقت ہمارے ملک کے دو سنگین مسائل ہیں، جو لوگوں کو عدمِ برداشت اور تصادم کی طرف لے کے جا رہے ہیں۔ ان میں سے ایک فرقہ واریت ہے اور دوسرا مسئلہ طبقاتی امتیاز ہے۔ ان مسائل کی وجہ سے معاشرے کا امن و سکون غارت ہوتا چلا جا رہا ہے۔ بہ حیثیتِ مسلمان جب ہمارا خالق و مالک ایک ہے، قرآن ایک ہے، رسول ایک ہے تو پھر ہمیں بھی ایک ہونا چاہیے۔ جب معاشرے میں ایک ساتھ رہتے ہوئے لوگ فرقہ واریت میں تقسیم ہو جائیں گے تو لامحالہ منافرت بڑھے گی۔ ایسے میں اگر رواداری اور برداشت کو بروئے کار لایا جائے تو ہم اختلافِ رائے کے باوجود لوگ امن و سکون کے ساتھ رہ سکتے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ”اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقے میں نہ پڑو۔“ (آلِ عمران: آیت ۱۰۳)

اسلام تو دوسرے مذاہب کے لوگوں سے بھی حسنِ سلوک روا رکھنے کا درس دیتا ہے۔

عہدِ نبوی خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم میں ایک مرتبہ نجران سے مسیحی علما کا ایک وفد مدینے آیا اور مسجدِ نبوی خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم میں انھوں

نے اپنے طریقے کے مطابق عبادت کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ کچھ صحابہ نے تحفظات کا اظہار کیا لیکن رسولِ اکرم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ان مسیحیوں کو مسجدِ نبوی خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم میں عبادت کرنے کی اجازت دے دی۔ اس واقعہ میں اسلام کی سچی تصویر دکھائی دیتی ہے۔ یہ برداشت اور رواداری کی عظیم الشان مثال ہے۔ لہٰذا اُسوۂ حسنہ پر عمل پیرا ہوتے ہوئے ہم سب کو فرقہ واریت سے بالاتر ہو کر برداشت اور رواداری کے ساتھ زندگی گزارنی چاہیے۔

اسی طرح نسلی و طبقاتی امتیازات سے بھی خود کو دور رکھنے کی اشد ضرورت ہے۔ عموماً دیکھا گیا ہے کہ لوگ اپنے خاندانی اور قومی تفاخر کی بنا پر دوسرے لوگوں کو خود سے حقیر اور کم تر گردانتے ہیں۔ یہ رویہ بھی بسا اوقات جھگڑے اور تصادم کی فضا پیدا کرنے کا باعث بنتا ہے۔ جس سے لوگوں کا سکون غارت اور وقت ضائع ہوتا ہے۔ حالاں کہ قرآنِ حکیم میں اللہ تعالیٰ کا واضح ارشاد ہے:

''اور ہم نے تمھیں (مختلف) قومیں اور قبیلے بنایا تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو بے شک اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سے زیادہ پرہیزگار ہو۔'' (سورۃ الحجرات، آیت: ۱۳)

اسی طرح حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اکرم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم واضح کر دیا تھا کہ کسی گورے کو کالے پر اور کسی عربی کو عجمی پر کوئی فوقیت حاصل نہیں ہوگی۔ ان واضح تعلیمات کو سامنے رکھتے ہوئے ہم سب کو چاہیے کہ نسلی اور خاندانی تفاخر سے بالاتر ہو کر ہم آپس میں بھائی بھائی بن کر رہیں۔ یہ تبھی ممکن ہوگا جب ہم ایک دوسرے کا احترام کرتے ہوئے دوسروں کی باتوں کو برداشت کریں اور ان کے ساتھ رواداری اور حسنِ سلوک سے پیش آئیں گے۔ اس رویے سے یقیناً معاشرے میں زندہ اور تابندہ روایات کو فروغ ملے گا۔

اگر تھوڑی دیر کے لیے ترقی یافتہ اور مہذب معاشروں کی تاریخ کا جائزہ لیا جائے تو ان میں جہاں اختلافِ رائے نظر آتا ہے وہاں برداشت اور رواداری کے نقوش واضح طور پر دکھائی دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ معاشرے کامیابی اور ترقی کی بلندیوں کو چھوتے ہیں۔

ہمیں بھی اپنی معاشرتی روایات کو حوصلہ مندی اور صبر و برداشت کے اصولوں پر قائم رکھنے کا عزم کرنا چاہیے تا کہ ہم آپس میں باہمی اخلاص کے ساتھ مثالی بھائی چارے کو فروغ دے سکیں اور اپنے وطن کے گلی کوچوں میں امن و آشتی کے چراغ روشن کر سکیں۔

سات صندوقوں میں بھر کر دفن کر دو نفرتیں
آج انساں کو محبت کی ضرورت ہے بہت

۹ ٹریفک قوانین

دہر میں عیشِ دوام آئیں کی پابندی سے ہے
موج کو آزادیاں سامانِ شیون ہو گئیں

سڑکوں پر چلنے والی مختلف قسم کی چھوٹی بڑی گاڑیوں کی آمدورفت کو ٹریفک کہا جاتا ہے۔ جس طرح پوری کائنات کا نظام قانونِ قدرت کے تحت چل رہا ہے مثلاً سورج اور چاند ستاروں کا طلوع وغروب، موسموں کی آمدورفت، فصلوں کا پکنا وغیرہ سب ایک قانون کے تابع ہیں، اسی طرح سڑکوں پر ٹریفک کی آمدورفت کے لیے بھی انسانوں نے قوانین ترتیب دیے ہوئے ہیں۔ سائنسی ترقی کی بدولت جہاں دیگر ایجادات نے عقلِ انسانی کو ورطۂ حیرت میں ڈال رکھا ہے وہاں ذرائعِ نقل وحرکت بھی سائنس ہی کے مرہونِ منت ہیں جن کی بدولت لوگ ایک جگہ سے دوسری جگہ بآسانی آتے اور جاتے ہیں۔ مہینوں کا سفر دنوں میں اور دنوں کا گھنٹوں میں طے ہونے لگا ہے۔

جدید دور کی سفری اور باربرداری کی اِن سہولتوں کا ایک نقصان دہ پہلو بھی ہے۔ سڑکوں پر موٹر سائیکلوں، کاروں، بسوں، رکشوں، ویگنوں اور ٹرکوں وغیرہ کی تعداد میں اضافے کے باعث ٹریفک کے بے شمار مسائل پیدا ہونے لگے ہیں۔ اگرچہ ان مسائل پر قابو پانے کے لیے قوانین بھی تشکیل دیے گئے ہیں مگر بدقسمتی سے ٹریفک کے قوانین پر عمل کرنے کے شعور کا فقدان نظر آتا ہے۔ قانونی پیچیدگیوں سے قطع نظر، اگر ہم اخلاقی نقطۂ نظر سے بھی دیکھیں تو ٹریفک قوانین کی پابندی کرنا نہایت ضروری ہے۔ انھیں نظرانداز کرنے سے معاشرتی صورتِ حال بگڑنے کے علاوہ قیمتی جانیں بھی ضائع ہوتی ہیں۔

عام طور پر ٹریفک قوانین کی عمل داری میں رکاوٹ کی وجہ جہالت اور ناسمجھی ہوتی ہے۔ اکثر ڈرائیور حضرات ان پڑھ ہوتے ہیں جنھیں ٹریفک قوانین تو کیا، ٹریفک کے اشاروں تک کی صحیح سوجھ بوجھ نہیں ہوتی۔ بعض اوقات لوگ کم عمری میں لائسنس کے بغیر گاڑیاں چلانے لگتے ہیں۔ پھر پیسے کے لالچ میں گاڑیوں کے مالکان ایک ہی ڈرائیور کو مسلسل کئی کئی گھنٹوں کی ڈیوٹی سونپ دیتے ہیں۔ جہاں دو ڈرائیوروں کی ضرورت ہو وہاں ایک ہی ڈرائیور سے کام چلایا جاتا ہے۔ نتیجتاً تیز رفتاری، تھکاوٹ یا نیند آجانے کے باعث چھوٹے بڑے حادثات رُونما ہوجاتے ہیں۔

من حیث القوم ہمارا مزاج بھی عجیب ہے۔ موٹروے پر ہوتے ہیں تو ہمارا رویہ دنیا کی ہر مہذّب قوم جیسا ہوتا ہے اور جونہی جی ٹی روڈ پر آتے ہیں تو تہذیب سے ناتا ٹوٹ جاتا ہے۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ ٹریفک قوانین کو پسِ پشت ڈالنا اور ان کی خلاف ورزی کرنا نوجوان نسل کا فیشن بن گیا ہے۔ موٹر سائیکلوں پر ون وہیلنگ کرنا یا ایک ہی موٹر سائیکل پر اکٹھے چار پانچ نوجوانوں کا بیٹھ کر تیز رفتاری کا مظاہرہ کرنا نہایت خطرناک ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آئے دن اخبارات ہولناک حادثات کی خبروں سے بھرے ہوتے ہیں

اور ٹیلی ویژن پر ان حادثات کے مناظر دکھائے جا رہے ہوتے ہیں۔اسی طرح بڑی بڑی بسیں جو لمبے روٹس پر چلتی ہیں ان کے ڈرائیو ر تیز رفتاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اگلی گاڑی سے آگے نکلنے کی کوشش میں اکثر اوقات حادثات کا شکار ہو جاتے ہیں۔حالاں کہ سرکاری محکمہ جات کی طرف سے سڑکوں پر جگہ جگہ مقررہ حدِ رفتار کے بورڈ آویزاں ہوتے ہیں مگر قابلِ افسوس امر ہے کہ اکثر اوقات ان اشاروں اور تحریروں کا خیال نہیں رکھا جاتا۔نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ذرا سی غلطی گھروں کے گھر اجاڑ دیتی ہے۔

سڑکوں کا بروقت مرمت نہ ہونا، غیر معیاری ہونا اور ان پر غیر قانونی سپیڈ بریکر بنانا بھی حادثات کے اسباب میں شامل ہے۔اسی طرح سڑکوں پر ناکارہ گاڑیوں کا چلنا بھی بہت سارے حادثات کا باعث بنتا ہے۔ٹریفک کے قوانین وضوابط میں یہ بات بھی شامل ہے کہ سڑکوں پر ہر اعتبار سے کار آمد گاڑیاں چلائی جائیں۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اس نوعیت کی کھٹارا گاڑیوں کو سڑک پر لانا ٹریفک قوانین کی خلاف ورزی اور نا قابلِ معافی جرم ہے۔قوانین سے لاپروائی کے باعث اکثر اَوقات سڑکوں پر ٹریفک بے ہنگم اور بے قابو ہو جاتی ہے۔منزل تک جلد پہنچنے کی دُھن میں ڈرائیور حضرات پہلے سے پھنسی ہوئی ٹریفک میں گھستے چلے جاتے ہیں۔وہ یہ نہیں سوچتے کہ ان کے اس اقدام سے ٹریفک مزید جام ہو جائے گی۔اُن کے قطار توڑنے سے آگے پیچھے آنے والی گاڑیاں ایک دوسرے میں پھنس جاتی ہیں اور لوگوں کو کئی کئی گھنٹوں تک ذہنی وجسمانی اذیت سے گزرنا پڑتا ہے۔اس صورتِ حال سے عدم برداشت، غصہ، چڑچڑاپن، ڈپریشن اور اعصابی تناؤ جیسے امراض لاحق ہو جاتے ہیں۔سڑکوں پر ہارن کا بے جا استعمال اور گاڑیوں کے خراب سائیلنسر بھی اس نوع کی بیماریوں کو جنم دینے کا باعث بنتا ہے۔

آج کل ڈرائیونگ کے دوران میں موبائل فون کا استعمال عام رواج بن گیا ہے جو سراسر غیر قانونی ہے۔اس سے نہ صرف ٹریفک کے مسائل میں اضافہ ہو رہا ہے بلکہ خطرناک حادثات بھی پیش آ رہے ہیں۔اسی طرح بے شمار لوگ ڈرائیونگ کے دوران میں سیٹ بیلٹ باندھنا گوارا نہیں کرتے۔رات کے وقت ٹرک اور ٹریکٹر ٹرالیاں سڑکوں پر چلتی ہیں تو ان پر لدا ہوا سامان مثلاً لکڑیاں، گنا، لوہے کے گاڈر، ٹی آئرن وغیرہ دائیں بائیں سے باہر نکلے ہوئے ہوتے ہیں اور سامنے سے آنے والی گاڑی کا ڈرائیور لائٹس کی وجہ سے صحیح طرح سے دیکھ نہیں پاتا جس کے باعث حادثات پیش آ جاتے ہیں۔رات کے وقت اکثر ڈرائیور اپنی گاڑی کی لائٹس کو مدھم نہیں رکھتے۔ یہ عمل بھی خلافِ قانون ہے اور حادثات کا باعث بھی۔

ٹریفک قوانین کی خلاف ورزی روکنے کے لیے نہ صرف ٹریفک پولیس ذمہ دار ہے بلکہ عوام النّاس میں بھی احساسِ ذمہ داری پیدا ہونا چاہیے۔ پیدل چلنے والے سڑک پار کرتے وقت زیبرا کراسنگ کا استعمال کریں، سائیکل اور موٹر سائیکل والے سڑک کے بائیں جانب چلیں، حدِ رفتار کو ملحوظِ خاطر رکھیں اور ون وہیلنگ جیسے جرم کا کسی صورت بھی ارتکاب نہ کریں۔لائٹ ٹرانسپورٹ وہیکل (LTV) اور ہیوی ٹرانسپورٹ وہیکل (HTV) استعمال کرنے والے ڈرائیور نہ صرف اپنی اپنی لین میں گاڑی چلائیں بلکہ مجوزہ رفتار کا بھی خیال رکھیں اور اوورلوڈنگ ہرگز نہ کریں۔سائیکل، موٹر سائیکل، کار اور تمام چھوٹی بڑی گاڑیوں کے ڈرائیور ٹریفک کے اشاروں کا خاص خیال

رکھیں، سرخ بتی (سگنل) روشن ہوتو اپنی اپنی لین میں رہتے ہوئے رک جائیں، گاڑیاں بے ہنگم طریقے سے کھڑی نہ کریں، پیلی بتی کا مطلب ہے چلنے کے لیے تیار ہو جائیں جب کہ سبز بتی کا اشارہ بتاتا ہے کہ اب آپ گاڑی آگے بڑھا سکتے ہیں۔

بغیر لائسنس اور بیماری کی حالت میں گاڑی ہرگز نہ چلائیں۔ والدین کم عمر بچوں کو کسی صورت موٹر سائیکل یا گاڑی وغیرہ نہ چلانے دیں۔ عوام اور ٹریفک پولیس دونوں طرف کا یہ باہمی تعاون ہی صورتِ حال کی بہتری کا ضامن بن سکتا ہے۔ ٹریفک پولیس کو مناسب تربیت اور جدید ٹیکنالوجی فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ اس پیشے کو ہر طرح کے حرص و ہوس اور کرپشن سے پاک رکھا جائے۔ حکومتی سطح پر عوام کے لیے مختلف سیمینار اور کانفرنسیں منعقد کی جائیں اور عوام کو ٹریفک کے اصولوں کی خلاف ورزی سے پیدا ہونے والے خطرات و حادثات سے آگاہ کیا جائے۔ علاوہ ازیں ٹریفک کی خلاف ورزی کرنے والوں کو مناسب سزا دی جائے۔ جدید ذرائعِ اطلاعات و نشریات مثلاً ٹی۔ وی، ریڈیو، اخبارات و رسائل اور انٹرنیٹ وغیرہ کے ذریعے سے عوام کو ٹریفک قوانین کا شعور دینا چاہیے تاکہ لوگ خود معاشرتی اور ملکی سطح پر جان و مال کے تحفّظ کو یقینی بنا سکیں۔

۱۰ کسبِ حلال کی فضیلت

کسب اور حلال دونوں عربی زبان کے الفاظ ہیں۔ کسب کے معنی ہیں کمائی، تحصیل، حصول جب کہ حلال کے معنی ہیں جائز، روا، درست، طیّب، مباح وغیرہ۔ گویا کسبِ حلال سے مراد جائز کمائی کرنا اور رزقِ حلال کمانا ہے۔ قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''اے لوگو! اُن (چیزوں) میں سے کھاؤ جو زمین میں حلال (اور) پاکیزہ ہیں اور شیطان کے نقشِ قدم کی پیروی نہ کرو بے شک وہ تمھارا کھلا دشمن ہے۔'' (سورۃ البقرہ: آیت ۱۶۸)

اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے ذریعے سے بندوں کو حلال وطیب کھانے کا حکم صادر فرمایا ہے اور حرام چیزیں کھانے سے منع فرمایا ہے۔ حرام اشیا انسان کے اخلاق اور کردار کو بگاڑ دیتی ہیں جب کہ حلال، جائز اور پاکیزہ رزق سے دل روشن ہوتے ہیں۔ حلال رزق محنت کر کے کمایا جاتا ہے۔ اسی لیے محنت کرنے والے کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ ایسا رزق انسان کو نیک راہ پہ چلنے کی ترغیب دیتا ہے۔ جو لوگ رزقِ حلال کماتے ہیں، ان کا اخلاق اور کردار اتنا پاک صاف ہو جاتا ہے کہ ہر برے کام سے انھیں گھِن آنے لگتی ہے۔ وہ بری صحبت سے اور برے افعال سے بچتے ہیں اور ایسی چیزوں کے کھانے پینے کی طرف قطعاً نہیں جاتے جنھیں حرام قرار دیا گیا ہے۔ ایسے لوگوں کی زندگیوں میں اللہ تعالیٰ برکت ڈال دیتا ہے۔ ان کی اولادیں ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک بن جاتی ہیں۔ ایسے لوگوں کی دنیا بھی سنور جاتی ہے اور آخرت بھی۔ ان کے مقابلے میں حرام رزق کمانے والے اور حرام خوری کرنے والے اپنی دنیا اور آخرت

برباد کر لیتے ہیں۔ ملاوٹ، خیانت، بد دیانتی اور دھوکا دہی رزقِ حرام کے ذرائع ہیں۔ یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ حرام خوری صرف یہ نہیں کہ وہ چیزیں کھانا پینا جنھیں دین میں حرام قرار دیا گیا ہے بلکہ حرام کی دولت سے خرید کر کھایا گیا حلال جانور کا گوشت بھی سور کے گوشت جیسا اور حرام کی رقم سے خریدا گیا پاک صاف مشروب بھی شراب کی طرح حرام ہوتا ہے۔ حرام خوری سے اس فانی دنیا میں عارضی لذّت تو حاصل ہوتی ہے لیکن حرام خور اپنے اخلاق و کردار کو داؤ پر لگا لیتے ہیں۔ بدنامی ان کا مقدّر بن جاتی ہے۔ ان کا خون سفید اور دل رزقِ حرام کے سبب سیاہ ہو جاتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ خَاتَمُ النَّبِيِّينَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ ایک غلّے کے ڈھیر کے قریب سے گزرے تو آپ خَاتَمُ النَّبِيِّينَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ نے اس کے اندر اپنا ہاتھ داخل کر دیا، آپ خَاتَمُ النَّبِيِّينَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کی انگلیاں تر ہو گئیں تو آپ خَاتَمُ النَّبِيِّينَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا:

> ''غلّے والے! یہ کیا معاملہ ہے؟'' اس نے عرض کیا: ''اللہ کے رسول خَاتَمُ النَّبِيِّينَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ، بارش سے بھیگ گیا ہے۔'' آپ خَاتَمُ النَّبِيِّينَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: ''اسے اوپر کیوں نہیں کر دیا تاکہ لوگ دیکھ سکیں۔'' پھر آپ خَاتَمُ النَّبِيِّينَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: جو دھوکا دے وہ ہم میں سے نہیں۔'' (سنن ترمذی: ۱۳۱۵)

غور کیجیے! جسے رسول اللہ خَاتَمُ النَّبِيِّينَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ فرما دیں کہ ''ہم میں سے نہیں ہے'' اس کا ٹھکانا کہاں ہوگا۔ ایسے بدنصیب کی دنیا کیا ہوگی اور انجام کیا ہوگا؟

جس کو برا حضورؐ نے سمجھا برا ہے وہ
اچھا ہے وہ حضورؐ ہی اچھا کہیں جسے

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے اور اسے مسجودِ ملائک ٹھہرایا ہے۔ زمین کی تہ سے لے کر آسمانوں کی بلندیاں تک اس کے سامنے مسخر ہیں۔ وہ سورج کی شعاعوں کو گرفتار کر سکتا ہے۔ وہ ستاروں پہ کمندیں ڈال سکتا ہے۔ وہ معراجِ مصطفیٰ خَاتَمُ النَّبِيِّينَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ سے خبر پا چکا ہے کہ آسمان کی وسعتیں اس کی زد میں ہیں۔ وہ جبر کو قدر میں بدل سکتا ہے لیکن رزقِ حرام کا حصول ایسا رذیل، گھٹیا، سطحی اور بدانجام فعل ہے جو اس کی بلندیوں کو پستیوں میں تبدیل کر دیتا ہے۔ حرام رزق کمانے والے کو آسمان کی بلندیوں سے پٹخ کر زمین کی پستیوں میں دبا دیتا ہے۔ اسی لیے علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے تاکید کی ہے:

اے طائرِ لاہوتی اُس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

دیانت داری اور محنت سے روزگار کمانے والا شخص اپنا بھی بھلا کرتا ہے اور معاشرے کا بھی۔ ہماری روزمرہ کی اشیائے خورونوش اگر خالص ہوں تو یہ ہر شخص کے مفاد میں ہوگا۔ دودھ کی مثال ہی لیجیے، خالص دودھ ہر بچے، بڑے اور بوڑھے کی بنیادی غذا ہے۔ آٹا، چینی،

دال اور گھی کی بھی یہی مثال ہے۔اسی طرح اپنے منصب سے انصاف کرنا بھی درحقیقت معاشرے اوراس کے افراد کو مفاد پہنچانا ہے۔ اس لیے اگر یہ کہا جائے کہ حلال کمانے والا ہمیشہ دوسروں کے لیے فائدہ مند ہوتا ہے تو بالکل درست ہے۔

رسول اللہ خَاتَمُ النَّبِيِّينَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کا فرمان ہے:

''تم میں سے بہتر انسان وہ ہے جو لوگوں کو نفع دے۔'' (کنزالعمال:۴۴۱۴۷)

رزقِ حلال کے حصول کے لیے کوئی بھی جائز پیشہ اپنایا جا سکتا ہے۔تعمیر و ترقی کا کوئی بھی محنت طلب کام کیا جا سکتا ہے۔محنت مزدوری،کھیتی باڑی،گلّہ بانی،ملازمت،تجارت اور عملی فنون یعنی ہنرمندی کا کوئی بھی کام (جس کی شریعت میں ممانعت نہ ہو) کیا جا سکتا ہے۔انبیائے کرام میں سے زراعت حضرت آدم علیہ السّلام کا پیشہ تھا،لباس تیار کرنا حضرت ادریس علیہ السّلام کا پیشہ،بکریوں کا کاروبار کرنا حضرت شعیب علیہ السّلام کا پیشہ،کشتی تیار کرنا اور بڑھئی کا کام کرنا حضرت نوح علیہ السّلام کا پیشہ،بزازی (کپڑا بیچنا) حضرت زکریا علیہ السّلام اور حضرت ابراہیم علیہ السّلام کا پیشہ،تیر بنانا،حضرت صالح علیہ السّلام کا پیشہ،جوتے سینا اور ان کی تجارت کرنا،حضرت داوٗد علیہ السلام کا پیشہ لوہے کی زرہیں بنانا تھا،جب کہ اعلانِ نبوّت سے قبل حضور اکرم خَاتَمُ النَّبِيِّينَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ بھی تجارت سے منسلک تھے۔صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے بھی محنت کر کے روزگار کمانے میں ذرا تامّل نہ فرمایا۔ان کی اکثریت تجارت سے منسلک تھی۔

انبیائے برحق،رسول اللہ خَاتَمُ النَّبِيِّينَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے کسبِ حلال کے لیے ہر ممکن ذرائع اختیار کیے اور محنت کو عار سمجھنے کے بجائے اسے اپنے لیے باعثِ عظمت جانا۔ان کی زندگیاں ہمارے لیے مشعلِ راہ ہیں۔ہمیں ہرگز یہ حق حاصل نہیں کہ کسی بھی جائز پیشے کو کم تر سمجھیں اور اس پیشے سے منسلک کسی بھی شخص کو حقیر جانیں۔یقیناً محنت کرنے والا اللہ اور اس کے رسول خَاتَمُ النَّبِيِّينَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کی تعلیمات کے مطابق نہایت قابلِ قدر اور لائقِ تحسین ہے۔دنیا میں وہی لوگ اور وہی قومیں ترقی کرتی ہیں جن کا شعار محنت ہے۔آج کے نوجوان اگر کسبِ حلال کی غرض و غایت اور اس کی اصل روح و فضیلت کو سمجھتے ہوئے محنت کو اپنا شعار بنالیں تو بے روزگاری کا کبھی شکوہ نہ کریں۔ایسا شعار کسی بھی معاشرے کو خوش حال بنا دیتا ہے۔بقول مولانا حالیؔ:

وہی لوگ پاتے ہیں عزّت زیادہ
جو کرتے ہیں دنیا میں محنت زیادہ
جو محنت نہ ہوتی تجارت نہ ہوتی
کسی قوم کی شان و شوکت نہ ہوتی
جو ہاتھوں سے اپنا کمایا وہ اچھّا
جو ہو اپنی محنت کا پیسا وہ اچھّا

⑪ قدرتی آفات

زلزلے ہیں، بجلیاں ہیں، قحط ہیں، آلام ہیں
کیسی کیسی دخترانِ مادرِ ایّام ہیں!

قدرتی آفات کا تعلق انسان یا اس سے وابستہ اشیا اور اثاثہ جات کی تباہ کاریوں سے ہے۔ ایسے قدرتی عوامل جو انسان کے لیے جانی اور مالی نقصان کا سبب بنیں، انھیں قدرتی آفات کہتے ہیں۔ ان آفات میں زلزلہ، سیلاب، ڈینگی وائرس، کرونا وائرس، پولیو، قحط سالی، آتش فشانی، زمین کا سرکنا، گرد باد اور جنگل کی آگ وغیرہ شامل ہیں۔ ان میں سے زلزلہ، سیلاب، کرونا اور ڈینگی وائرس ایسی قدرتی آفات ہیں جن کا دنیا کے دیگر ممالک طرح ہمارے پیارے وطن پاکستان کو بھی اکثر و بیشتر سامنا رہا ہے۔ ان تمام آفات میں بالخصوص زلزلہ ایک ایسی قدرتی آفت ہے جو اچانک وقوع پذیر ہوتی ہے اور بعض اوقات انتہائی تباہ کن ثابت ہوتی ہے۔ زمین کی اچانک حرکت، لرزش یا تھرتھراہٹ کو زلزلہ کہتے ہیں۔ زمین کے اندر کے مادے جب گرم ہو کر پھیلتے ہیں تو زمین پھٹتی ہے اور زور زور سے ہلنا اور کانپنا شروع کر دیتی ہے۔ زمین کا کانپنا کبھی تو اس قدر کم ہوتا ہے کہ زمین کے مکینوں کو اس کی خبر بھی نہیں ہوتی اور کبھی یہ اس زور سے کانپتی ہے کہ عمارتیں لرز کر رہ جاتی ہیں، گھروں کی کھڑکیاں اور دروازے زور زور سے بجنے لگتے ہیں، شیشے ٹوٹ جاتے ہیں اور شدید زلزلے کی صورت میں انسانی بستیاں تباہ ہو جاتی ہیں، پل ٹوٹ جاتے ہیں، سڑکیں، ریلوے لائینیں، پائپ لائینیں اکھڑ جاتی ہیں اور مواصلاتی نظام وغیرہ پر تباہ کن اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ انسانی ہلاکتوں کے ساتھ ساتھ ان کی جائیدادیں بھی تباہ و برباد ہو جاتی ہیں۔ یہ قدرتی آفت انسانوں کی بڑی بربادی کے ساتھ ساتھ درختوں، فصلوں، جانوروں اور دیگر انسانی وسائل کا بھی قلع قمع کر دیتی ہے۔

زلزلہ آیا اور آ کر ہو گیا رخصت مگر
وقت کے رخ پر تباہی کی عبارت لکھ گیا

اچانک رونما ہونے والا شدید زلزلہ کئی دوسری آفات کا بھی پیش خیمہ بنتا ہے۔ مثال کے طور پر زیرِ زمین لرزش اور عدم مطابقت کی وجہ سے آنے والا زلزلہ آتش فشاں پہاڑ سے لاوا اگلنے کا سبب بھی بن سکتا ہے، اس کی وجہ سے سونامی کے خطرات منڈلانے لگتے ہیں، پہاڑوں سے چٹانیں اور پتھر ٹوٹ کر گرتے ہیں جو قریبی آبادیوں میں مالی اور جانی نقصان کا باعث بنتے ہیں، گلیشیئرز سے برف کے تودے دریاؤں میں گر کر سیلاب کا سبب بنتے ہیں اور زمین کا سرکنا کئی طرح سے وقوع پذیر ہونے لگتا ہے۔ یوں زلزلے کے نقصانات تو اپنی جگہ مگر اس کے نتیجے میں برپا ہونے والی آفات کے نقصانات صورتِ حال کو مزید سنگین بنا دیتے ہیں۔

ہمارے ملک میں اب تک کئی چھوٹے بڑے زلزلے آتے رہے ہیں۔ قیامِ پاکستان سے پہلے ۱۹۳۵ء میں کوئٹہ کے شدید

ترین زلزلے سے پورا شہر برباد ہو گیا تھا اور تقریباً پچاس ہزار (۵۰۰۰۰) افراد لقمۂ اجل بن گئے تھے۔ ۸/ اکتوبر ۲۰۰۵ء میں پاکستان کے شمالی علاقوں اور آزاد کشمیر میں آنے والا زلزلہ بھی انتہائی تباہ کن ثابت ہوا۔ اس زلزلے نے جو قیامت برپا کی، اس کا تصوُّر کر کے آج بھی دل کانپ جاتا ہے۔ اس زلزلے نے مظفر آباد، بالاکوٹ، باغ، مانسہرہ، راولاکوٹ اور گردونواح کے علاقوں سمیت ایک وسیع وعریض سرزمین کو تباہ و برباد کر دیا، پہاڑ اپنی جگہ سے سَرک گئے، چٹانیں ٹوٹ پھوٹ گئیں اور ندی نالوں کے رخ بدل گئے۔ اس زلزلے کے نتیجے میں تقریباً اسّی ہزار (۸۰۰۰۰) انسانی جانوں کا ضیاع ہوا، لاکھوں لوگ معذور ہو گئے، بے شمار تعلیمی ادارے، دفاتر، نجی املاک، مال مویشی، گھر اور جائیدادیں پہاڑوں کے نیچے دھنس گئیں۔ اکتوبر ۲۰۱۵ء میں بھی شمالی پنجاب اور خیبر پختون خوا میں شدید نوعیت کا زلزلہ آیا۔ ریکٹر سکیل پر اس کی شدّت ۷.۳ تھی۔ اس زلزلے نے بھی شمالی علاقوں میں بڑی تباہی مچائی، سیکڑوں لوگ ہلاک ہوئے اور ہزاروں بری طرح متاثر ہوئے۔

زلزلے کی طرح سیلاب بھی ایک خطرناک قدرتی آفت ہے۔ بارش کے باعث جب دریاؤں میں پانی کا بہاؤ اپنی حد سے تجاوز کر جائے تو وہ سیلاب کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ بارشوں کے علاوہ ڈیم کا ٹوٹنا اور پہاڑوں پر برف کا پگھلنا بھی سیلاب کا سبب بن سکتا ہے۔ دریاؤں کا پانی جب اپنی حدیں پھلانگتا ہوا شدید بہاؤ کے ساتھ میدانی علاقوں میں آتا ہے تو انسان، جانور، عمارات اور کھڑی فصلیں اس کی لپیٹ میں آجاتی ہیں۔ یہ بپھرا ہوا سیلاب ایک طرف انفرادی سطح پر مالی اور جانی نقصان کے سانحے کی داستانیں چھوڑ جاتا ہے تو دوسری طرف ملک و قوم کی معیشت کو تباہ حال بنا دیتا ہے:

بستی کے گھروں کو کیا دیکھے، بنیاد کی حرمت کیا جانے
سیلاب کا شکوہ کون کرے، سیلاب تو اندھا پانی ہے

پاکستان جیسا ترقی پذیر ملک بوجوہ اب تک بارشوں سے فائدہ اٹھانے کے بجائے کافی نقصان اٹھا چکا ہے۔ الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا سیلابی ریلوں کی تباہ کاریوں کی تحریروں اور تصویروں سے بھرا پڑا ہے۔ کتنے ہی لوگ ہیں جو سیلاب کے شدید ریلوں کی زد میں آ کر لقمۂ اجل بنے اور زخمی ہوئے۔ کتنے ہی مویشی ہلاک ہوئے، کتنی ہی کھڑی فصلیں تباہ ہوئیں، کتنی ہی عمارتیں زمین بوس ہوئیں، کتنی ہی زیرِ کاشت زمینیں دریا برد ہوئیں اور اس سبب کتنے ہی وبائی امراض ہیں کہ جو انسانوں اور مویشیوں کی بیماری اور موت کا باعث بنے۔ بجلی کی بندش، سہولیاتِ زندگی کی عدم دستیابی اور مہنگائی بھی سیلاب ہی کا ردِّعمل ہے۔ حکومتِ پاکستان کو تقریباً ہر سال ہی اس آفت سے نمٹنے اور سدِ باب کے لیے اربوں روپے کے وسائل استعمال کرنے پڑتے ہیں لیکن ۲۰۲۲ء میں آنے والے سیلاب نے تباہی و بربادی کی نئی تاریخ رقم کر دی۔ اس سال حکومت نے زیادہ بارشوں کے باعث پاکستان کے ۷۲ اضلاع کو آفت زدہ قرار دیا۔ پاکستان کی ایجنسی برائے انسدادِ قدرتی آفات کے مطابق بارشوں اور سیلاب کے باعث ۵۰۰۰ کلومیٹر سے زائد سڑکیں تباہ ہوئیں، ۱۲۰۰ سے زائد افراد ہلاک اور ۶۰۰۰ سے زائد زخمی ہوئے جب کہ تقریباً ۷۵۰۰۰۰ مویشی بھی موت کے منھ میں چلے گئے۔

سیلاب سے متعلق مناسب آگاہی اور انتباہی نظام، نکاسیِ آب کا انتظام اور زائد پانی ذخیرہ کرنے کے لیے چھوٹے بڑے ڈیمز کی تعمیر وقت کی اہم ضرورت ہے۔ سیلاب کے دنوں میں حکومت اور عوام کے باہمی اشتراک سے وبائی امراض کی روک تھام اور دیگر انسانی ساختہ وجوہات کا تدارک کیا جاسکتا ہے اور یہ اس خطرناک آفت سے بچاؤ کے لیے ناگزیر ہے۔

گزشتہ تین چار عشروں سے پاکستان کے طول وعرض میں ڈینگی بخار بھی ایک قدرتی آفت کی شکل اختیار کر چکا ہے۔ ڈینگی بُخار مادہ مچھر (ایڈیز) کے کاٹنے سے ہوتا ہے۔ یہ مچھر منطقہ حارہ اور ذیلی منطقہ حارہ کے علاقوں میں پایا جاتا ہے جن میں پاکستان سمیت جنوب مشرقی ایشیا کے اور بھی بہت سے ممالک شامل ہیں۔ پاکستان میں اس وبا سے شروع شروع میں بہت سی ہلاکتیں ہوئیں لیکن بر وقت حکومتی اقدامات سے بڑھتی ہوئی ہلاکتوں پر تو قابو پالیا گیا لیکن اس مچھر کا ابھی تک خاتمہ نہیں ہوسکا۔ ڈینگی مچھر کی افزائش کا بڑا سبب عوام کی عدم احتیاط ہے۔ حکومت کی منظّم کوششوں سے عوام کی اکثریت کو شعور حاصل ہو چکا ہے کہ چھتوں، کھلے میدانوں، کیاریوں، گملوں، بیکار ٹائروں اور کھلے برتنوں سمیت کسی بھی جگہ جمع شدہ کھڑا پانی مچھر کی افزائش کا ذریعہ ہے۔ اس لیے ہم سب پر لازم ہے کہ اس موذی وبا سے نجات حاصل کرنے کے لیے ہر ممکن احتیاطی تدابیر اپنائیں، کوشش کی جائے کہ کہیں پانی کھڑا نہ ہو، مچھر کش ذرائع استعمال کیے جائیں، سوتے جاگتے بازو، ٹخنے اور پاؤں ننگے نہ ہوں اور نکاسیِ آب کا مستقل انتظام کیا جائے۔ ڈینگی بُخار میں مبتلا ہونے کی صورت میں مریض کو چاہیے کہ فوراً ڈاکٹر سے رجوع کرے اور ٹونے ٹوٹکوں سے دور رہے۔

ڈینگی بخار کی وبا کے علاوہ ۲۰۱۹ء میں کرونا وائرس سے پھیلنے والی وبا جسے COVID-19 نام دیا گیا ایک ایسی قدرت آفت ہے جس نے تھوڑے ہی عرصے میں پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور لاکھوں افراد اس کی زد میں آ کر لقمۂ اجل بن گئے۔ اللہ تعالیٰ کا خاص احسان ہے کہ حکومتی اور عوامی سطح پر احتیاطی تدابیر کو اپنانے اور بروقت ویکسینیشن کے سبب پاکستان اس مہلک وبا کے زیادہ نقصانات سے محفوظ رہا۔ کرونا وائرس مختلف اشکال میں اب بھی دنیا کے مختلف علاقوں میں پنپ رہا ہے اس لیے اب بھی اس سے خبردار رہنے اور تمام احتیاطی تدابیر کو جاری رکھنے کی از حد ضرورت ہے۔

۱۲ احساسِ تحفّظ

احساسِ تحفّظ ہر ذی شعور انسان کا بنیادی حق ہے اور اس تحفّظ کی فراہمی ہر اُس شخص کا اولیں فریضہ ہے، جو مذہبی، معاشرتی، اخلاقی یا قانونی طور پر اس کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا ہو۔ایسا معاشرہ جہاں لوگ ہر حوالے سے اپنے آپ کو محفوظ سمجھتے ہوں، خوش حال معاشرہ کہلاتا ہے اور معاشرتی خوش حالی اُسی وقت ممکن ہوتی ہے جب ہر فرد یہ محسوس کرے کہ اس کی بقا، اس کے معاشرے اور قوم و ملّت سے وابستگی ہی میں مضمر ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہر فرد کا اس بات پر بھی پختہ یقین ہونا چاہیے کہ معاشرے کی تعمیر، تشکیل اور تقدیر اسی کے ہاتھ میں ہے۔

بچپن، جوانی اور بڑھاپا، زندگی کے وہ مراحل ہیں جن سے ہر شخص گزرتا ہے۔ ان تمام مراحل کے تقاضوں کو کَمَاحَقُّہٗ نبھانے والے افراد بہترین اور خوش حال معاشرے کی بنیاد رکھتے ہیں۔ زندگی کے ان مراحل میں سب سے اہم مرحلہ بچپن کا ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے:

کتاب زندگی کا سب سے پہلا باب ہے بچپن
ہماری آنے والی زندگی کا خواب ہے بچپن
اسی مرکز سے رخ تبدیل ہوتا ہے نگاہوں کا
یہیں سے سلسلہ چلتا ہے مستقبل کی راہوں کا

بچپن کے اس مرحلے میں ہر شخص جسمانی، ذہنی، سماجی اور جذباتی حوالوں سے نشوونما پاتا ہے۔ زندگی کا یہ مرحلہ بارہ سے سولہ سال تک کی عمر میں انتہائی حسّاس نوعیت اختیار کر لیتا ہے اور عنفوانِ شباب کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس عمر میں بچے بلوغت کے مرحلے میں قدم رکھتے ہیں۔ جسمانی ساخت میں تبدیلی عجیب سا ذہنی خلفشار پیدا کرتی ہے۔ خوشی، غم، غصّہ اور برداشت جیسے جذبات عجیب ذہنی کیفیات سے دوچار کرتے ہیں۔ بچے کے تعلقات گھر اور سکول سے نکل کر عام معاشرے تک پھیل جاتے ہیں۔ اس لیے یہ دور بچے کے اخلاق، کردار، ذہنی پختگی اور بہترین شخصیت کی بنیاد کے لحاظ سے انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ بچے نت نئے دوست بناتے ہیں اور ان کے اوقاتِ کار نئے رخ اختیار کرتے ہیں۔ یہ نئے دوست اور نئی صحبتیں اگر:

کند ہم جنس با ہم جنس پرواز
کبوتر با کبوتر ، باز با باز

کی طرح محدود رہیں تو صورتِ حال تسلی بخش کہی جا سکتی ہے۔ اگر اس کے برعکس ہوں تو ان کا انجام یقیناً تباہ کن ہوگا۔ ہر جنس کی اپنی ایک فطرت ہے۔ اس لیے کسی بھی صورت میں غیر فطری ہونے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے۔

بچوں کو دوستی کے حوالے سے بہترین اور محفوظ ترین ماحول کی یقینی فراہمی والدین کی اوّلین ذمہ داری ہے۔ وہ جس طرح

اپنے بچوں کو پولیو، ٹی بی، ٹائیفائیڈ، خسرہ، ڈینگی بخار اور کرونا وائرس جیسی مہلک بیماریوں سے بچاؤ کے لیے ان کی ویکسینیشن کراتے اور دیگر حفاظتی تدابیر اختیار کرتے ہیں، کسی بھی دہشت گردی جیسی ہنگامی صورتِ حال سے بچنے کے لیے بچوں کے ارد گرد کے ماحول پر کڑی نظر رکھتے ہیں، اسی طرح انھیں چاہیے کہ بچوں کے تمام تفریحی مشاغل کو مثبت اور تعمیری بنائیں۔ بچوں کی زندگی میں نظم وضبط لائیں اور بچوں کی دوستیوں کے معاملے کو موزونیت سے مشروط رکھیں۔ بچے اپنے والدین کو ہر طرح سے اپنا آئیڈیل سمجھتے ہیں۔ جھوٹ، فراڈ، چوری، بہتان تراشی، سگریٹ نوشی، دنگا فساد جیسی معاشرتی برائیوں کے منفی اثرات گھر اور ارد گرد کے ماحول سے بچوں پر براہِ راست اثر انداز ہیں۔ لہٰذا ماں باپ، بہن بھائی، دادا دادی اور نانا نانی ایسے افراد ہیں جو گھر کا ماحول سازگار بنا سکتے ہیں۔ یہ تمام افراد اپنا رول ماڈل پیش کر کے بچوں کے غلط رویّوں کی غیر محسوس طریقے سے نہ صرف اصلاح کر سکتے ہیں بلکہ انھیں ہر قسم کی غلط صحبت سے بچا کر محفوظ اور فعال فرد بنا سکتے ہیں۔

معاشرے کے اچھے برے لوگوں سے آگاہی حاصل کرنے کے لیے ایک بیٹی کو چاہیے کہ وہ اپنی ماں کو اپنی بہترین دوست سمجھے۔ اپنے روزمرّہ معمولات اور مسائل کے بارے میں اپنی ماں کو خبردار رکھے اور دوستانہ ماحول میں اس سے ہر طرح کی رہنمائی طلب کرے۔ ماں بھی اپنی بیٹی کو اچھے انداز اور حکمت سے بتائے کہ اپنی ذات کی کیسے حفاظت کرتے ہیں اور کس طرح اپنے وجود کو اغیار سے دور رکھتے ہیں۔ ماں کو چاہیے کہ وہ اپنی بیٹی میں اچھے برے لوگوں میں تمیز رکھنے کی صلاحیت پیدا کرے۔ اسی طرح بیٹے کو چاہیے کہ وہ اپنے والد کا دوست بن جائے اور یقین رکھے کہ اس کے ساتھ اس کے والد صاحب سے زیادہ اچھی دوستی نبھانے والا اور کوئی نہیں ہے۔ والد کو بھی چاہیے کہ وہ اپنا رویّہ اپنے بیٹے کے ساتھ دوستانہ رکھے۔ بچے کی صحبت کا دھیان رکھے اور اسے بتائے کہ انسان اپنی صحبت سے پہچانا جاتا ہے۔ باپ اس امر کو بہر صورت یقینی بنائے کہ اس کا بیٹا کسی بدکماش، اوباش یا مشکوک شخص سے کسی قسم کا تعلق نہیں رکھتا۔ بچے معصوم اور کورے کاغذ کے مانند ہوتے ہیں جن پر والدین ہر طرح کی تحریر لکھ سکتے ہیں۔ بچوں کی تمام حرکات وسکنات پر والدین کی کڑی نظر انھیں بے راہ روی سے بچا سکتی ہے۔ بچوں کے کھیل کود، لباس، نہانا دھونا، سونا جاگنا، کھانا پینا اور پہننا اور ان سب پر مکمل توجہ رکھنا بچوں کے محفوظ اور خوش حال مستقبل کی بنیادیں ہیں۔ فہم وفراست رکھنے والے والدین اپنے بچوں کے معمولات، گفت وشنید اور چال ڈھال سے ان کے اخلاق وکردار کا اندازہ لگا لیتے ہیں۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اور صحابیات رضی اللہ عنھن کے روشن اخلاق وکردار کی مثالیں دے کر بچوں کی تربیت کرنی چاہیے۔ انھیں دینی اور سماجی حوالوں سے کارہائے نمایاں انجام دینے والے قوم کے سپوتوں کی داستانیں سنائی جائیں۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں بچوں کی اخلاقی تربیت کی جائے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے مسلمان عورتوں کو جو امور اپنانے کا حکم دیا ہے اور امہات المومنین رضی اللہ عنھن نے ان کا عملی ثبوت پیش کر کے دکھایا ہے، ہر ماں کو ان کے نقشِ قدم پر چلنا چاہیے اور اپنی بیٹی

کے لیے مثالی نمونہ بننا چاہیے۔ایک والد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مثال بن کر اپنے بیٹے کی حضرت اسماعیل علیہ السلام جیسی تربیت کرے اور بیٹا اتنا معتبر، مؤدب اور مکمل انسان ثابت ہو کہ اپنے باپ کے حکم پر اپنے مال و جان سمیت سب کچھ قربان کرنے کے لیے تیار ہو جائے۔ بقول اقبال رحمۃ اللہ علیہ:

یہ فیضانِ نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسماعیلؑ کو آدابِ فرزندی

بچوں کا سماجی اور اخلاقی شعور بہتر بنایا جائے۔انھیں قوم و ملّت کے نوجوانوں کی بہادری کے ایسے قصّے سنائے جائیں جو انھیں بااعتماد، مضبوط اور بہادر بنائیں۔ ایسا بہادر کہ اگر کوئی غلط کار انھیں ورغلانے یا اغوا کرنے کی کوشش کرے تو یہ ننھے سپاہی اسے منھ توڑ جواب دے سکیں۔ بچوں کے تفریحی مشاغل کا مثبت اور تعمیری ہونا لازمی امر ہے۔تعلیم کے ساتھ ساتھ سیر و تفریح اور مختلف کھیلیں اُن کی جسمانی ساخت کو مضبوط تر بناتے ہیں اور ذہنی پختگی میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔تفریح کے معاملے میں یہ حقیقت ہر بچے پر واضح ہونی چاہیے کہ کسی بھی اخلاقی اور قانونی حد سے تجاوز کرنا تفریح نہیں بلکہ بغاوت اور بے راہ روی میں شمار ہوتا ہے۔اسی طرح ایسی تمام سرگرمیاں اور کھیل کود جو وقت کے ضیاع یا اخلاقی و جسمانی نقصان کا سبب بن سکتے ہیں، ان سے احتراز ضروری ہے۔

لڑکپن میں خواہ لڑکا ہو یا لڑکی سکول کی سطح پر بچوں کو دورانِ تدریس ایسے اساتذہ کی رہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے جو نصاب کی کتابوں کو پڑھانے کے ساتھ ساتھ باقاعدگی سے ان کی روحانی، جسمانی اور جذباتی تربیت پر مثبت اثرات مرتّب کریں۔اساتذہ کرام جو بچوں اور بچیوں کے مسائل کو حل کرنے کے لیے ایک روحانی باپ کا درجہ رکھتے ہیں، ان کے ہر مسئلے کو سلجھانے میں ان کی مدد کریں تاکہ بچے بلا جھجک اپنا ہر مسئلہ ان کے سامنے پیش کر سکیں۔ بچوں کو سکول میں ایسا ماحول فراہم کیا جائے کہ انھیں کسی قسم کے عدم تحفّظ کا احساس نہ ہو، تاکہ وہ نہایت سکون سے تعلیم و تربیت کے مراحل طے کر سکیں۔

۱۳ بدعنوانی (کرپشن) سے نجات

بدعنوانی انگریزی زبان کے لفظ Corruption کا اردو معنی ہے۔ ہر وہ برائی جو معاشرے میں کسی بھی قسم کے فساد کا باعث بنے ''کرپشن'' کہلاتی ہے۔ سود خوری، رشوت ستانی، سفارش، وعدہ خلافی، جھوٹ، ملاوٹ، تعصّب، اقربا پروری، بد دیانتی، ہر طرح کی چوری اور دیگر تمام سماجی بُرائیاں کرپشن ہی کے ذیل میں آتی ہیں۔ اگر ہم ایک خوش حال، منظم اور پُرامن معاشرہ چاہتے ہیں تو ان تمام بُرائیوں سے نجات ناگزیر ہے۔ دینِ اسلام نہ صرف تمام قسم کی کرپشن کو ختم کرنے کی تاکید کرتا ہے بلکہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم کی سیرتِ اقدس کی پیروی کی تلقین بھی کرتا ہے جو ایسے تمام پہلوؤں سے سجی ہوئی ہے جن کی پیروی کر کے تمام معاشرتی برائیوں سے بچا جا سکتا ہے اور معاشرے کو خوش حال اور مثالی بنایا جا سکتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''خشکی اور تری میں فساد پھیل گیا ہے ان (اعمال) کی وجہ سے جو لوگوں کے ہاتھوں نے کمائے۔'' (سورۃ الروم، آیت:۴۱)

دراصل انسان حرص و ہوس کی رو میں بہ کر اور خواہشات کا غلام بن کر ایسی تمام حدیں پار کر جاتا ہے جہاں سے کسی بھی برائی کا آغاز ہوتا ہے۔ ضرورت کے بجائے سہولت کی تلاش اور سہولت کے بجائے تعیّشات کا تعاقب انسان کو سماجی برائیوں کی طرف راغب کر دیتے ہیں۔ انسان ناجائز طریقے سے ہر وہ چیز حاصل کرنا چاہتا ہے جس پر اس کا حق نہیں ہوتا۔ ان ناجائز ہتھکنڈوں میں رشوت ستانی اور سفارش زیادہ فساد برپا کرنے والے افعال ہیں۔

رشوت کسی بھی معاشرے کی جڑوں کو دیمک کی طرح چاٹ کر کھوکھلا کر دیتی ہے۔ مختلف محکموں کے ملازمین رشوت لیے بغیر کسی بھی سائل کا جائز کام کرنے پر بھی آمادہ نہیں ہوتے اور رشوت کو اپنا حق سمجھتے ہیں۔ دوسری طرف سائل بھی اپنے جائز یا ناجائز کام کے لیے لوگوں کی مٹھیاں گرم کرنے پر تُلے رہتے ہیں۔ اس طرح مرتشی اور راشی دونوں رشوت کا بازار گرم کرنے میں پیش پیش نظر آنے لگتے ہیں۔ حالاں کہ اسلامی تعلیمات میں واضح طور پر آیا ہے کہ:

''رشوت دینے والا اور رشوت لینے والا، دونوں جہنمی ہیں۔'' (طبرانی: ج ۱/ص ۵۷۹)

رشوت کے عام ہونے کی بے شمار وجوہات ہیں۔ سب سے پہلی وجہ دینِ اسلام سے دوری اور سنتِ نبوی خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم سے انحراف ہے۔ دوسری وجہ مذہبی اور سماجی اقدار کی عدم پیروی ہے۔ ہم لالچ اور حرص و ہوس میں آ کر اپنی شاندار اقدار کو پامال کر دیتے ہیں، جس کا نتیجہ رشوت ستانی کی صورت میں ہمارے سامنے آتا ہے۔ ہمارے معاشرے میں غربت اور جہالت بھی رشوت ستانی کے بڑے اسباب ہیں۔ رشوت کی دلدل میں دھنسا شخص کرپشن کو اپنے لیے ہنر اور فن سمجھتا ہے۔ اس پہلو کی طرف زمانہ حال کے مقبول مزاحیہ شاعر انور مسعود نے کیا خوش گوار انداز میں توجہ دلائی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

کروں گا کیا جو کرپشن بھی چھوڑ دی میں نے
مجھے تو کوئی اور کام بھی نہیں آتا

رشوت کو جڑ سے اکھاڑنے کے لیے اور معاشرے کو اس سماجی بُرائی سے پاک کرنے کے لیے سب سے پہلے ہمیں احکامِ الٰہی اور رسولِ اکرم خَاتَمُ النَّبِيِّينَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کی سیرت کو اپنانا ہوگا۔ اپنے ملک میں تعلیم کو عام کرنا ہوگا اور بہترین اقدار کو رواج دینا ہوگا۔ رشوت خوری دور کرنے کے لیے کسی بھی درخواست، مقدمے یا فائل پر عمل درآمد کے لیے ایک محدود مدّت مقرر کی جانی چاہیے تاکہ سائل کو بار بار چکر نہ لگانے پڑیں اور اپنا جائز کام کرانے کے لیے بھی رشوت کی پیش کش نہ کرنی پڑے۔ عدل و انصاف کے تمام تر تقاضے اگر کوئی معاشرہ پورا کرے تو یقیناً رشوت کا خاتمہ ہوسکتا ہے۔ ہمیں اور ہمارے بڑوں کو ایک رول ماڈل بن کر دوسروں کے سامنے پیش ہونا ہوگا۔ ہمیں معاشرے میں یہ احساس پیدا کرنا ہوگا کہ رشوت ایک لعنت ہے، یہ ہمارے معاشرے اور ہماری اولادوں کے لیے زہرِ قاتل کی حیثیت رکھتی ہے۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب کہا ہے:

اے طائرِ لاہوتی! اُس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

رشوت ستانی کے علاوہ سفارش بھی ایک بہت بڑی سماجی بُرائی ہے۔ رشوت کی طرح اس کا استعمال بھی اگر ناجائز کاموں کے حصول کے لیے کیا جائے تو انفرادی اور اجتماعی سطح پر یہ بھی معاشرے میں ایک بڑا فساد برپا کرنے کا سبب بنتی ہے۔ جب ہم سفارش کے بل بُوتے پر کسی دوسرے کو اُس کے حق سے محروم کر کے ناحق کسی عہدے، جائیداد یا سامان وغیرہ پر قابض ہوں گے تو یہیں سے معاشرتی عدم استحکام کا آغاز ہوجائے گا۔ سفارش کی بیماری جس معاشرے میں عام ہوجائے وہاں غریب بے بس اور کمزور لوگ پس کر رہ جاتے ہیں، جب کہ وہ لوگ جن کے تعلقات بڑے بڑوں سے ہوتے ہیں، سفارش اور تعلق کی بنا پر ناجائز کام کروا لیتے ہیں۔ یوں بے شمار نااہل افراد اعلیٰ سے اعلیٰ عہدوں پر فائز ہوکر مختلف اداروں میں اپنی نااہلی کی وجہ سے ترقی کے سفر کو روک دیتے ہیں۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ معاشرتی اور ملکی قوانین کو دینِ اسلام کی تعلیمات کے مطابق بنایا جائے۔ عہدِ نبوی اور خلافتِ راشدہ کا طرزِ معاشرت اپناتے ہوئے رشوت اور سفارش کے ساتھ ساتھ ہر قسم کی بدعنوانی کا خاتمہ کیا جائے۔ ہر مجرم کو قرار واقعی سزا دی جائے اور ایسے تمام عناصر کا احتساب کیا جائے جو کرپشن کے حوالے سے کسی بھی گناہ کے مرتکب ہوں۔ عدل و انصاف کو معاشرے میں عام کیا جائے۔ نوکریوں کے سلسلے میں میرٹ اور اہلیت کو فوقیت دی جائے۔ تعلیم کو عام کر کے معاشرتی شعور کو بیدار کیا جائے، جائز و ناجائز اور حلال و حرام کے فرق کو لوگوں کے اذہان و قلوب میں بسایا جائے۔ اس کے لیے میڈیا کا استعمال بھی کیا جاسکتا ہے۔ اگر ہم سچے اور پکے مسلمان بن جائیں اور حُب الوطنی کے تقاضوں کو پورا کرنے لگیں تو یقیناً ہمارا معاشرہ اور ہمارا ملک تمام برائیوں سے پاک ہوسکتا ہے۔

۱۴ پاکستان چین اقتصادی راہداری

پاکستان اور چین کے تعلقات باہمی مفادات پر مبنی ہونے کے باوجود درحقیقت دونوں ممالک کے مابین محبت بھرے گہرے جذبات کے ترجمان ہیں اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ پاکستان چین تعلقات بحرالکاہل سے زیادہ گہرے اور کوہِ ہمالیہ سے زیادہ بلند ہیں، تو یہ بالکل بجا ہے۔

پاکستان چین اقتصادی راہداری ۴۶ ارب ڈالر مالیت کا دوطرفہ منصوبہ ہے۔ گمان ہے کہ یہ منصوبہ تکمیل پذیر ہونے کے بعد خطے کے لیے کایا پلٹ (Game Changer) ثابت ہوگا۔ یہ اقتصادی منصوبہ تین ہزار کلومیٹر شاہراہات کے ذریعے چین کے شہر کاشغر کو پاکستان کی جدید بندرگاہ گوادر سے منسلک کردے گا۔ کاشغر چین کی اکثریت مسلم آبادی کے صوبے سنکیانگ کا دارالحکومت ہے اور یہ وہی شہر ہے جو قدیم زمانے میں شاہراہ ریشم پر اہم ترین پڑاؤ رہا ہے اور جس کے بارے میں مفکرِ مشرق علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے خواب دیکھا تھا:

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تابخاکِ کاشغر

پاکستان اور چین دونوں ممالک کے اقتصادی ماہرین کا بڑے وثوق کے ساتھ کہنا ہے کہ اس ربط ضبط کے بڑے دور رس اقتصادی اثرات مرتب ہوں گے۔ یہی وجہ ہے کہ مرکزی شاہراہ کے ساتھ ساتھ بالائی ڈھانچے کے طور پر دوسرے ترقیاتی منصوبے بھی شروع کیے جارہے ہیں۔

پیپلز ری پبلک آف چائنا (چین) نے قومی حمیت اور عزم وحوصلہ کی بنا پر اپنی اقتصادی طاقت کا لوہا دنیا بھر سے منوایا ہے۔ دونوں سُپر پاورز یعنی امریکہ اور روس کے علاوہ یورپی یونین، ایشیا اور آسٹریلیا کے لوگ اس ملک کی طرف حیرت واستعجاب کی نظروں سے دیکھ رہے ہیں۔ چین جب اپنے تمام منصوبے مکمل کرلے گا تو اس کی ہمہ جہت صلاحیت میں حیرت انگیز اضافہ ہوجائے گا مگر سرِ دست ہمارا روئے سخن فقط چین پاکستان اقتصادی راہداری کی طرف ہے اور ہم اس امر پر اجمالی روشنی ڈالیں گے کہ اس منصوبے کی دونوں ملکوں کے لیے کس قدر اہمیت وافادیت ہے۔

ظاہر بات ہے کہ چین پاکستان اقتصادی راہداری منصوبے کی وجہ سے چین کو بحرِ ہند کے گرم پانیوں تک رسائی حاصل ہوجائے گی اور اسے مشرق وسطیٰ سے توانائی کی درآمدات میں سہولت میسر آجائے گی لیکن اس کے ساتھ ساتھ پاکستان کو بھی چند اقدامات اٹھانے سے شدید توانائی بحران سے نجات مل جائے گی۔ اس منصوبے کی وجہ سے پاکستان میں واٹر، سولر اور تھرمل پاور پلانٹس کی یکے بعد دیگرے تنصیب ہورہی ہے جس کی وجہ سے پاکستان کو ۳۴ ارب ڈالر کی بچت ہوگی۔ اس منصوبے میں ایران، روس اور سعودی

عرب کی شمولیت کی شدید خواہش نے اس کی اہمیت دو چند کر دی ہے۔ یہ اقتصادی منصوبہ ترقی پذیر پاکستان کے لیے امکانات کی ایک وسیع کائنات ہے۔ پاکستان کی ہمہ جہت اقتصادی ترقی کے سوتے اسی منصوبے سے پھوٹیں گے۔ اس معجز نما اقتصادی کرشمے کا ایک بڑا حصہ کوہِ قراقرم کے سنگلاخ اور دشوار گزار ترین پہاڑی سلسلے کے دروں سے گزرتا ہے۔ ان راستوں سے سڑک گزارنے میں بے شائبہ و بلا مبالغہ خونِ جگر شامل ہوا ہے۔ جس کسی نے ان راستوں سے سفر کیا ہے، اسے علامہ اقبال کا یہ شعر جو انھوں نے ہسپانیہ میں مسجدِ قرطبہ کی حیرت انگیز تعمیر کا مشاہدہ کرتے ہوئے کہا تھا۔ ضرور ذہن میں آتا ہے:

نقش ہیں سب نا تمام ، خونِ جگر کے بغیر
نغمہ ہے سودائے خام ، خونِ جگر کے بغیر

سی پیک کے منصوبے کا، جسے ہم نے معجز نما کہا ہے، ایک دوسرا پہلو، جو اب تک پوری توجہ حاصل نہیں کر سکا، یہ ہے کہ اس کی بدولت پاکستان کی بحری قوت میں بے پناہ اضافہ ہوگا۔ سی پیک کے تحت چین پاکستان کو آٹھ ایٹمی آبدوزیں دے رہا ہے، جو ہماری بحریہ کی صلاحیت کو مزید فعال اور مستحکم بنا دیں گی۔

فی زمانہ گوادر بندرگاہ کو تجارتی مقاصد کے لیے ترقی دی جا رہی ہے لیکن وہ دن دور نہیں جب اسے دفاعی مقاصد کے لیے بھی استعمال کیا جائے گا۔ چین پاکستان اقتصادی راہداری منصوبے سے پاکستان کے چاروں صوبوں کو معاشی فوائد حاصل ہوں گے اور اس سے یقیناً وطنِ عزیز میں مجموعی طور پر خوشحالی کے دور کا آغاز ہوگا۔

انتہا پسندی، دہشت گردی، غربت، جہالت اور بے روزگاری کا خاتمہ، اس منصوبے کے وہ ثمرات ہیں جنھیں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ سی پیک منصوبے سے پاکستان کے آئی ایم ایف، ورلڈ بینک، ایشیائی ترقیاتی بینک، امریکہ اور دوسرے ممالک پر معاشی انحصار کی ضرورت نہیں رہے گی۔ گویا یہ منصوبہ ہماری معاشی آزادی کی مضبوطی کی ضمانت ہے اور یہ بات کہنے میں کوئی خوفِ تردید نہیں ہے کہ یہ منصوبہ ہماری معاشی ترقی اور خوشحالی کا پاسپورٹ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بھارت نے جو ہمیں اپنا بڑا دشمن گردانتا ہے اور ہمیں زک پہنچانے کا کوئی موقع نہیں چھوڑتا، سی پیک منصوبے کو سبوتاژ کرنے کے لیے تیس کروڑ ڈالر مختص کیے ہیں اور اس حوالے سے اپنی تخریب کارانہ سرگرمیوں کا آغاز بھی کر دیا ہے جس کا ایک ادنیٰ ثبوت یہ ہے کہ ایک تو اس نے مقبوضہ کشمیر میں نہتے کشمیریوں پر ظلم و بربریت کا سلسلہ بڑھا دیا ہے، دوسرے ایل او سی (لائن آف کنٹرول) پر چھیڑ خانی شروع کر دی ہے اور تیسرے اس منصوبے کے بحری راستے میں بدمعاشی پر کمر بستہ ہے۔ چند روز پہلے ایک بھارتی آبدوز ہمارے پانیوں میں گھس آئی مگر ہماری بحریہ کو چوکنا دیکھ کر اسے راہِ فرار اختیار کرتے بنی۔ چونکہ سی پیک منصوبے کی کامیاب تکمیل کی گارنٹی ہماری مسلح افواج نے بطور ادارہ دی ہے، اس لیے ابھی تک بھارت کی مذموم سرگرمیاں مسلسل ناکامیوں سے دو چار ہو رہی ہیں۔ ہم بطور پاکستانی قوم اس امر سے اچھی طرح آگاہ ہیں کہ پاکستان کی مجموعی ترقی و خوشحالی ہمارے ازلی دشمنوں کو ایک آنکھ نہیں بھاتی۔ وہ تھوڑا سا مزید انتظار کریں، اس منصوبے کی وجہ سے پاکستان کا آنے

والا کل انھیں ایسی کئی مزید حیرتوں سے دو چار کرے گا۔

اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ گوادر کے بارے میں، جو سی پیک منصوبے کا محور ہے، مختصراً چند حقائق بیان کیے جائیں۔ گوادر میں سارا سال تیز و تند ہواؤں کا راج رہتا ہے، اس لیے اس جگہ کا نام گوادر پڑ گیا۔ کل تک گوادر غریب مچھیروں کی بستی تھی اور یہ خطہ سلوقی سلطنت کا حصہ تھا اور اس علاقے کے لوگوں کو ''ماہی خوراں'' کہا جاتا تھا، ہوتے ہوتے یہی لفظ ''مکران'' بن گیا۔ ابتدا میں بلوچستان کا نام بھی مکران تھا اور شاید اس بنا پر ابھی تک اس ساحلی پٹی کو ساحل مکران کہا جاتا ہے۔ گوادر کراچی سے مغرب کی جانب سات سو کلومیٹر کی دوری پر اور خلیج فارس سے مشرق کی جانب ساڑھے تین سو کلومیٹر دور واقع ہے۔ ایرانی بندرگاہ چابہار سے اس کا زمینی فاصلہ تقریباً ایک سو کلومیٹر ہے جو ۷۶ نوٹیکل بنتا ہے۔

ایک زمانہ تھا کہ گوادر ایسا علاقہ شمار ہوتا تھا جہاں سیکڑوں میل تک نہ کوئی آدم نہ آدم زاد، ایک طرف تاحدِ نگاہ ریت کے ٹیلے تو دوسری جانب قدرت کا بیش بہا عطیہ یعنی آئینے کی طرح صاف و شفاف اور وسیع و عریض سمندر کی فلک شگاف شور مچاتی جھاگ اڑاتی لہریں جو چٹانوں سے سر ٹکراتی نظر آتی ہیں۔ اس علاقے کو، جو کسی زمانے میں سلوقی سلطنت کا حصہ شمار ہوتا تھا اور مغلوں کی عظیم سلطنت کا حصہ بھی رہا، نامعلوم وجوہ کی بنا پر ہمیشہ نظر انداز کیا جاتا رہا۔ کہا جاتا ہے کہ خان آف قلات نے جب اپنی بیٹی کی شادی سلطنتِ عمان کے شہزادے سے کی تو گوادر کو ایک شکارگاہ کے طور پر بیٹی کے جہیز میں دے دیا چنانچہ ایک عرصے تک گوادر سلطنت عمان ہی کا حصہ رہا۔ حکومتِ پاکستان نے اسے پچاس سال پہلے سلطنت عمان سے خرید کر یکم جولائی ۱۹۷۷ء کو صوبہ بلوچستان میں ضلع گوادر کے طور پر ضم کر دیا۔

مگر اب وہ زمانہ نہیں رہا۔ اب زمانہ بدل گیا ہے اور دنیا کہیں سے کہیں پہنچ گئی ہے۔ اب انھیں اپنے اور اپنی اولاد کے تابناک مستقبل کے لیے زمانے کا ساتھ دینا ہوگا اور اگر اب بھی وہ پرانی ڈگر پر چلیں گے تو یہ ان کی ناسمجھی ہوگی۔ انھیں قدرت کے اس شاندار عطیے پر خداوند کریم کے بعد اپنے وطنِ عزیز کی حکومت اور چین کا بھی شکر گزار ہونا چاہیے کہ ان کا علاقہ جلد ہی ترقی یافتہ دنیا کے شانہ بشانہ چلے گا۔

گوادر پورٹ کے بروئے کار آنے پر پاکستان اقتصادی لحاظ سے ''ٹیک آف'' کی پوزیشن میں آ گیا ہے۔ یہ تاریخی منصوبہ پاکستان کی مجموعی معاشی ضروریات کا وہ حتمی علاج ہے جسے قوم نے بالآخر اپنے آزمودہ دوست چین کی مدد سے پا لیا ہے۔ اس معجزاتی اور کرشماتی منصوبے کا مرکز و محور، جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے، ہمارا صوبہ بلوچستان ہے۔ سی پیک اور گوادر پورٹ کے معاملے میں بلوچ عوام کی سوچ کو مثبت کرنے اور انھیں درست طریقے سے فوائد پہنچانے کے لیے فوری طور پر حَب سے لے کر چمن و ژوب تک ہر ضلع میں ایسے ٹیکنیکل ٹریننگ سنٹرز قائم کیے جا رہے ہیں جہاں مکینیکل، الیکٹریکل، الیکٹرونکس، ریفریجریشن اور ٹیلی کمیونیکشن سمیت تمام ممکنہ شعبوں میں میٹرک پاس طلبہ و طالبات کو تعلیم دی جائے گی۔ یہ بات طے پا گئی ہے کہ ان ٹیکنیکل سنٹرز کو ہنگامی طور پر سی پیک

منصوبے کی تحت قائم کر کے ہر ضلع میں چینی زبان کی تعلیم کا فوری طور پر آغاز کیا جائے۔ بلا شبہ دبئی آج ایک بین الاقوامی شہر اور دنیا بھر کے لیے نمایاں تجارتی مرکز بن چکا ہے۔ دبئی نے اپنی بندرگاہ اور ائیر پورٹ کو ٹیکس فری قرار دے کر ایسی پالیسیاں تشکیل دی ہیں کہ یہ جگہیں دنیا بھر کی تجارتی سرگرمیوں کا محور بن گئی ہیں۔ ہمیں گوادر کو انھی خطوط پر ترقی دینا ہوگی۔ اس کے لیے ہم پر لازم آتا ہے کہ ہم گوادر میں میٹھے پانی کی فوری فراہمی کے منصوبوں کو ہنگامی بنیادوں پر مکمل کریں۔ اس کے علاوہ ایسے اقدامات اٹھانے کی بھی ضرورت ہے جس سے گوادر جدید شہری سہولتوں سے آراستہ ہو سکے۔ ہمیں مجموعی طور پر بلوچستان کے عوام کے معیارِ زندگی کو بلند کرنے کو اولین ترجیح بنانا چاہیے تا کہ وہ لوگ اس منصوبے کے شیریں ثمرات سے مستفید ہو سکیں۔ بلوچستان میں تعلیم کی طرح صحت کی سہولیات بھی ناپید ہیں چنانچہ اس طرف بھی بھرپور توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ سی پیک ضمنی منصوبوں میں سرکاری ملازمتوں کی میرٹ پر فراہمی بھی ایک ایسا ناگزیر اقدام ہے جس پر عمل درآمد کیا جانا چاہیے۔ ہمیں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ اگر بلوچی عوام کا معیارِ زندگی بلند ہوگا تو ہمارا دشمن انھیں ملک وملت کے خلاف استعمال نہیں کر سکے گا۔

بفضلِ تعالیٰ گوادر دنیا کے سب سے بڑے بحری تجارتی راستے پر واقع ہے جو اپنے قدرتی شاندار محلِ وقوع اور زیرِ تعمیر جدید ترین گہرے پانیوں کی بندرگاہ کے باعث عالمی سطح پر معروف ہے۔ آنے والے وقت میں نہ صرف پاکستان بلکہ چین، افغانستان اور وسط ایشیا کے ممالک کی بحری تجارت کا دارومدار اسی بندرگاہ پر ہوگا اور ہمیں یہ معجزہ دکھانا ہوگا کیونکہ بقول علامہ اقبال:

بے معجزہ دنیا میں ابھرتی نہیں قومیں
جو ضربِ کلیمی نہیں رکھتا ، وہ ہنر کیا !

۱۵ توہم پرستی اور ہمارا معاشرہ

آج کا دَور انسانی ترقّی کے عروج کا دور ہے۔ انسان چاند پر قدم جمانے کے بعد سے نئے سیاروں اوراَن دیکھے جہانوں کی کھوج اوراُن تک رسائی میں لگا ہوا ہے۔ ایک طرف تو یہ اور دوسری طرف جدید ذرائع نے دُنیا کو گلوبل ویلیج بنا کر رکھ دیا ہے۔ دنیا کے کسی بھی کونے میں بیٹھا کوئی بھی شخص کسی دوسرے شخص سے لمحوں میں ہم کلام ہوسکتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ ان ذرائع کے سبب دنیا بھر کی معلومات تک رسائی ایک کلِک کی دُوری پر دھری رہتی ہے۔ سائنسی ترقی کی اس معراج پر بھی انسان تہذیبی اور معاشرتی سطح پر کئی حوالوں سے زوال کا شکار چلا آ رہا ہے۔ ان میں سے ایک بُرائی جو دوسرے معاشروں کی نسبت ہمارے معاشرے میں کم ہونے کا نام نہیں لے رہی، وہ ہے ''توہّم پرستی''۔ سائنس کی بنیاد عقل اور عقلی دلائل پر ہوتی ہے جب کہ توہّم پرستی کا کوئی عقلی جواز موجود نہیں ہوتا۔ لفظ ''توہّم پرستی'' کے لغوی معنی بھی وہم کی پرستش یا پوجا اور خلافِ عقل باتوں کو تسلیم کرنا کے ہیں۔ بدقسمتی سے ہمارا معاشرہ توہّم پرستی کے جال میں اس قدر اُلجھ چکا ہے کہ اس سے چُھٹکارا پانا جوئے شیر لانے کے مترادف لگتا ہے۔

لوگ جہالت، کم علمی، دینی شعار سے غفلت اور اسلامی تعلیمات سے دُوری کے باعث اپنی مذہبی اقدار و روایات کو پسِ پُشت ڈالتے ہوئے اندھا دُھند توہّم پرستی کا پرچار کرنے والوں کا شکار ہو گئے ہیں اور جعلی عاملوں کے پیچھے لگے رہتے ہیں۔ انسان تو انسان وطنِ عزیز میں تو جانوروں اور پرندوں کے ناموں تک سے دلی مرادیں وابستہ کر لی جاتی ہیں۔ اس سائنسی دور میں اس طرح کے واہموں کی قطعاً گنجائش نہیں ہونی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقلِ سلیم عطا کی ہے، اُسے اچھائی، بُرائی کا شعور دیا ہے۔ حق اور باطل میں تمیز کرنے کے لیے انبیاء و رسل بھیجے گئے اور آسمانی کتابیں نازل کی گئیں۔ روحانی بالیدگی اور ذہنی وفکری نشوونما کا نتیجہ یہ ہے کہ دِلوں سے خوف، ڈر اور نفع نقصان کے اندیشے نکال دینے چاہییں۔

وہ مُسلم معاشرہ جس کی بنیاد ہی یقین اور تقویٰ پر ہے اور جن کا عقیدہ ہی یہ ہے کہ اس کائنات کا خالق و مالک اللہ تعالیٰ ہے اور اس کی اجازت اور علم کے بغیر یہاں پتّا بھی حرکت نہیں کر سکتا۔ وہ وحدہٗ لاشریک ہے اور کوئی بھی مخلوق اُس کے منصب تک پہنچنے کی جرأت نہیں کر سکتی۔ وہ خالق ہے اور اپنی مخلوق کا سوال کرنا، مخلوق کا اللہ سے اُمیدیں وابستہ کرنا اور پھر نتیجے میں اللہ تعالیٰ کا انھیں بے حساب نوازنا اس ذاتِ باری تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔ اس نے انسانوں کو جس لغزش، خطا یا گناہ سے بار بار متنبہ کیا ہے، وہ شِرک ہے، انسانی زندگی کا یہ واحد گناہ ہے جس کی معافی نہیں ہے۔

اس عقیدۂ توحید کا پیروکار ہونے کے باوجود ہم لوگ اگر توہّم پرستی کا شکار ہو رہے ہیں تو یہ ہمارے لیے لمحۂ فکریہ ہے۔ ہم نہ صرف اپنے عقائد سے رُوگردانی کر رہے ہیں بلکہ ان خرافات میں پڑ کر اپنا وقت اور پیسا دونوں برباد کر رہے ہیں۔ اگر ہم تاریخ کے اوراق سے رجوع کریں یا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنھم کی زندگیوں پر نظر کریں تو پتا چلتا ہے کہ ان غیر اسلامی رویّوں کا دین سے کوئی تعلق نہیں۔ پاکستانی معاشرے کا المیہ یہ ہے کہ ہمارے یہاں نہ صرف غریب اور اَن پڑھ طبقہ دین میں ملاوٹ اور خرابی کا باعث ہے

بلکہ معاشرے کا بظاہر پڑھا لکھا اور باشعور ہونے کا دعویٰ کرنے والا ایک وسیع حلقہ بھی ان خرافات کا شکار ہے۔ان غیر اسلامی اور غیر عقلی تصوّرات کے راسخ ہونے کی وجہ سے اُمّتِ مسلمہ زوال وادبار کا شکار ہوگئی۔اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے علامہ اقبالؒ نے اپنی مشہور نظم ''ساقی نامہ'' میں لکھا:

حقیقت خرافات میں کھو گئی
یہ اُمّت روایات میں کھو گئی

جب صورت یہ بنی تو اقبالؒ نے ساقی نامہ میں ہی اُمّتِ مسلمہ کے زوال کا نقشہ ان لفظوں میں کھول کے رکھ دیا:

بجھی عشق کی آگ ، اندھیر ہے
مسلماں نہیں ، راکھ کا ڈھیر ہے

ہم لوگ اپنی مذہبی اقدار کو اس قدر کھوکھلا کر چکے ہیں کہ شر پسند عناصر ان کا فائدہ اٹھا کر ہمیں ہمارے اپنے لوگوں کے خلاف کر رہے ہیں اور ہم ان کے ہاتھوں کٹھ پُتلیاں بنے ان کے اشارۂ ابرو پر رقص کناں ہیں۔شہروں کا حال بھی دیہاتوں سے کچھ مختلف نہیں۔کہیں ساس اپنی بہو کے خلاف تعویذ گنڈے کروا رہی ہے تو کہیں بہُو اپنی ساس کا ناطقہ بند کرنے کے لیے جعلی پیروں فقیروں اور عاملوں کی جیبیں گرم کر رہی ہے۔کچھ معصوم لوگوں کو اولادِ نرینہ کے نام پر لُوٹا جا رہا ہے اور کچھ لوگ فکرِ معاش سے تنگ آ کر ان پیروں فقیروں اور عاملوں کے ہتھکنڈوں کا شکار ہو رہے ہیں۔

بعض لوگ اس حد تک اخلاقی زوال کی پاتال میں گر چکے ہیں کہ اپنے مذموم مقاصد کی خاطر لوگوں کی جان لینے سے بھی گریز نہیں کرتے۔دیہاتوں میں لوگ سُودی قرضے لے کر اپنے مقدمات کے حسبِ منشا فیصلے کروانے اور اپنی خواہشات کی تکمیل کے لیے جعلی پیروں کا کاروبار چمکاتے دکھائی دیتے ہیں۔

توہّم پرستی کی ایک اور قسم جس کا شکار ہمارا معاشرہ ہو رہا ہے اور جو اس دور میں زمانۂ جاہلیت کی تصویر پیش کرتی ہے،وہ یہ ہے کہ آج بھی بیٹی کو بوجھ تصور کیا جاتا ہے۔بیٹی کے پیدا ہونے پر آنسو بہائے جاتے ہیں اور رشتہ دار باقاعدہ افسوس کرنے آتے ہیں۔بیٹے کی آرزو کے لیے کیا کچھ نہیں کیا جاتا۔شوہر کو اپنی طرف مائل کرنے کے لیے تعویذ دھاگوں کا سہارا لیا جاتا ہے جب کہ گھر میں ہر وقت افراتفری میں رہتا ہے۔مزید برآں اور کچھ نہ ہو تو مختلف توہّمات کے نتیجے میں کئی کام روک دیے جاتے ہیں۔بعض دِنوں کو منحوس قرار دیتے ہوئے سفر سے گریز کیا جاتا ہے اور بعض دنوں کو سعد تصور کرتے ہوئے ضروری کام انجام دینے کو ترجیح دی جاتی ہے۔

توہّم پرستی کی زندہ مثالیں ہمیں اپنے معاشرے میں ملتی ہیں مثلاً: اگر کالی بلّی راستہ کاٹ جائے تو اُس راستے پر جانا درست نہیں سمجھا جاتا،کانچ کا برتن ٹوٹ جائے تو اسے بُرا شگون سمجھا جاتا ہے۔گھر کی مُنڈیر پر کوّا کائیں کائیں کرے تو اسے مہمان کی آمد کی علامت قرار دیا جاتا ہے۔انڈین ٹیلی ڈراموں اور فلموں نے ان توہّمات کو مزید فروغ دیا ہے جس کے ہمارے معاشرے پر بدترین

اثرات مُرتب ہو رہے ہیں۔

بجائے اس کے کہ ہم اس کی اصلاح کریں ہم آئے دن توہّم پرستی کا شکار ہو کر اپنے مقاصد سے دُور ہوتے جا رہے ہیں جو کہ ہمارے معاشرے کی ترقی کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ ہے۔

توہّم پرستی ہمارا طرزِ احساس اور طرزِ حیات بن چکی ہے۔ یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ توہّم پرستی ترقی کی شاہراہ پر آگے بڑھنے میں ایک بڑی رکاوٹ ہے، جو لوگوں کو نئی ٹیکنالوجی اور نئے تغیرات کو قبول نہیں کرنے دیتی۔ لوگ فرسودہ رسوم و رواج کو سینے سے لگائے پھرتے ہیں۔ یہ افسوس ناک صورتِ حال نہ صرف معاشرتی طور پر بلکہ معاشی اور سیاسی طور پر بھی ہمارے معاشرے کو کمزور کر رہی ہے۔

معاشرے کے تمام طبقات کو بیدار ہونا ہوگا اور ایسے اقدامات اٹھانا ہوں گے جو لوگوں کو توہّمات کی پُرفریب دُنیا سے نکال کر حقیقت کی دنیا سے رُوشناس کرائیں۔ ایک باشعور اور صحیح الفکر معاشرے کا قیام ہمارا اولین مقصد ہونا چاہیے۔ یہ ملک و قوم کی ترقی اور سالمیت کے لیے انتہائی ضروری ہے کہ عوام ان توہمات کی دلدل سے نکل کر پاکستان کو درپیش مسائل کا مقابلہ مکمل یکسوئی اور تن دہی سے کر سکیں۔ اس طرح کی سماجی بُرائیوں کے خاتمے کے لیے معاشرے کے ہر فرد اور ادارے کو اپنا کردار ادا کرنا ہوگا۔

۱۶ اُردو کی مقبولیت کے اسباب

اردو اس وقت دنیا کی چند بڑی زبانوں میں سے ایک ہے۔ اقوام متحدہ کے ادارے یونیسکو کے اعداد و شمار کے مطابق دنیا میں سب سے زیادہ بولی اور سمجھی جانے والی زبانوں میں چینی اور انگریزی کے بعد تیسری بڑی زبان اردو ہے۔ اس کے بولنے اور سمجھنے والے دنیا کے تقریباً ہر خطے اور ہر ملک میں موجود ہیں اور اس کے حلقۂ اثر کو دیکھتے ہوئے یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ یہ انگریزی کے بعد دنیا کی سب سے بڑی زبان ہے۔ پاکستان میں اردو کو قومی زبان کا درجہ حاصل ہے اور یہ ملک بھر میں رابطے کی واحد زبان ہے۔ اگرچہ پاکستان میں صوبائی سطح پر پنجابی، سندھی، بلوچی، پشتو، سرائیکی اور پوٹھوہاری وغیرہ بولی جاتی ہیں مگر ان کا دائرہ اثر صرف مقامی سطح تک محدود ہے جب کہ اردو واحد زبان ہے جو طورخم سے کراچی تک سمجھی، بولی، پڑھی اور لکھی جاتی ہے۔ بلکہ بھارت، بنگلہ دیش اور سارک کے دوسرے ملکوں میں بھی اس کی مقبولیت کچھ کم نہیں۔ یہاں کے بیشتر باشندے، بالخصوص شہری آبادیوں میں رہنے والے اردو بولتے اور سمجھتے ہیں اور اردو پڑھنے لکھنے والوں کی تعداد بھی کروڑوں میں ہے۔ گویا یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ جنوبی ایشیا میں اردو وہ زبان ہے جسے طورخم سے چٹا گانگ اور کوہ ہمالیہ سے لے کر جزائر مالدیپ تک قبولِ عام کا درجہ حاصل ہے۔ اس کے علاوہ مشرق وسطیٰ کے تمام ممالک اور یورپ، امریکہ، کینیڈا، افریقہ، آسٹریلیا اور ایشیا کے دوسرے ملکوں میں بھی اردو بولنے اور سمجھنے والوں کی اچھی خاصی تعداد موجود ہے۔ دنیا کی بیشتر معروف یونیورسٹیوں مثلاً کیمبرج یونیورسٹی، آکسفورڈ یونیورسٹی، کنگز کالج لندن، لندن یونیورسٹی، کولمبیا یونیورسٹی، شکاگو یونیورسٹی، انٹرنیشنل یونیورسٹی کیلیفورنیا، میک گل یونیورسٹی کینیڈا وغیرہ میں ضرورت کے تحت اردو کی تدریس کے شعبے قائم ہیں، جن میں اردو سیکھنے والوں کی تعداد روز بروز بڑھ رہی ہے۔ لطف یہ ہے کہ متذکرہ یونیورسٹیوں کے علاوہ بھی دنیا کی کئی اور یونیورسٹیوں میں اردو میں پی ایچ۔ ڈی تک کی ڈگریاں دی جاتی ہیں۔ پاکستان کی یونیورسٹیوں میں بھی دوسرے ملکوں سے طلبہ اردو پڑھنے کے لیے آتے ہیں۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق اس وقت دنیا میں اردو جاننے اور بولنے والوں کی مجموعی تعداد ڈیڑھ ارب سے متجاوز ہے جو اردو کی عام مقبولیت کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔

اردو بجائے خود ترکی زبان کا لفظ ہے اور اس کے معنی لشکر یا فوج کے ہیں۔ مغل شہنشاہ شاہجہاں کے دورِ حکومت میں جو شاہی لشکر دہلی میں مقیم رہا وہ اردو یا اردوئے معلیٰ کہلاتا تھا اور چونکہ یہ زبان لشکری بولتے تھے۔ اس لیے یہ زبان اردو کہلائی۔ اسی لیے پہلے پہل ثقہ قسم کے لوگ اس میں بول چال کرنے سے بچنے کی کوشش کرتے اور اس کے لکھنے پڑھنے کو عار سمجھتے رہے لیکن رفتہ رفتہ اس کے قدم جمتے گئے۔ مغلیہ سلطنت کے دورِ انحطاط میں اس میں خوب نکھار پیدا ہوا۔ عوام کے ساتھ ساتھ خواص نے بھی اسے اپنایا۔ شعرا نے اسے اپنے سایہ عاطفت میں لے لیا اور اس میں بہت کچھ صفائی پیدا کی اور نئی نئی تراش خراش سے اسے خوب آراستہ و پیراستہ کر دیا۔ مغلیہ

سلطنت کے زوال کے بعد برصغیر پر انگریزوں کا قبضہ ہوا۔ انگریز ہندو اور مسلمانوں دونوں سے الگ بالکل ایک غیر اور اجنبی قوم تھی جو سات سمندر پار سے آئی تھی۔ اس کی زبان، اس کی تہذیب، اس کے معاشرتی حالات یہاں سے بالکل جداگانہ تھے مگر اس قوم کے لیے بھی، برصغیر میں مضبوطی سے قدم جمانے کے لیے، سوائے اردو کا سہارا لینے کے کوئی چارہ نہ تھا۔ اس طرح غیر محسوس طریقے سے انگریز بھی اردو کی ترویج و اشاعت کا تیسرا بڑا سبب ہوئے۔

اردو بلاشبہ ایک مرکب زبان ہے لیکن ہندی نژاد ہے۔ جس پر عربی، ترکی، فارسی اور انگریزی کے اثرات سب سے زیادہ ہیں۔ مختلف زبانوں کے الفاظ بنیادی عناصر کی صورت میں اس کثرت سے اور اس طرح اردو میں داخل ہو گئے ہیں کہ اب انھیں اس مرکب سے علیحدہ کرنا محال ہے اور شاید اسی وجہ سے اردو کا یہ مزاج بن گیا ہے کہ یہ دوسری زبانوں کے الفاظ اپنے اندر بآسانی جذب کر لیتی ہے اور شاید یہی وجہ ہے کہ اس میں ہر شخص کے لیے ایک انجانی سی کشش ہے۔ دوسری بات یہ کہ اردو جن جن زبانوں سے مل کر بنی ہے ان تمام زبانوں کی بیشتر خوبیاں بھی اس میں آ گئی ہیں۔ مثلاً ہندی میں یہ خوبی ہے کہ اس کے الفاظ نرم و شیریں اور کومل ہیں اور ان میں ایک دل آویزی موجود ہے۔ عربی میں جو فصاحت و بلاغت ہے وہ کسی دوسری زبان میں نہیں۔ فارسی میں شیرینی کے ساتھ ساتھ ایک شان ہے۔ چنانچہ یہ تمام خوبیاں اردو میں موجود ہیں۔

اردو کا بنیادی ڈھانچا اگرچہ مقامی خمیر سے تیار ہوا ہے لیکن یہ اپنی ساخت کے اعتبار سے بین الاقوامی مزاج کی مخلوط زبان ہے۔ اردو میں جیسا کہ اوپر ذکر ہوا ہے، ہندی، عربی، فارسی زبانوں اور مقامی بولیوں کے الفاظ اس کثرت سے داخل ہیں کہ ان کا شمار کرنا محال ہے۔ اس کے علاوہ اس میں انگریزی، اطالوی، پرتگالی، ترکی، جرمن، چینی، سکینڈے نیوین، فرانسیسی، ولندیزی، یونانی اور دیگر زبانوں کے الفاظ بھی اچھی خاصی تعداد میں موجود ہیں۔ یہ الفاظ روزمرہ کی تقریر و تحریر میں بے کھٹکے بولے اور لکھے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ دور افتادہ دیہاتوں میں بھی برابر مستعمل ہیں۔ ان میں سے زیادہ تعداد انگریزی الفاظ کی ہے۔

ان زبانوں کے الفاظ دیکھ کر یوں لگتا ہے کہ یہ اردو ہی کے لیے بنے تھے اور ان زبانوں کا نام تو ہم محض تکلفاً لیتے ہیں۔ اس سے یہ بھی بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ اردو میں غیر زبانوں کے الفاظ کو اپنے اندر سمونے کی کس قدر صلاحیت ہے۔ اردو کے اس مخلوط مزاج ہونے کے نتیجے میں یہ ہوا ہے کہ اردو کے ہر جملے میں کئی کئی زبانوں کے الفاظ شامل ہوتے ہیں اور ان الفاظ اور جملوں کے سننے والا، چہ جائیکہ اردو سے نابلد ہی کیوں نہ ہو، کسی نہ کسی حد تک محسوس کرتا ہے کہ جیسے وہ اس زبان سے مانوس ہے یا کچھ نہ کچھ الفاظ سے شناسائی ضرور رکھتا ہے۔ یہ احساس اسے اردو کے قریب تر لانے میں مدد ہوتا ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ جن اجنبیوں نے اردو سیکھنے کی کوشش کی ہے وہ بہت جلد اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ راقم الحروف نے خود دیکھا ہے کہ وہ طلبہ جو پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج کے شعبہ اردو میں اردو سیکھنے کی غرض سے ایران، چین، جاپان، کوریا، تھائی لینڈ، مصر، سعودی عرب، اردن، عراق، آسٹریلیا، امریکہ اور برطانیہ وغیرہ سے آتے ہیں، چند ہی مہینوں میں اردو میں اچھی خاصی گفتگو کرنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔ اردو کی کتابیں پڑھ لیتے ہیں

اور اردو لکھنا بھی سیکھ جاتے ہیں۔

اردو میں دخیل الفاظ کئی جہتوں سے اردو میں داخل ہوئے۔ یہ جہتیں کون کون سی ہیں، یہ بحث ایک علیحدہ باب ہے۔ بہر کیف ان دخیل الفاظ کے تفصیلی مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ بحیثیت مجموعی اردو میں یہ تین صورتوں سے آئے ہیں: بعض الفاظ جوں کے توں اردو میں داخل ہو گئے ہیں، بعض کا حلیہ اور تلفظ بدل گیا ہے اور بعض الفاظ کچھ کے کچھ ہو گئے ہیں۔ لیکن بہر طور اب یہ اردو کے الفاظ ہیں۔ بقول انشاءاللہ خاں انشا: ''ہر وہ لفظ جو اردو میں آ گیا، اردو کا ہے۔'' یہ اصول آج بھی تسلیم کیا جاتا ہے کہ یہ عمل آج بھی جاری ہے۔ اس پر نہ کوئی قدغن لگا سکتا ہے اور نہ ہی اردو کا مزاج کسی قدغن کے قبول کرنے کو تیار ہے۔ اس طرح اردو کے سرمائے میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ بلکہ یہ ہر زندہ زبان کا اصول ہے کہ وہ دوسری زبانوں کے الفاظ کسی نہ کسی صورت میں قبول کر لیا کرتی ہے لیکن بہر طور اردو میں یہ خاصیت سب زبانوں سے زیادہ ہے۔ اردو کی اس صلاحیت کا اندازہ سب سے پہلے اولیائے عظام اور صوفیائے کرام کو ہوا جو برصغیر پاک و ہند کے مختلف علاقوں میں اسلام کا پیغام پہنچانے کی غرض سے آئے۔ ان کی اپنی مادری زبان کچھ بھی رہی ہو مگر وہ عوام میں رہ کر عوام سے عوام کی زبان میں مخاطب ہوئے۔ چنانچہ متاثرین نے ایسے لوگوں کے اقوال، وظائف اور ملفوظات وغیرہ کو حرزِ جان بنا لیا۔ ان کا یہ فیض آج بھی ہر جگہ جاری و ساری ہے۔ اسی طرح غیر ملکوں کے سیاحوں کی زبان کے بہت سے الفاظ بھی ملکی زبان کا جزو بنتے رہے اور مغرب سے سفارت کار اور مشنری برصغیر پاک و ہند میں آئے تو انھوں نے بھی اسی زبان کو ذریعہ اظہار بنایا کیونکہ اس کے بغیر ان کا گزارہ نہ تھا۔ ان مبلغوں، سیاحوں، سفارت کاروں اور مشنریوں کے ذریعے ہی مختلف اقوام اس زبان سے روشناس ہوئیں اور یہاں کے بہت سے الفاظ ان کی زبانوں میں بھی داخل ہوئے۔ اور ظاہر ہے یہ سب باتیں اردو کی مقبولیت کا باعث بنیں۔

اردو کی مقبولیت کا ایک اور سبب یہ بھی ہے کہ چونکہ اردو کا جنم کئی زبانوں کے اتفاقی اختلاط سے ہوا ہے اس لیے ان زبانوں کے حروف ابجد بھی اس میں آ گئے ہیں اور اس وقت اس زبان میں سب سے زیادہ آوازوں کے حروف کا نظام مستعمل ہے۔

اردو کی یہ خاصیت بھی ہے کہ اس میں ہر زبان کے الفاظ خواہ وہ کسی بھی لہجے اور کیسے ہی مشکل مخرج سے تعلق کیوں نہ رکھتے ہوں، بآسانی جزوِ بدن ہو جاتے ہیں۔ دراصل اس کی وجہ یہ ہے کہ برصغیر پاک و ہند میں ہر ملک کی آب و ہوا کا لطف اور ہر موسم کا سماں موجود ہے۔ یہاں کے باشندے جس زبان کو چاہتے ہیں اس میں جلد ہی اس قدر مہارت پیدا کر لیتے ہیں کہ اس کے اہلِ زبان بھی تمیز نہیں کر سکتے۔ اور تو اور یہاں کے بعض پرندوں کو بھی یہ ملکہ حاصل ہے کہ آپ ذرا سی محنت سے انھیں دنیا کی ہر زبان سکھا سکتے ہیں اور وہ اس زبان میں جلد ہی بولنے لگتے ہیں۔ بنگلہ دیش کی مینا اور پاک و ہند کے راطوطے کی بولی پر صاف انسان کا گمان ہوتا ہے۔ اس سے بڑھ کر لطف یہ ہے کہ یہاں کے بعض لوگ بعض جانوروں کی بولی بول کر اس خوبی سے نقل کرتے ہیں کہ ان جانوروں کو بھی مخمصے میں ڈال دیتے ہیں۔ اردو کی مقبولیت کا ایک اور سبب یہ بھی ہے کہ دنیا کی بیشتر زبانوں کے مقابلے میں اردو تحریر کم سے کم جگہ اور وقت لیتی ہے۔

اس کے علاوہ اردو میں یہ وصف بھی ہے کہ اس میں مصدر سازی کے ایک نہایت کارآمد نظام کا سلسلہ موجود ہے یعنی اردو کے

لازم مصادر کومتعدی مصادر میں اور متعدی مصادر کومتعدی المتعدی مصادر میں آسانی کے ساتھ ڈھالا جا سکتا ہے۔مثلاً: لکھنا سے لکھانا اور لکھوانا، اٹھنا سے اٹھانا، اور اٹھوانا، پکنا سے پکانا اور پکوانا، پینا سے پلانا اور پلوانا، ہنسنا سے ہنسانا اور ہنسوانا وغیرہ۔ مصدر سازی کے اس نظام سے جملوں کی ساخت مختصر اور آسان ہوجاتی ہے اور مفہوم بھی بخوبی ادا ہوتا ہے جب کہ بہت سی زبانوں مثلاً انگریزی میں بھی اس طرح کا کوئی نظام موجود نہیں ہے۔

اردو کا ایک امتیازی وصف یہ بھی ہے کہ اس میں ہم معنی، مترادف اور متضاد الفاظ کثرت سے موجود ہیں جس سے اردو بولنے یا لکھنے والا ان الفاظ کے انتخاب میں ایک طرح کی سہولت پاتا ہے۔ اس کے علاوہ اردو میں امدادی افعال کا ایک آسان اور موثر نظام رائج ہے جس کی وساطت سے تحریر وتقریر میں نہ صرف بلاغت اور زور پیدا ہوجاتا ہے بلکہ اکثر اوقات جو فصاحت اور فرق پیدا ہوجاتا ہے وہ ایسا نازک اور پرلطف ہوتا ہے جو بیان میں نہیں آسکتا اور اس طرح انسانی جذبات بھی آسانی کے ساتھ ادا کیے جا سکتے ہیں۔

ایک محتاط اندازے کے مطابق اس وقت اردو میں عام طور پر استعمال ہونے والے الفاظ کی تعداد تین لاکھ سے زیادہ ہے۔ جبکہ اصطلاحی الفاظ کی تعداد اس کے علاوہ ہے۔ الفاظ کی اتنی بڑی تعداد سوائے انگریزی کے غالباً دنیا کی کسی اور زبان میں موجود نہیں۔ چنانچہ اردو کا یہ رنگا رنگ ذخیرۂ الفاظ، اس کا بین الاقوامی مزاج، مصدر سازی کے بعض عمدہ اصول، افعالِ معاون کے استعمال کی سہل صورتیں، ہم معنی، مترادف اور متضاد الفاظ کی کثرت وغیرہ ایسی خصوصیات ہیں جو اردو کو دنیا کی تمام زبانوں میں ممتاز اور مشرف کرتی ہیں اور اس کی مقبولیت کی نئی راہیں کھولتی ہیں۔ اردو ایک سہل المخارج، سریع الفہم، ہمہ گیر، ہمہ صفت موصوف اور مرغوب خاص و عام زبان ہے اور، اردو سمجھنے، بولنے اور لکھنے والوں کے لیے وجہِ افتخار ہے۔

مضامین کے لیے دیگر عنوانات

(۱) اتحادِ عالمِ اسلام
(۲) عمل سے زندگی بنتی ہے جنّت بھی جہنّم بھی
(۳) قومی تہوار
(۴) اپنی مدد آپ
(۵) سیلاب کی تباہ کاریاں
(۶) غالب: شاعرِ امروز وفردا
(۷) تحریکِ پاکستان
(۸) شہری زندگی کے مسائل
(۹) شہری اور دیہی زندگی کا موازنہ
(۱۰) حقوق العباد
(۱۱) حبّ الوطنی
(۱۲) علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا تصوّرِ جمہوریت
(۱۳) تندرستی ہزار نعمت ہے
(۱۴) کتاب دوستی
(۱۵) جمہوریت اور جمہوری رویّے
(۱۶) دہشت گردی: ایک ناسور
(۱۷) یہ اندھیرے ہی نیا عزمِ سحر رکھتے ہیں
(۱۸) ڈینگی بخار اور حفاظتی تدابیر
(۱۹) ای۔کامرس: جدید اندازِ تجارت
(۲۰) میرا پسندیدہ شاعر
(۲۱) میری پسندیدہ کتاب
(۲۲) عالمگیریت کے تقاضے
(۲۳) گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں
(۲۴) محنت میں عظمت
(۲۵) عزم واستقلال
(۲۶) ہمارا ماحول اور شجرکاری
(۲۷) تعمیرِ وطن میں طلبہ کا کردار
(۲۸) اطاعتِ والدین
(۲۹) معاشرتی مسائل اور ان کا حل
(۳۰) ملکی سلامتی کے لیے معاشی استحکام کی ضرورت واہمیت
(۳۱) تجارت کی قدیم اور جدید صورتیں
(۳۲) جس میں نہ ہو انقلاب، موت ہے وہ زندگی
(۳۳) سیر وسیاحت: تعلیم بھی تفریح بھی
(۳۴) باغبانی: ایک دل چسپ مشغلہ
(۳۵) فوگ اور سموگ سے بچاؤ
(۳۶) پالتو جانور
(۳۷) انفارمیشن ٹیکنالوجی
(۳۸) ملازمت نہیں اپنا کام
(۳۹) آدابِ مطالعہ
(۴۰) سائنسی اندازِ فکر کی ضرورت
(۴۱) فنونِ لطیفہ کی جمالیات
(۴۲) سفارش اور اقربا پروری کے نقصانات
(۴۳) اسلام میں گداگری کی مذمت
(۴۴) سوشل میڈیا: فوائد اور نقصانات
(۴۵) مسئلۂ کشمیر
(۴۶) ٹیکنیکل ایجوکیشن